ہلال و صلیب

یعنی

الملک الناصر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے مبسوط سوانح حیات

مرتبہ ایم۔ اسلم صاحب

جسکے آغاز میں

دیباچے کے طور پر ابوالاثر حفیظ کی ایک نظم بھی درج کی گئی ہے

بفرمائش

منیجر اردو اکیڈمی پنجاب لوہاری گیٹ لاہور

صلاح الدین ایوبیؒ

از ابوالاثر حفیظ جالندھری

مشرق

سُناتا ہوں تمہیں اِک واقعہ اُس عہدِ زرّیں کا
تسلط تھا زمیں پر جب حجازی دین و آئیں کا
رواں تھے شش جہت میں قافلے اُن ساربانوں کے
کہ جنکے دل میں حق تھا لب پہ نغمے تھے اذانوں کے

فلک پر ہوں فروزاں جس طرح محفل ستاروں کی
درخشاں تھیں زمیں پر بستیاں ایمانداروں کی
مکاتب سے رواں تھے چشمہائے علم انسانی
مساجد سے عیاں تھے جلوہ ہائے نورِ عرفانی
ازل سے جو شرف انسان کے حصے میں آئے تھے
وہ اس اُمت نے لاکر ان زمینوں میں بسائے تھے
یہاں سچے خدا کا آخری فرمان جاری تھا
مسلمانوں کا شیوہ شیوۂ طاعت گذاری تھا
مدینے سے یہ پیغامِ الٰہی لے کے آئے تھے
مروّت۔ پاکبازی۔ خوش نگاہی لیکے آئے تھے
زمیں پر فتنہ پھیلانا نہیں تھا اِن کے مقصد میں
نظامِ امن اور پیغامِ دیں تھا اِن کے مقصد میں
محافظ تھے یہ بیواؤں۔ یتیموں اور ضعیفوں کے

یہ دشمن تھے شریروں کے یہ محسن تھے شریفوں کے
مفاسد کو مٹا دیتا تھا دستِ حق پرست اِن کا
دُعا گو تھا جہاں میں ہر نحیف و زیر دست اِن کا
غلاموں کو یہ آزادی کی راہیں دینے والے تھے
یہ مظلوموں کو دامن میں پناہیں دینے والے تھے
بہت اُفتادہ قومیں دامنوں میں اِن کے بستی تھیں:
یہاں لطف و کرم کی بدلیاں جن پر برستی تھیں
گذر اوقات کرتے تھے بشر امن اور راحت سے
تجارت سے صناعت سے زراعت سے فلاحت سے
یہاں شاکی تشدّد کا نہ سرمایہ نہ مزدوری
یہاں محنت بھی پُر اخلاص تھی اور مزد بھی پوری
یہ سارا فیض تھا قرآنِ ناطق کی نبوّت کا!
کہ ہر سُو دَور دورا تھا مساوات و اخوّت کا

نگہ میں شرم۔ دل میں نورِ معنی جاری و ساری!
سکون و راحت و امن و اماں تھا ہر طرف طاری

مغرب

عنانِ ابلقِ ایّام ہے اللہ کے بس میں
اندھیرے اور اُجالے کی حدیں ملتی ہیں آپس میں
مِلا ہے جس طرح دِن کی حدوں سے رات کا ڈانڈا
اِدھر روشن ممالک تھے۔ اُدھر ظلمات کا ڈانڈا
اِدھر یہ کارواں بھٹکا راہِ تہذیب و تمدّن پر
اُدھر تھا مُدّتوں سے سازِ ہستی اور ہی دُھن پر
وہاں تاریکیاں تھی جہل بھٹا ظلمت کے ساماں تھے
وہاں انسان بستے تھے جو ہر پہلو سے حیواں تھے!

وہاں ہنگامہائے قتل و غارت کا زمانہ تھا
مسلسل فتنہ و شور و شرارت کا زمانہ تھا
حکومت پوپ کی تھی اور یا نواب زادوں کی !
جنہیں پروا خدا کی تھی نہ اپنے باپ دادوں کی
نہ تھا ان کے عقیدے میں گنہ اور کارِ بد کوئی
سزا کوئی مقرر اُن کے مذہب میں نہ حد کوئی
مبدل تھی وہاں انجیل عیسےٰ چند قصوں میں !
خدا تقسیم ہو کر رہ گیا تھا تین حصوں میں !
خدا۔ پھر اُس کا بیٹا۔ اور وہ بیٹا بھی خدا اُن کا
علاوہ ان کے روح القدس بھی معبود تھا ان کا
زیادہ سب سے پرستی تھی مگر تصویر مریمؑ کی
خدا سے بڑھ کے ہوتی تھی یہاں توقیر مریمؑ کی
بہت سی اور روحوں کی بھی شرکت تھی خدائی میں

لگی رہتی تھیں جو اِس قوم کی حاجت روائی میں
غرض اللہ کی مخلوق تھی شیطاں کے پھندوں میں
کروڑوں تھے مگر کوئی نہیں تھا حق پسندوں میں
وہاں ناموسِ انسانی کی قیمت ہی نہ تھی کوئی!
حیا و شرم کی جانب عزیمت ہی نہ تھی کوئی
نہ رتبہ علم میں اس کا نہ کچھ اخلاق میں پایہ
یہی ظلمتکدہ تھا ارضِ اسلامی کا ہمسایہ

صلیبی حملے

ازل سے خیر و شر میں شکل ہے جنگ آزمائی کی
عدو ہے ظلمتِ بوجہل نورِ مصطفائی کی
ضیا دیکھی جو مشرق میں تو شیطاں نے شرارت کی

رُخِ مغرب سے اِک آندھی اُٹھائی قتل و غارت کی
انوکھی طرز کی آندھی۔ نرالے طور کی آندھی!
ہوا و حرص کی آندھی۔ جفا و جَور کی آندھی
یہ آندھی ایک ٹڈّی دل تھا صلیبی سُورماؤں کا
یہ عفریتوں کی فوجیں تھیں یہ لشکر تھا بلاؤں کا
یہ سفّاکی تھی المانی۔ یہ رُومانی تھی ناپاکی!
یہ عیبا کی تھی انگلیسی۔ فرانسادی ہوسناکی
اُمڈ آئی یہ آندھی ناگہاں ارضِ فلسطین پہ
تعصب کی ہوا سے آگ برسی گلشنِ دیں پہ
کیا انسانیت پہ مل کے دھاوا ان درندوں نے
لہو پی جانے والے قاتلوں ایذا دہندوں نے
نظر آئی جہاں پُر امن باشندوں کی آبادی!
وہیں یورپ کے خونی بھیڑیوں نے موت پھیلا دی

غضب تھے کارنامے یورپی تیغ آزماؤں کے
کہ ان کے ہاتھ سے کاٹے گئے پستان ماؤں کے
نرالا کھیل تھا مدِ نظر خنجر گذاروں کو!
کیا جاتا تھا چورنگ ہوائی شیر خواروں کو
خدا ترسی نہ کوئی احترام اُن کو شریفوں کا
روا تھا قتل اُن کے ہاں نہتوں کا ضعیفوں کا
بنی گنج شہیداں منزلیں بھی اور راہیں بھی
مکاں بھی شہر بھی اور مسجدیں بھی خانقاہیں بھی
رواں تھا قدس میں خونِ شہیداں ندیاں ہو کر
مسلمانوں کی لاشیں تیرتی تھیں مچھلیاں ہو کر
خطا یہ تھی کہ اِک واحد خدا کو مانتے تھے یہ
زن و فرزند سے اُس کو مبرہ جانتے تھے یہ
خطا یہ تھی یقیں تھا ان کو قرآنی اصولوں پر

قیامت پر فرشتوں پر کتابوں پر رسولوں پر
خطا یہ تھی مسیحا کو یہ روح اللہ کہتے تھے!
جو ابن اللہ سمجھتا تھا اُسے گمراہ کہتے تھے
خطا یہ تھی کہ یہ معصومیٔ مریم کے قایل تھے
خطا یہ تھی کہ ان کے پاس کچھ روشن دلایل تھے
خطا یہ تھی کہ ہادی تھے محمدؐ مصطفیٰ ان کے
خطا یہ تھی کہ ان کے نام پر دل تھے فدا ان کے
خطا یہ تھی سمجھتے تھے یہ ختم المرسلینؐ ان کو
ابد تک مانتے تھے رحمۃٌ للعالمینؐ ان کو
خطا یہ تھی کہ بانی تھے یہ علم و فن و حکمت کے
خطا یہ تھی کہ حامل تھے یہ قرآنی شریعت کے
خطا یہ تھی۔ نہ تھی ان کو خوشامد اہلِ قوت کی!
کہ یہ تبلیغ کرتے تھے مساوات و اخوت کی!

غرض کوئی خطا ان کی نہ تھی قابلِ معافی کے
کہ یہ پُرنور چہرے آئینے تھے قلبِ صافی کے
چڑھی آندھی جو مغرب کے صلیبی تیرہ بختوں کی
نہ پھولوں کی رہی رنگت نہ سرسبزی درختوں کی
کیا باغات کو تاراج کھیتوں کو جلا ڈالا!
زمیں سے نقشِ تہذیب و ترقی کا مٹا ڈالا
مساجد اور ساجد جھک گئے دونوں عبادت میں
مکیں بھی اور مکاں بھی ہمنوا تھے اِس شہادت میں
ہوا اِن کے قدم سے یہ مآلِ گلشنِ ہستی!
کہیں سڑتی ہوئی لاشیں۔ کہیں اجڑی ہوئی بستی
جو بیتی اِن کے ہاتھوں عکہ و بیت المقدس میں
بیاں اِس کا نہیں ہے سرسری الفاظ کے بس میں
اِدھر فرشِ زمیں تھا اور لاشے بے گناہوں کے

اُدھر عرشِ بریں ہلتا اور جھونکے سرد آہوں کے

اِسلام کے غیرتمند فرزند

دُعاؤں کی قبولیت کا طائر زیرِ دام آیا!
ستم کا بھر گیا پیمانہ وقتِ اِنتقام آیا
خدا کا ہاتھ اُٹھا اور بڑی تعجیل سے اُٹھا
اچانک ایک ابرِ سبز رودِ نیل سے اُٹھا
مُسلماں کی اُخوت آ گئی تھی جوشِ غیرت میں
تڑپتی تھیں غضب کی بجلیاں اِس ابرِ رحمت میں
وفا کا ایک بندہ۔ شمعِ دیں کا ایک پروانہ
صداقت کیش مسلم۔ بادۂ غیرت کا مستانہ
محمد مصطفےٰ کا اِک غلام۔ اللہ کا غازی

اُٹھا نزدِ وفا پر کھیلنے کو عِشق کی بازی!
مُصلّے تہ کیا۔ تسبیح رکھ دی مردِ زاہد نے

اُٹھایا پرچم اسلام اسلامی مجاھد نے
مفاسد کو مٹانے کے لئے باصد خوش اسلوبی

اُٹھا تیغ و سپر لے کر صلاح الدّین ایوّبیؒ
لیا اللہ اکبر کہہ کے اعلانِ جہاد اُس نے

پڑھی قرآن لے کر آیۂ دفع فساد اُس نے
مساجد سے نکل آئے نمازی لے کے شمشیریں

زمیں سے آسمان تک گونج اُٹھیں پُرجوش تکبیریں
بلادِ مصر سے آگے بڑھیں اِسلام کی فوجیں

دبی تثلیث کی آندھی چڑھیں توحید کی موجیں
بہت کچھ لشکرِ ظُلمات نے کی روک تھام ان کی

مگر روشن رہی فضلِ خُدا سے صُبح و شام اِن کی

یہ مردانِ خدا تھے روکنا بیکار تھا اِن کا
صلاح الدین ایوبی سپہ سالار تھا اِن کا!
جو سیف اللہ کو دیکھا پیشرو ان شہسواروں کا
ہوا یورپ کی جانب رُخ صلیبی تاجداروں کا
مفسّر آیۂ لاتفسدوا فی الارض کا آیا
تو خوں آشام فتنہ پروروں کا قلب تھرایا
مقابل ہو کے ہر میدان میں ہر بار بھاگ اُٹھے
پڑی ہر بار جب ان پر خدا کی مار بھاگ اُٹھے
زن و فرزند کو چھوڑا صلیبی سورما بھاگے
یہ اُس سے دس قدم آگے وہ اِس سے دس قدم آگے
خدا نے ظالموں کو ظلم کی پاداش دی آخر
صلاح الدین نے یورپ کو شکست فاش دی آخر
ہلالی پرچموں نے چھا لیا ارضِ فلسطین کو

لباس سبز پھر پہنا دیا اس گلشنِ دیں کو
فرازِ قدس پر لہرا گیا اسلام کا جھنڈا
فضا پر نور بن کر چھا گیا اسلام کا جھنڈا
نجاست شرک کی اس ابرِ رحمت نے جو دھو ڈالی
زمیں پر جم گیا سبزہ گلوں پر آ گئی لالی!
ہُوا ضَو ریز پھر اس مُلک پر توحید کا جلوہ
صلاح الدین کا چہرا تھا صبحِ عید کا جلوہ

عہدِ فاطمی کا ایک نادر و زرین شاہکار

سلطان صلاح الدین ایوبی

۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الملک الناصر مجاہدِ اسلام
سلطان صلاح الدین غازی یوسف ایوبیؒ

طفولیت اور ابتدائی حالات

تاریخ کے اوراق سے اِس قسم کے متعدد واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ بسا اوقات غیر معروف ہستیاں قسمت کا صرف ایک پانسہ پلٹ جانے سے کنجِ گمنامی سے اُٹھیں اور آسمانِ سعادت پر جلوہ افروز ہو گئیں اور ان کی شہرت کا ڈنکا محض خداداد لیاقت۔ ذہانت۔ ذکاوت اور بہادری کی بدولت چار دانگ عالم میں غلغلہ انداز رہا ہے۔

یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہمیشہ بادشاہوں ہی کی اولاد سریر آرائے سلطنت ہُوا کرے۔ بلکہ ایسی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں کہ وہ جو کبھی نانِ جویں کے لئے محتاج تھے اور دریوزہ گری کرتے پھرتے تھے تخت و

تاج کے مالک بن گئے۔ حکومت اور سلطنت درگاہ ایزدی سے اُن لوگوں کو عطا ہُوا کرتی ہے جو اس کے اہل ہوں۔ اور ابتدائے آفرینش سے قسام ازل ع "جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا" کے اصول پر عمل پیرا ہے۔

آج جس مجاہد اعظم کے حالات سپرد قرطاس ہیں۔ اس کے آبا و اجداد کسی اقلیم کے والی نہ تھے۔ کوئی سلطنت ان کے زیر نگیں نہ تھی۔ بلکہ یہ خاندان بھی بجائے خود کوئی نامی گرامی خاندان نہ تھا۔ نہ تو یہ وہ لوگ تھے جن کو عرب کے ان بادیہ نشینوں سے کچھ ربط و ضبط تھا جو کبھی باوجود سفاک، ظالم اور جاہل ہونے کے خدا کی ایک بزرگترین ہستی کی پاک تعلیم سے شرافت، تہذیب اور نورِ ایمان کی برکات سے بہرہ اندوز ہوکر "اعرابی" و "الاگوہر" کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ اور نہ ان کو جنگجو اور دلاور ترکوں سے کچھ واسطہ تھا جو محض ایک تیغ دودم کے بل پر ایک عالم کو اپنی قوت کا لوہا منوا چکے۔ بلکہ یہ خانہ بدوش کُردوں کا ایک گروہ تھا جن کی قسمت میں روز ازل سے بادیہ پیمائی تھی۔ "کُردوں" کے اس قبیلہ کے آبا و اجداد کسی زمانے میں وسطِ ایشیا سے ہجرت کرکے "آرمینیا" میں آبسے تھے۔ اور ابھی تک اپنے آبائی پیشہ یعنی لوٹ مار اور جنگ و جدل کا بازار "ایران" اور "ایشیائے کوچک" کے درمیان کوہستانی علاقوں میں گرم رکھتے تھے۔ یا اگر کبھی ہمسایہ اقوام ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوتیں تو یہ "کُرد قبائل" بھی جدھر سے فائدہ نظر آتا اُس کے ساتھ شامل ہوکر میدان کارزار میں خوں آشامی کے لئے آ کودتے۔ ان میں سے اکثر قبائل اسلام کے حلقہ بگوش تھے۔ ان لوگوں کی مہمان نوازی۔ شاہسواری اور پرلے درجے کی بہادری کوئی چھپی بات نہ تھی۔ یہ لوگ اسلام کی آن پہچان دینا

ور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عزت پر سر کٹوانا باعث فخر سمجھتے تھے۔
انہی وحشی اور جنگجو کردوں کے ایک قبیلہ کا جو "روادیہ" کے نام سے
مشہور تھا "نجم الدین ایوب" سردار تھا۔ نجم الدین ایوب جو اس وقت بزم
سیاست اور میدان قتال میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ آرمینیا کے ایک
مشہور شہر دوین میں جو "آذربائجان" کے قرب وجوار میں ہے پیدا ہوا تھا۔
ہمارا مجاہد اعظم "صلاح الدین" اسی خوش بخت کا جگر گوشہ تھا۔

اس سے زیادہ سلطان صلاح الدین یوسف کے حالات بتلانے سے
تاریخ قاصر ہے۔ لیکن اس زمانہ کے مورخوں سے ہم کو اس قدر پتہ
ملتا ہے کہ ان ایام میں قبیلہ روآدیہ اور نجم الدین ایوب" کا خاندان
دوین کے قرب وجوار میں ایک با اثر اور ممتاز خاندان متصور ہوتا تھا۔
دسویں صدی میں یہی دوین "شمالی آرمینیا" کا دارالسلطنت تھا اور
خاصہ بارونق شہر تھا۔ اس وقت دوین میں مسلمانوں کے علاوہ
عیسائی بکثرت آباد تھے۔ لیکن یہودی اور چند دیگر اقوام کے لوگ بھی
ادھر اُدھر سے آبسے تھے۔
یہ سب اقوام بلا امتیاز مذہب و ملت اپنے منصف مزاج مسلمان
حکمرانوں کے زیر نگیں امن وراحت سے آباد تھیں۔ عیسائی مورخ
شاہد ہیں کہ خانۂ خدا کے دیوار بہ دیوار جہاں پانچوں وقت نعرۂ توحید
بلند ہوتا تھا۔ پیروانِ مسیح علیہ السّلام کے لئے بھی ایک کلیسا موجود تھا
اور یہ لوگ کھلے بندوں مریم اور روح القدس کو سجدے کرتے تھے۔
اگر غور کیا جائے تو مساوات کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

مگر دوین کی عظمت اور شہرت کا آفتاب جو نصف النہار پر پہونچ چکا تھا اب گھٹنا شروع ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں جب "صلاح الدین یوسف" کا دادا شاذی ابن مروان اپنے قبیلہ اور خاندان کے سپید و سیاہ کا مالک بنا اس وقت دوین کا نقشہ بدل چکا تھا۔ ادبار کی گھٹا تلی کھڑی تھی اور چرخ کہن کسی اور ہی تدبیر میں تھا۔

شاذی ابن مروان کثیر الاولاد تھا۔ جب اُسے اپنے آبائی مُلک میں اولاد کی تگ و دو حیات کے لئے میدان تنگ نظر آنے لگا۔ تو وہ دربارِ بغداد میں جہاں اس کا دوست بہروز نام بہت با اثر تھا جوانمرد اولاد کے لئے کوشش کرنے لگا۔

بہروز یونانی النسل تھا اور دوین میں غلامی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی خداداد لیاقت کی بدولت ترقی کرتے کرتے سلجوقی شہزادوں کا اتالیق مقرر ہو گیا اور خلیفۂ بغداد نے خوش ہو کر شہر بغداد کا نظم و نسق اس کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ جب ایوب بن شاذی بہروز کے پاس گیا تو اس شخص نے حقِ دوستی اِس طرح ادا کیا کہ نجم الدین ایوب کو قلعہ "تکریت" کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ خاندان کے دیگر افراد بھی "تکریت" ہی میں آبسے اور امن و آسائش سے ایام زندگی بسر کرنے لگے۔

اسی زمانے میں "موصل" میں "عماد الدین زنگی" جو ایک بہت مشہور سردار تھا حکمران تھا۔ بہروز یونانی اور "عماد الدین زنگی" کے تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ لیکن ایک کا دوسرے پر بس نہ چلتا تھا۔ اسی اثنا میں

عماد الدین زنگی کسی معرکہ میں قراجا نامی سردار سے زک اُٹھا کر موصل سے جان بچا کر بھاگا۔ وہ خستہ و خوار پریشان حال کشتی پر سوار تھا اور اس کے خون کے پیاسے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت زنگی کی نگاہ قلعہ "تکریت" پر جو لبِ دریا واقعہ تھا پڑی۔ زنگی نے قلعدار سے مدد چاہی۔ نجم الدین ایوب نے جسے زنگی اور بہروز کی کشیدگی کا کچھ علم نہ تھا۔ اس کی بے سروسامانی اور مُصیبت پر ترس کھا کر اُسے قلعہ میں پناہ دی اور بڑی خاطر و مدارات سے پیش آیا۔

جب بہروز ان واقعات سے آگاہ ہوا تو اُس نے بہت پیچ و تاب کھایا لیکن شادی کے لحاظ سے ایوب کی ناعاقبت اندیشی پر چشم پوشی سے کام لیا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد نجم الدین ایوب قلعہ دار تکریت کے بھائی اسعد الدین شیر کوہ سے کوئی ایسی بات سرزد ہوئی کہ بہروز نے جو محض بہانے کا متلاشی تھا ناراض ہو کر ایوب اور اس کے ہمراہیوں کو برطرف کر دیا اور قلعہ خالی کرنے کا حکم دیا۔

خدا کی شان جس روز نجم الدین ایوب پھر ایک بار جلاوطنی کی کڑیاں جھیلنے کے لئے رختِ سفر باندھ رہا تھا۔ اسی شب خدا نے اُسے ایک بیٹا عطا کیا۔ اس وقت بچہ کی پیدائش گھر والوں کے لئے ایک نئی مُصیبت سے کم نہ تھی۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ نجم الدین ایوب نے بیٹے کا نام "یوسف" رکھا۔

یہ یوسف وہی تھا جو بعد ازاں چار دانگ عالم میں مجاہدِ اسلام سلطان صلاح الدین ایوب فاتح بیت المقدس کے نام سے مشہور ہوا۔ صلاح الدین کی پیدائش ۵۳۲ھ میں ہوئی یعنی سن عیسوی کے لحاظ

سے ۱۱۳۷ھ کے آخری ایام یا ۱۱۳۸ھ کی ابتدا میں مطلع اسلام کا یہ درخشاں ستارہ نمودار ہوا۔

"تکریت" سے نکل کر نجم الدین ایوب اور اس کے خاندان کے لوگ ایک مدت تک بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ لیکن جب اُسے عماد الدین زنگی کے پھر اقتدار پر ہونے کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ موصل کی طرف چل کھڑا ہوا۔ عماد الدین ان دنوں پھر موصل کا آتابک یعنی گورنر تھا اور باوجود اس قدر مرتبہ و اقتدار کے وہ نجم الدین ایوب کے احسان کو نہیں بھولا تھا۔ چنانچہ جب وہ پریشان حال موصل میں آیا۔ تو عماد الدین نے بڑی آؤبھگت کی۔ اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ نجم الدین ایوب اور اس کا بھائی اسعد الدین شیرکوہ انہی دنوں میں زنگی کے لشکر کے ساتھ ہو کر کئی ایک معرکوں میں شامل ہوئے اور تلوار کے ایسے جوہر دکھلائے کہ موصل کا آتابک بہت خوش ہوا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۱۳۹ء میں جب زنگی نے "بعلبک" سر کیا تو حسن خدمات کے صلہ میں ایوب کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ "بعلبک" سطح سمندر سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر واقع تھا اور ملک شام میں سب سے زیادہ سرد۔ بارونق اور زرخیز علاقہ تھا۔ اس جگہ پھل کثرت سے پیدا ہوتے تھے۔ شہر کے باہر جہاں تک نظر کام کرتی سبزہ زار نظر آتا۔ مغرب کی جانب بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام کے لئے ایک بہت مستحکم قلعہ بھی تھا اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک بہت فصیل بھی تھی۔ اس زمانے کا مشہور مورخ ادریسی بیان کرتا ہے کہ شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں میٹھے پانی کی ندیاں سانپ کی طرح لہراتی ہوئی اِدھر سے اُدھر گذرتی تھیں۔ جا بجا

پن چکیاں چلتی تھیں۔ بڑے بڑے مکانوں کے در و دیوار پر اور شہر کے باہر دُور تک انگور کی بیلیں نظر آتی تھیں۔ دمشق اس جگہ سے پینتیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ دُشمن کی روک تھام کے لئے ایک بہت بڑی چھاؤنی بھی تھی عماد الدین زنگی نے "بعلبک" "ایوب" کے حوالے کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ کہاں تک اس کا احسان مند ہے اور ایک بہادر سپاہی کی کس قدر عزت کرتا ہے۔

تمام مُلک شام میں صرف "بعلبک" ہی ایک ایسا شہر تھا جو مغلوں کے ٹڈی دل کی دستبرد سے محفوظ رہا تھا۔ آخر ایک خوفناک زلزلہ نے اسے بالکل برباد کر ڈالا۔ لیکن چشم بینا کی عبرت کے لئے اس کے کھنڈرات دا وریگیتی نے آج تک محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

ایوب اور اس کے خاندان کے لوگ ۱۱۳۹ھ سے ۱۱۴۶ھ تک "بعلبک" میں مقیم رہے۔ اور اسی جگہ "صلاح الدین یوسف" نے ایام طفلی بسر کئے۔ ایک مُسلمان بچہ کی تعلیم جس طور سے شروع ہونی چاہئے۔ یوسف کی تعلیم کے لئے بھی وہی طریق اختیار کیا گیا۔ ایوب کو خود مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ "بعلبک" میں اس نے ایک علمی درسگاہ بھی قائم کر دی تھی۔ صلاح الدین کو سب سے پہلے قرآن کریم پڑھوایا گیا۔ پھر فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی۔ نصاب تعلیم عربی زبان میں تھا عوام الناس کے بچے بھی اسی طرح تعلیم پاتے تھے۔

صلاح الدین نے اپنی عمر کے ابھی نو مرحلے بھی طے نہ کئے تھے کہ اس کے باپ کا محسن عماد الدین زنگی ساٹھ سال کی عمر میں اپنے غلاموں کے

ہاتھوں سے قتل ہو گیا۔
زنگی کی موت خانہ جنگی کا پیش خیمہ تھی۔ اور خدشہ تھا کہ دمشق کے حکمران پھر ایک بار مُلک پر یورش نہ کر دیں۔
عمادالدین زنگی کی موت کے بعد اس کے دونوں بیٹوں میں تنازعہ شروع ہو گیا۔ اور ایک عظیم الشان سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ بھائی بھائی کے خُون کا پیاسا بن گیا۔ ایوب جتنا بہادر تھا ویسے ہی دُور اندیش اور با تدبیر شخص بھی تھا۔
"بعلبک" موصل سے بہت فاصلہ پر تھا۔ اس لئے اسے موصل کی طرف سے تو کچھ خوف نہ تھا لیکن دمشق بالکل قریب تھا اور دمشقی افواج "بعلبک" کے تاخت و تاراج کی سرگرمی سے تیاریاں کر رہی تھیں۔ آخر ایک روز دمشقی افواج طبل جنگ بجاتی وہیں بعلبک کے سامنے آموجود ہوئیں۔ ایوب نے کشت و خون کئے بغیر دربار دمشق سے ایک عہدنامہ کر لیا۔ اس عہدنامہ کی رُو سے اس نے بعلبک تو حکومت دمشق کے حوالے کر دیا۔ اور اس کے عوض اسے ایک بہت معقول رقم نقد اور دمشق کے قرب وجوار میں دس گاؤں بطور جاگیر مل گئے۔ اور خاص شہر دمشق میں رہائش کے لئے ایک شاندار حویلی عطا ہوئی۔
ایوب اب دمشق میں رہنے لگا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں تدبّر اور دانشمندی کی بدولت حاکم دمشق "آبک" کے دربار میں بہت ممتاز نظر آنے لگا۔ اور پھر چند سال بعد اپنی پامردی اور جوانمردی کی بدولت افواج دمشق کا سپہ سالار بن گیا۔

اس وقت ولایت "حلب" میں نورالدین محمود ابن زنگی حکمران تھا۔
تاریخ اسلام میں "صلاح الدین ایوب" کے بعد "نورالدین محمود" کا درجہ ہے۔
مسلمان حکمرانوں کی خانہ جنگی دیکھ کر عیسائیوں نے پھر ایک بار "بیت المقدس" پر
قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ "نورالدین محمود" کو سریر آرائے سلطنت ہوئے ابھی
تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ کہ عیسائیوں کی ایک کثیر فوج کونٹ "جوسولن" کی
سرکردگی میں "ادیسہ" پر جسے آجکل "عرضہ" کہتے ہیں حملہ آور ہوئی۔
"نورالدین محمود" مقابلہ کو نکلا۔ اور دشمنانِ اسلام کو ایک خوفناک شکست
دے کر دریائے فرات کے اس پار بھگا دیا۔
نجم الدین ایوب تو دمشق میں شامی افواج کا سالارِ اعظم تھا۔ اور
ادھر اس کا چھوٹا بھائی "سعد الدین شیر کوہ" نورالدین محمود کی افواج کا
افسرِ اعلیٰ تھا۔ چنانچہ جب اپریل ۱۱۵۴ء میں حلبی افواج دمشق کی جانب
بڑھیں۔ تو اس وقت شامی سلطنت کی باگ "نجم الدین ایوب" کے
ہاتھ میں تھی۔
ایوب عماد الدین زنگی کا نمک خوار تھا چنانچہ جب اس کا بیٹا
دمشق پر حملہ آور ہوا۔ تو ایوب نے اس کا دمشق پر قبضہ کروا دیا۔ اور
اس حکمتِ عملی سے اپنے محسن کے بیٹے کو ملکِ شام کا فرمانروا بنا دیا۔
۱۱۵۴ء سے ۱۱۶۴ء تک صلاح الدین دمشق میں "ملک العادل
سلطان نورالدین محمود زنگی" کے دربار میں تعلیم پاتا رہا۔ نورالدین محمود بڑا
پکا دیندار اور عادل بادشاہ اور ایک نہایت قابل جرنیل تھا صلاح الدین
کو ہونہار پاکر اس کی تعلیم کا بہت خیال رکھتا۔ اور اکثر اپنی ہی صحبت میں
اسے رکھتا۔

"صلاح الدین یوسف" کے بچپن سے لے کر پچیس سال تک کی عمر کے واقعات اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں۔ کہ وہ ایک بڑا اچھا مسلمان اور صالح نوجوان تھا۔ بڑی سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ نمود و نمائش سے بہت گریزاں رہتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ شہزادے اور امیرزادے شکار بہت شوق سے کھیلا کرتے تھے۔ لیکن اس نوجوان کے متعلق ایک بھی ایسی تواریخی شہادت موجود نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو سکے۔ کہ وہ بھی اس قسم کے لہو و لعب میں کبھی شامل ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس تواریخ میں جہاں کہیں اس کے عہد شباب کا ذکر آیا۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا بہت سا وقت مطالعہ کتب میں بسر کرتا تھا۔ ایوب کے تمام خصائل اس میں موجود تھے۔ وہ بڑا دور اندیش اور معاملہ فہم تھا۔ اپنے جنگجو چچا "شیرکوہ" کی طرح جلد باز نہ تھا۔ علم حدیث اور فقہ کی طرف اس کی طبیعت کا میلان زیادہ تھا۔

گاہے گاہے شعر بھی کہتا۔ علماء دین کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا اور ان لوگوں سے نکات قرآنی سمجھنے کی بڑی کوشش کیا کرتا۔ زمانہ سلف کے مسلمانوں کی داستانیں اور سرفروشانِ اسلام کے کارنامے بڑے شوق سے سنا کرتا۔

ان دنوں دمشق میں "قرطبہ" اور "سمرقند" کی شہرہ آفاق مذہبی درسگاہوں کے علماء بکثرت موجود تھے۔ یہ وہ بزرگ تھے۔ جنہوں نے تحصیل علم کی خاطر دنیا کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ "والیٔ دمشق" نے ان لوگوں کو تعلیمی کاموں پر مامور کر رکھا تھا۔ اور معقول روزینے اور وظیفے مقرر تھے۔ درس دے چکنے کے بعد یہ لوگ عوام الناس کو اقوام غیر کی طرز معاشرت اور تہذیب و تمدن پر لکچر دیتے۔ صلاح الدین مسجد کے ایک کونے میں خاموش بیٹھا نہایت توجہ سے یہ

مفید تقریریں سُنتا۔ اور پہروں ان پر غور کیا کرتا۔
"صلاح الدین یوسف" اس وقت نوجوان تھا۔ اور حاکم وقت کی اس پر خاص نظر عنایت تھی۔ اس کا باپ برسر اقتدار تھا۔ دولت مند تھا۔ لیکن یہ نوجوان دربار میں بھی کم ہی دیکھا جاتا۔ پچیس سال کی عمر تک اس کا مقصد حیات صرف ایک ہی نظر آتا تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ کنج گمنامی میں بیٹھ کر مُطالعہ کرنے میں عمر بسر کر دے۔ ممکن ہے کہ اس کا علم دوست باپ ایوب بیٹے کی اس روش کو پسند کرتا ہو۔ لیکن اس کے چچا "سعد الدین شیرکوہ" کو اپنے بھتیجے کی طرز زندگی سخت ناپسند تھی۔ "شیرکوہ اور ایوب" دونوں شجاعت اور بہادری کے پُتلے تھے۔ لیکن نوجوان صلاح الدین کبھی ان کے ساتھ کسی معرکہ میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ ۱۱۶۰ء میں شیرکوہ بڑے تجمل اور شان سے "دمشق" کے حاجیوں کا میر قافلہ ہو کر چلا تو اس وقت بھی صلاح الدین گھر سے باہر نہیں نکلا۔ اور پھر ۱۱۶۲ء میں جب عیسائیوں سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ اور بہادر شیرکوہ نے اپنے آقا نعمت ملک العادل سلطان نورالدین محمود زنگی کی سلطنت دُور دُور تک پھیلا دی۔ تو ان معرکوں میں بھی صلاح الدین نے کبھی حصّہ نہیں لیا۔ لیکن آخر جب اس بات کا فیصلہ کرنے کا وقت آیا کہ آیا وہ مسجد میں گوشہ نشین ہو کر درس و تدریس میں زندگی بسر کرے۔ یا تلوار پکڑ کر دشمنانِ دین مبین سے سینہ سپر ہو۔ تو تلوار ہی کو پسند کیا۔ اس تعجب خیز فیصلہ کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس نوجوان کو خدمت اسلام کی دُھن تھی اور وہ مُدت سے برابر دیکھ رہا تھا۔ کہ بلادِ مشرق کے عیسائی مسلمانوں کو اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور آئے دن رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ آپ کچھ عرصہ سے

سیاسیات کی بجائے نصرانیوں کی چھیڑ چھاڑ مذہبی رنگ میں رُونما ہونے لگی۔ آخر شیدائی اسلام نور الدین محمود زنگی کی جو اپنے عہد کا ایک مشہور سر فروش مسلمان حکمران تھا تعلیم اور صحبت رنگ لائی۔ اور نوجوان صلاح الدین اسلام کے نام پر شمشیر بکف میدان میں نکلا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں یار و اغیار کو اپنی بہادری۔ جفاکشی اور نبرد آزمائی کا لوہا منوا دیا۔ اور مشرق سے مغرب تک اس کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔

صلاح الدین ایوبیؒ سے پیشتر کا زمانہ

پیشتر اس کے کہ ہم سلطان صلاح الدین یوسف کے ان کارناموں کو جن کی بدولت اس کا نام عالم اسلام میں عزت اور حرمت سے لیا جاتا ہے سپرد قلم کریں۔ اجمالی طور پر ان واقعات پر ایک نگاہ ڈالنی ضروری معلوم ہوتی ہے جو اس مجاہد اعظم کے عہد طفلی کے وقت رو پذیر ہو رہے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خلافت کا شیرازہ پراگندہ ہو رہا تھا۔ اور کئی ایک خود سر ماتحتوں نے قبائے خلافت چاک کر ڈالی تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خلافت کا غلغلہ چھ سو سال تک ایک عالم میں بلند رہا تھا لیکن حقیقت میں عظمت اور شان کا زمانہ دو اڑھائی سو سال سے زائد متصور نہیں ہوتا۔ ساتویں صدی میں سر فروشان اسلام نے مصر شام اور ایران کے علاوہ جیحوں کے اس پار تک توحید کی عظمت کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ اور آٹھویں صدی کے شروع میں اندلس پر بھی پرچم ہلالی اُڑتا

نظر آنے لگا۔ یہ سب مقبوضات صرف ایک حکمران کے زیر نگیں تھے۔
یہ حکمران مسلمانوں کا بادشاہ بھی تھا اور مذہبی پیشوا بھی۔ جو عام طور پر خلیفۂ اسلام کے لقب سے بغداد یا دمشق میں بیٹھا ان ممالک کے نظم و نسق کا انتظام کرتا تھا۔ ایک مدت تک سطوت اور رعب خلافت کا یہ حال تھا۔ کہ سرکش سے سرکش جرنیل دور افتادہ مقامات پر بیٹھے بھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جب کئی ایک اندرونی اختلافات کے باعث خلافت کو ضعف پہونچتا نظر آنے لگا۔ تو ان دور دراز ممالک کے والی یا گورنر بھی خود مختاری کے خواب دیکھنے لگے۔ اور جب حالات اور بھی ابتر ہوتے نظر آنے لگے۔ تو ان لوگوں نے اپنے اختیارات بہت وسیع کر لئے اور خلافت کا جوا گردن سے اتار پھینکنے کی تگ و دو میں لگ گئے۔ نویں صدی ہی میں خلافت اس قدر کمزور ہو گئی۔ کہ کئی ایک گورنر خلیفہ کو محض ایک مذہبی پیشوا تصور کرنے لگے۔ ہارون الرشید کے عہد میں مراکش اور اندلس کے گورنر خلافت عباسیہ کی سیاسی ملازمت سے خود بخود سبکدوش ہو کر مطلق العنان بن گئے۔ تونس میں فرمان خلافت کی عزت تو ضرور کی جاتی لیکن احکام خلیفہ کی عزت ضروری نہ سمجھی جانے لگی۔

دسویں صدی میں مصر اور ایران کے شمال مغربی مقبوضات کے گورنروں نے بھی سرکشی اختیار کر لی۔ اور اب خلیفہ کا حکم بغداد اور اس کے قرب و جوار تک ہی چلتا تھا اور پھر اس بچی کھچی عظمت کو مغلوں کے ٹڈی دل نے ۱۵۲۸ء میں بالکل خاک میں ملا دیا۔

ڈیڑھ سو سال کے عرصہ سے وادیٔ نیل میں "خلافت فاطمی" قائم ہو چکی تھی۔ خلافت عباسیہ بغداد اور خلافت فاطمی مصر کے درمیان بہت مخالفت

اور چشمک تھی۔ اور نصرانی اقوام اس کشیدگی سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کر رہی تھیں "عراق عرب" اور "شام" میں صلیبی محاربات کا سلسلہ جاری تھا "عراق اور شام" میں اکثر عربی قبائل آباد تھے۔ اور خلافت کو ضعیف دیکھ کر یہ قبائل بھی اپنے اپنے علاقوں میں حکومت خود مختاری قائم کر رہے تھے۔ اور دسویں اور گیارھویں صدی میں اس قسم کی متعدد سلطنتیں ان علاقوں میں نظر آنے لگیں۔ لیکن بارہویں صدی میں ان کی حقیقت حباب بر آب سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں صرف "دیار بکر" کی عربی حکومت اپنے پاؤں پر کھڑی تھی۔ باقی سب کا شیرازہ پراگندہ ہو چکا تھا۔ زمانہ پھر ایک بار کروٹ بدل چکا تھا۔ اور اب عربوں کی بجائے ترک حکمران تھے۔ اور عرب پھر گلہ بانی کرتے پھرتے تھے۔

گیارھویں صدی میں "ایران" "عراق عرب" اور "ملک شام" میں ترکوں کا دَور دَورہ ہو گیا۔ یہ لوگ ایک ترکمان سردار سلجوق کی نسل سے تھے۔ جو دریائے جیحوں کے اس پار آباد تھا۔ لیکن جب حکمرانی کا شوق چرایا۔ اور سینہ سپر ہو کر میدان کارزار میں آئے۔ تو اپنی بہادری اور جفاکشی کی بدولت بہت تھوڑے عرصے میں "ایران" ان کی کامرانی دیکھ کر اور بہت سے ترکی قبائل اِدھر اُدھر سے آکر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اب ان لوگوں نے مغربی ایشیائی مقبوضات کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ اور افغانستان سے مصر تک جس قدر ریاستیں تھیں سب پر سلجوقی پرچم لہرانے لگا۔ اور "ایرانی" "عرب" اور "کردی قبائل" سب نے ان کی سطوت کا لوہا مان لیا۔ ان ریاستوں کی تسخیر کے بعد ان سلجوقی بہادروں نے ایک عظیم الشان

اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ "ایران۔ عراق۔ شام اور ایشیا کوچک" میں یہ لوگ ابر رحمت کی طرح چھا گئے۔ مخالفت کا خس و خاشاک جو آیا حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مِٹ گیا۔ اور "افغانستان" سے لیکر "بحرِ اوقیانوس" تک ایک شاندار اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ اس طرح اسلامی حکومت کا شیرازہ جو ایک مُدت سے برہم اور پراگندہ ہو رہا تھا۔ اس کی پھر ایک بار شیرازہ بندی ہو گئی۔ اور اس سلطنت کے وارث مردانہ وار صلیبی بہادروں کے سینہ پر پھر ایک بار مونگ دلنے لگے۔

سلجوقی فرمانرواؤں میں سے ملک شاہ سلجوقی ایک نہایت دانشمند اور صاحب تدبیر حکمران گذرا ہے۔ ملک شاہ پرلے درجے کا رحم دل۔ فیاض اور منصف مزاج اور ایک نہایت شیر دل سلطان تھا۔ اس کا دربار بڑے تجمل اور شان کا تھا۔ جہاں تک بن پڑتا۔ رعیّت کے بہبود و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا۔ اس کے عہد میں تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ آمد و رفت کیلئے سلطان نے ملک میں تمام دریاؤں اور ندی نالوں پر پُل تعمیر کروا دیئے۔ زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک نہروں کا جال پھیلا دیا۔ مُسافروں کے آرام کی خاطر پختہ سڑکیں اور ہر منزل پر مُسافر خانے اور سرائیں تعمیر کرا دیں۔ سطوت اور انتظام کا یہ حال تھا کہ اکیلا مُسافر "مرو" سے "دمشق" تک بلا خوف و خطر سفر کر سکتا تھا۔ اپنے ماتحت عمالوں کی بڑی سختی سے نگرانی کرتا تھا۔ اور امور مملکت کی جانب سے کبھی غافل نہ ہوتا۔

نظام الملک

سلطان ملک شاہ سلجوقی کا مشیر کار اور وزیر اعظم بھی اپنے زمانے میں فرد تھا۔ اس شخص کا نام "نظام الملک" تھا۔ نظام الملک بہت باتدبیر۔ بڑا معاملہ فہم۔ بڑا زاہد عابد اور علم دوست آدمی تھا۔ بارہ سال کی عمر میں نظام الملک نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کی لیاقت۔ قابلیت اور مدبری کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ان کارناموں سے ہو سکتا ہے۔ جو اس نے ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم بن کر سلطنت کے بہبود کے لئے کئے۔ مشہور ہیئت داں اور ہندسہ داں "عمر خیام" جو ایک نازک خیال شاعر بھی تھا نظام الملک کا بڑا دوست اور ہمعصر تھا۔ عمر خیام جیسے یگانۂ روزگار نے علم ہیئت کے متعلق جس قدر چھان بین کی ہے۔ اس کا اصلی محرک اس کا دوست نظام الملک تھا۔

بغداد کا "نظامیہ کالج" جو اس وقت دُنیا کی سب سے مشہور علمی درسگاہ تھی اس کا بانی بھی یہی نظام الملک تھا۔ اسی نظام الملک نے آئینِ سلطنت مرتب کیا تھا۔ جس میں حکومت کے ہر شعبہ کے متعلق قواعد جاری کئے گئے تھے۔ سلطان ملک شاہ نے یہ آئینِ سلطنت جو شرع محمدی کے مطابق تھا تمام مُلک میں جاری کر دیا تھا۔ یہ قانونِ سلطنت بہت مفصل اور جامع تھا۔ اور راعی اور رعایا دونوں کے لئے ضوابط موجود تھے۔ بادشاہ وقت کے لئے پابند صوم وصلوٰۃ ہونا ضروری تھا۔ دُنیاوی جاہ و حشمت کی بھی ایک حد مقرر کر دی گئی تھی۔ بادشاہ کے لئے ضروری تھا۔ کہ ہفتہ میں دوبار دربار کرے۔ اور ہر شخص کو یہ حق تھا۔ کہ وہ دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ سے طالب انصاف ہو۔ اس قانون کی رُو سے بادشاہ داد طلبوں کی عرضیاں سُنتا۔ ان سے بحث کرتا

اور پھر شرع کے مطابق حکم دیتا۔

اس وزیر با تدبیر نے دُور دراز کے مقبوضات کے حالات معلوم کرنے کے لئے محکمہ جاسوسی بھی جاری کیا۔ ان لوگوں کو حکم تھا۔ کہ تاجروں اور درویشوں کے بھیس میں شہر بہ شہر سفر کریں۔ اور بادشاہ وقت کے پاس روزانہ رپورٹ بھیجتے رہیں۔

محکوم شہزادوں اور ماتحت حکمرانوں کو حکم تھا۔ کہ وہ دربار میں اپنے اپنے یرغمال بھیجیں۔ یہ یرغمال ہر سال تبدیل ہو جاتے تھے۔

اس عظیم الشان سلطنت کے نظم و نسق کے لئے ایک زبردست لشکر بھی ہر وقت کیل کانٹے سے تیار موجود تھا۔ اس فوج میں اکثر لوگ غیر اقوام کے تھے۔ اور بادشاہ وقت کی خدمت کے معاوضہ میں ان کو باقاعدہ تنخواہ ملا کرتی تھی۔ لیکن اس لشکر کی افسری پر صرف شاہی غلام مامور ہوا کرتے تھے۔ خصوصیت سے وہ تمام ممالک جو دارالسلطنت سے بہت فاصلہ پر تھے۔ ان کی حکومت شاہی محل کے پرورش اور تعلیم یافتہ غلاموں کو عطا ہوتی تھی۔ سلجوقی حکمرانوں کو اپنے خانہ زاد غلاموں پر بڑا اعتبار تھا۔ اور یہ نمک پروردہ بھی اپنے آقائے نعمت کے نام پر سر کٹوانا باعث فخر سمجھتے تھے۔ دربار میں یہ غلام "مملوک" کے نام سے مشہور تھے۔ یہی مملوک سلطان کی زندگی کے محافظ تھے۔ اور انہی مملوکوں میں سے منتخب شدہ گورنر اور والی بنائے جاتے تھے۔ حکومت کی طرف سے ان لوگوں کو جاگیریں عطا ہوتی تھیں۔ اور اس کے عوض میں ان سے فوجی خدمات لی جاتی تھیں۔ صدیوں تک مملوک سلطان اسی اصول پر حکمران رہے۔ سلطان صلاح الدین نے مصر میں بھی یہی طرز حکومت جاری کیا تھا۔

"ایران۔ عراق۔ شام" وغیرہ جیسے بڑے بڑے صوبوں پر یہی مملوک حکمرانی کرتے تھے۔ گاہے گاہے گورنروں کو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں تبدیل بھی کیا جاتا تھا۔ سب تبدیلیاں فرمان شاہی کی رُو سے عمل میں آتی تھیں۔ یہ گورنر ملک کے نظم ونسق کے لئے اپنے ماتحت آئین ملک کے مطابق مقرر کرتے تھے۔ لیکن سلطان وقت کی آخری منظوری ضروری ہوتی تھی۔ جب فوجی خدمت کی ضرورت ہوتی۔ تو تمام نائب گورنر اپنا لاؤلشکر لیکر گورنر کے پاس آجاتے۔ مہم کے اختتام پر سپاہی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔ عام طور پر موسم سرما میں فوج کا بیشتر حصّہ منتشر کر دیا جاتا۔ اور موسم بہار کے شروع ہوتے ہی سپاہی فوجی چھاؤنیوں میں آجاتے۔ تمام سپاہیوں کو مہمات کے خاطر خواہ انجام پانے کے بعد ملک کی پیداوار میں سے دسواں حصّہ ملتا تھا۔

حکومت بازار کا نرخ مقرر کرتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ مقرر شدہ نرخ سے زیادہ دام پر مال فروخت کر سکے۔ خفیہ پولیس اور پرچہ نویسی کا محکمہ اس قدر زبردست تھا۔ کہ گورنروں تک اپنی جگہ بڑے محتاط رہتے۔ بعض حالتوں میں ایک گورنر کے مرجانے کے بعد اس کی اولاد میں سے کسی کو گورنری عطا کر دی جاتی تھی۔ طریق یہ تھا۔ کہ جب کسی صوبہ کا والی مرجاتا۔ تو اس کے غلام (مملوک) مجلس مشاورت منعقد کرتے۔ اور پھر خاندان میں سے ایک شخص کو منتخب کر کے دربار شاہی میں اس کی سفارش کرتے۔ اور فرمان شاہی آنے پر اس کے حلقہ بگوش ہو جاتے۔

سپاہیانہ زندگی بسر کرنے والے یہ لوگ اگر کسی امیر سے ناراض ہوتے تو خاموشی سے اس کے دربار سے علیحدگی اختیار کرکے کسی دوسرے کے پاس چلے جاتے۔ لیکن کیا مجال کہ کبھی خودسری یا بغاوت کر سکیں۔

تحصیل علم کا شوق تو قدرت نے مُسلمان حکمرانوں کو وراثت میں عطا کر دیا تھا۔ لیکن سلجوقی سلطان" حد سے زیادہ اس کی طرف مائل تھے، ملک میں جا بجا کالج اور مدرسے جاری کر دیئے گئے تھے۔ سلجوقی حکومت میں اس شعبہ میں نظام الملک کا نام بہت نمایاں ہے۔ گیارہویں اور بارہویں صدی میں مُلک میں جو تعلیم کا چرچا پھیلا ہُوا تھا۔ وہ اسی لائق اور مشہور مدار المہام کی کوششوں کا ممنون منت تھا۔ بغداد کی درسگاہ نظامیہ سے علم و ادب کی جو شعاعیں نمودار ہوتی تھیں۔ وہ ایران۔ شام اور مصر تک اجالا کرتی تھیں۔ مساجد اور درسگاہوں کی تعمیر کا سلجوقی سلطانوں کو خصوصیت سے شوق رہا کرتا تھا۔

سُلطان صلاح الدین کے زمانہ میں دمشق حلب۔ بعلبک۔ موصل۔ بغداد اور قاہرہ علم و ادب کی کان تھے۔ اور دُور دراز ملکوں سے لوگ علمی جواہر پارے لینے کے لئے یہاں آتے تھے۔ اور حکومت کے خرچ سے زیورِ علم سے آراستہ ہو کر واپس لوٹتے تھے۔ علم کا یہ شوق بھی سلجوقی سلطانوں کی کرامت تھی جو ہر زمانہ میں زندہ موجود تھی۔ مُلک کا نظم و نسق اور سیاسیات وغیرہ سب علماء ہی کے ہاتھوں سرانجام ہوتے تھے۔

جمال الدین

موصل کے مشہور اتابک (گورنر) عماد الدین زنگی نے اپنے زمام حکومت میں جس قدر اصلاحات مُلک میں جاری کیں۔ ان کا سرچشمہ اس کا یگانۂ روزگار وزیر جمال الدین تھا۔ عماد الدین زنگی ایک بہت جری جرنیل اور جفاکش سپاہی تھا۔ لیکن مُلک کا سب انصرام جمال الدین کی زبردست شخصیت پر

موقوف تھا۔ اوراق تاریخ میں جمال الدین کو "فیاض" لقب سے ممتاز کیا گیا ہے۔
موصل کی کونسل آف سٹیٹ کا جمال الدین فیاض صدر تھا۔ بادشاہ کی
طرف سے تمام ملک کی آمدنی میں سے دسواں حصہ اسے بطور حق خدمت ملتا
تھا۔ لیکن یہ باخدا وزیر اپنا تمام روپیہ خیرات میں خرچ کر ڈالتا تھا۔ خصوصاً
عازمان بیت اللہ کی خاطر بڑی دریا دلی سے روپیہ صرف کرتا تھا۔
سینکڑوں مفلوک الحال اور محتاجوں کے ماہواری وظیفے مقرر کر رکھے تھے
اور ملک کا نظم و نسق اس قابلیت سے کرتا تھا۔ کہ کسی کو سر اٹھانے کی
جرأت نہ ہو سکتی۔

دنیائے اسلام میں جہاں کہیں کسی عالم کی اسے خبر ملتی، خاص آدمی
بھیج کر بڑی عزت سے دربار میں بلواتا۔ اور بڑی قدر و منزلت سے
پیش آتا۔ نیشاپور کے معلم "دمشق" کی یونیورسٹیوں میں علم کے جواہرات
مفت لٹاتے تھے۔ ایران کا مشہور صوفی سہروردی اور نامور محدث
"ابن عساکر" اسی مجلس کے رکن تھے۔ ابن عساکر ۱۱۷۶ء میں فوت ہوا سلطان
صلاح الدین بھی اس کے جنازے میں شامل ہوا تھا۔ اسی سال یعنی ۱۱۷۶ء
میں اندلس سے ایک جید عالم "دین فرد" نام قاہرہ میں وارد ہوا۔ اس صاحب
علم نے قرآن حکیم کی تعریف میں ۱۱۷۳ اشعار کی ایک مدح لکھی۔ اس کے علم
و ادب کے متعلق اس زمانے میں عام طور پر یہ روایت مشہور تھی۔ کہ جس قدر
علوم سے یہ ماہر ہے اگر وہ کتابوں کی صورت میں کسی اونٹ پر لاد دیا جائے۔ تو وہ
اس بوجھ کا متحمل نہ ہو سکے گا۔

اس زمانے کے بڑے بڑے نامی گرامی جرنیل اور تجار بھی ان علماء کی
صحبت سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ الغرض جسے دیکھو بقدر ہمت و فرصت

جو یائے علم تھا۔ یہی حال سلطان صلاح الدین ایوبی کا تھا۔

سلجوقی اقتدار دُور دُور تک پھیلا ہوُا تھا۔ لیکن افسوس کہ قدرت سے انہیں قلیل فرصت عطا ہوئی تھی۔ سلجوقیوں کو ایران پر متصرف ہوتے ابھی نصف صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی۔ کہ حکومت پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ اور سب سے پہلے "ایران" کا صوبیدار مطلق العنان بن بیٹھا۔ ۱۰۹۲ء میں جب سلطان ملک شاہ عادل عازم عدم ہوُا۔ تو اُس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ملک تخت و تاج کے وارثوں میں بٹ گیا۔ اور حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ گو ابھی تک نیشاپور۔ اصفہان۔ کران۔ دمشق۔ حلب اور اناطولیہ سلجوقیوں کے زیر نگیں تھے۔ لیکن ماتحت صوُبے باغی اور سرکش ہو کر فرمانبرداری سے منحرف ہو گئے۔ اور وہی مملوک جن کی نمک حلالی اور وفا شعاری پر کبھی سلجوق سلطانوں کو ناز تھا۔ اپنے آقاؤں کے خوُن کے پیاسے بن گئے۔

اس وقت جو کیفیت مُلک یورپ کی باجگذار ریاستوں کی تھی ویسی ہی نقشہ یہاں موجود تھا۔ جب حکومت پر زوال آیا تو نمک پروردوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ اور جس جس مُلک میں یہ نائب السلطنت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہیں انہوں نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا۔

یہ سب مُسلمان بادشاہوں کے غلام تھے۔ ان میں سے ایک دمشق کا خودمختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اسی طرح زنگی جو موصل کا ایک خودمختار "اتابک تھا "ملک شاہ" کے ایک غلام کا بیٹا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ بادشاہ کا غلام کہلانا بہت باعث فخر سمجھا جاتا تھا۔ اور ایک مخصوص عزت تصور ہوتی

تھی۔ خصوصاً سلطان ملک شاہ کا غلام کہلانا تو ایک طرۂ امتیاز تھا۔
چنانچہ جب یہ مملوک برسرِ اقتدار ہوئے۔ تو ان لوگوں میں اپنے آقائے نعمت کے کم و بیش سب کے اوصاف موجود تھے۔ شام اور عراق کے گورنر "نظام الملک" کے آئین کے مطابق حکومت کرتے تھے۔ لیکن ان خانہ جنگیوں سے عیسائیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور بارھویں صدی میں صلیبی محاربات نے ملک میں ایک تصلبلی سی ڈالدی۔

پہلی صلیبی جنگ

سلطان ملک شاہ نے ۱۰۹۲ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اسکی وفات کے بعد دو سال تک اس کے بیٹوں میں ملک گیری کے لئے تلوار چلتی رہی۔ "ملک شاہ" کا یگانہ روزگار وزیر "نظام الملک" اپنے آقا سے پہلے ملک عدم کو سدھار چکا تھا۔ اور اس پُر آشوب زمانہ میں کوئی بھی ایسا صاحب تدبیر آدمی موجود نہ تھا۔ جو بھائیوں کے معاملات کو سلجھا کر اور ایک عظیم الشان سلطنت کو پارہ پارہ ہونے سے بچانے کی تدبیر کر سکے۔ جب شہزادوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ تو ماتحت صوبیدار اپنے اپنے صوبوں میں بیٹھے خود مختاری کے سہانے خواب دیکھنے لگے۔ پہلے ہی سے ان گورنروں کے دل میں ایک دوسرے کی جانب سے کدورت بھری ہوئی تھی۔ لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی۔ کہ وہ آمادۂ انتقام ہو سکے کیونکہ سلجوقی حکومت کا اقتدار ابھی تک شمالی شام اور عراق عرب میں موجود تھا۔ لیکن دیکھنے والے خوب سمجھتے تھے۔ کہ ادبار کی گھٹا بڑھی چلی

آرہی ہے۔ اور سلجوقی آفتاب زوال پذیر ہونے والا ہے۔

ہوس پرستارانِ یورپ ایک مدت سے اس قسم کے موقع کی تلاش میں تھے اور دل سے یہ آرزو رکھتے تھے کہ بلادِ مشرق کی مسیح اقوام کے ساتھ مل کر اسلامی ممالک کی تاخت و تاراج شروع کر دیں جب اسلامی فرمانرواؤں میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ تو سرزمین یورپ میں پادری اور راہب ہر جگہ عیسائیوں کو صلیب کے نام کا واسطہ دلا دلا کر اکسانے لگے۔

انہی ایام میں پیٹر نام ایک راہب جس کے سر میں مسلمانوں کو بیت المقدس سے نکالنے کا سودائے خام سمایا ہوا تھا مشرق سے چل کر یورپ میں جا پہونچا اس وقت پوپ "اربان دوم" کے دربار میں جو عیسائیوں کا روحانی بادشاہ تھا پیٹر کی بہت آؤ بھگت ہوئی۔ چنانچہ پوپ اربان دوم نے یورپ کے تاجداروں کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ کہ وہ سب مل کر "بیت المقدس" کو آزاد کرائیں پیٹر پوپ کا فرمان لے کر یورپ میں دورہ کرنے لگا۔ اس کی کوششوں سے ۱۰۹۵ء میں بہت سے لوگ مشرق کی طرف جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

تاجداران یورپ میں سے تو کوئی بھی بذات خود سفر کے لئے تیار نہ ہوا لیکن ان کے بڑے بڑے عہدہ دار اور باجگذار ریاستوں کے نواب جنگ کی تیاریاں سرگرمی سے کرنے لگے۔

آخر پیروانِ مسیح علیہ السلام کا ایک عظیم الشان لشکر گاڈ فریڈی بیولن "رابرٹ ڈیوک آف نارمنڈی" "رابرٹ کونٹ آف فلینڈرز" اور "کونٹ ریمانڈ" کی سرکردگی میں یورپ سے روانہ ہوا۔ اس زمانہ میں یورپ میں ان مسیحی

سرداروں کی بہادری زبان زد خلائق تھی۔ فاروق اعظم حضرت عمرؓ بن خطابؓ کے عہد سے بیت المقدس پر پرچم ہلال لہرا رہا تھا۔ گو بلادِ مشرق کے عیسائیوں اور زائروں کو مسلمان حکمرانوں کے ماتحت ہر قسم کا آرام اور اطمینان حاصل تھا لیکن پرستارانِ تثلیث کے دل میں یہ خار ایک مدت سے کھٹکتا تھا کہ کسی طرح وہ اس مقام متبرک کو مسلمانوں سے چھین لیں۔ آج انہیں یہ دیرینہ آرزو اور تمنا پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے الجھے ہوئے دیکھ کر مشرق کے مسیحی حکمران جو اس وقت تک اپنی عافیت اور سلامتی اسی میں دیکھتے تھے۔ کہ موش کوہی کی طرح بلوں میں سر چھپائے خاموش بیٹھے رہیں۔ پھر سر نکالنے لگے۔ ملک شاہ کی اولاد میں خونریزی ہونا ان کے لئے ایسا ہی تھا جیسے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹنا۔

موقع کو غنیمت سمجھ کر مشرق اور مغرب کے عیسائی ایک دریا کے دو پاٹوں کی طرح پھر ایک دوسرے سے مل گئے۔ مسلمانوں میں اتنی سکت ہی نہ تھی کہ وہ اس سیلاب کو روک لیں۔ چنانچہ ۱۰۹۸ء میں "اویسہ" اور "انطاکیہ" پر عیسائی قابض ہو گئے۔ اور ۱۰۹۹ء میں کیل کانٹے سے لیس ہو کر یہ عیسائی لشکر بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔

اس وقت "افتخار الدولہ" نام ایک مسلم سردار بیت المقدس کا گورنر تھا۔ شہر کی حفاظت کے لئے چالیس ہزار ترک اور عرب موجود تھے لیکن عیسائی مؤرخوں کے قول کے مطابق مسیحی لشکر دس لاکھ کی جمعیت سے کم نہ تھا۔ یہ ٹڈی دل جدھر سے گزرتا۔ جو سامنے آتا اسے تباہ اور برباد کر ڈالتا۔ "بیت المقدس" کے پاس آ کر عیسائیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور ادھر افتخار الدولہ فصیل شہر کے اندر سے مقابلہ کے لئے ڈٹ گیا۔ چالیس روز تک

شہر کا محاصرہ رہا۔ اور اس عرصہ میں شیدایانِ اسلام نے متعدد بار شہر پناہ سے باہر نکل کر عیسائیوں پر حملہ کیا۔ اور ہر حملہ میں دشمنانِ اسلام کو سخت نقصان پہونچایا۔ لیکن شہر میں سامان خورد و نوش کی قلت بہت سختی سے محسوس ہونے لگی۔ آخر یہ چالیس ہزار مجاہد جن کی تعداد ہر روز کم ہو رہی تھی کب تک دس لاکھ کا مقابلہ کرتے۔ جمعہ کے دن ۱۰۹۹ء میں دن کے تین بجے تک ایک ہنگامہ رستخیز برپا رہا۔ اور بہادرانِ اسلام نے ہر قدم پر نہایت ثابت قدمی سے مخالفین کو روکا۔

دن ڈھلے کے قریب "کونٹ گاڈفرے ڈی بیولن" بیت المقدس کی ایک دیوار پر قابض ہو گیا۔ اور اسی روز غروب آفتاب کے ساتھ ہی حضرت فاروق اعظمؓ سے ۴۶۰ سال بعد پھر ایک بار بیت المقدس پر صلیب کا نشان بلند کر دیا گیا۔ پیروانِ حضرت مسیح کے جوش و غضب کا اندازہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بلا لحاظ عمر زن و مرد۔ جوان، بوڑھے اور بچے تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ مسیحی مؤرخوں کے بیان کے مطابق عیسائیوں نے تین دن تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینے والوں کو پرلے درجہ کی سنگدلی اور سفاکی سے کھلے بازاروں میں۔ مساجد میں۔ گھروں میں اور گلی کوچوں میں قتل کیا۔ تین دن میں تقریباً ایک لاکھ کلمہ گو نے جامِ شہادت نوش کیا۔

آٹھ روز تک شہر میں پرستارانِ توحید کے گلے کٹتے رہے۔ اور گھر بار لُٹتے رہے۔ مسجد اقصیٰ میں جس قدر علماء دین پناہ گزین تھے اُن کو پرلے درجہ کی بُزدلی سے شہید کر ڈالا گیا۔

حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ پھاڑ کر بچے نکالے جاتے اور کتوں کے کھانے کے لئے پتھروں پر پھینک دیئے جاتے۔ بیت المقدس کے در و دیوار

جو کبھی نور اسلام سے مزین تھے خونِ شہدا کی لالی سے سُرخ ہو گئے۔

محرابِ داؤد اور مسجد اقصیٰ میں کم و بیش سات ہزار مُسلمان تھے۔ یہ سب آگ میں جلا کر شہید کئے گئے۔ ان کے پارچات پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی جاتی۔ اور عیسائی بہادر دیوانہ وار قہقہہ لگا کر شہیدوں کی بے کسی اور مظلومیت کا نظارہ دیکھتے۔

ایک مشہور عیسائی مؤرخ جس کا نام میچاؤ ہے لکھتا ہے کہ عیسائی مُسلمان حکمرانوں کے حملوں سے اس قدر دق آتے ہوتے تھے کہ بیت المقدس پر قابض ہو کر اور اس قدر ظلم و تشدد کے بعد بھی ان کے قہر اور غضب کی آگ فرو نہ ہوتی تھی۔ یہ ظلم و ستم صرف اس لئے کئے جاتے تھے کہ آئندہ کبھی مسُلمان تثلیث پرستوں کے مقابلہ اور مخالفت کا حوصلہ نہ کریں۔

بیت المقدس کے گلی کوچے اور کھنڈرات بیکسوں کے لاشوں سے اَٹے پڑے تھے۔ مسجد کے صحن میں سے خون کی ایک ندی جاری تھی۔ مُسلمان شہری ہر روز مسیحی کونسل کے سامنے پیش کئے جاتے اور گردن زدنی قرار دیکر جلّادوں کے سپُرد کر دیئے جاتے۔ جب عیسائی اس قسم کے کُشت و خون سے اُکتا گئے تو پھر مسُلمانوں کو حکم دیا گیا کہ فصیل شہر پر سے نیچے کُودیں۔ اس ترکیب سے بھی سینکڑوں کو ہلاک کیا گیا۔ جو مالی نقصان تھا اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ مسجد عمرؓ کی ہر ایک چیز لوٹ لی گئی۔ یہ تمام چیزیں نہایت نادر اور بیش قیمت تھیں۔ ان میں چاندی کی چالیس بے عدیل قندیلیں بھی تھیں۔ ان کے علاوہ سونے اور چاندی کی دو سو سے زائد اسی قسم کی قندیلیں اور مقامات سے لُوٹ لی گئیں۔ صرف مسجد اقصیٰ سے جو سامان لوٹا گیا وہ کئی چھکڑوں پر لادا جا سکتا تھا۔

عام لوٹ مار کے وقت بے شمار یہودی شہر سے نکل کر قرب و جوار کے کھنڈرات میں جا چھپے تھے۔ ان سب لوگوں کو جہاں جہاں ملے اس جگہ زندہ جلادیا گیا۔ جب اس قسم کی سفاکی اور بزدلی کی حد ہو چکی تو پھر بچے کھچے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ لاشوں کو شہر سے اٹھا اٹھا کر باہر لے جائیں اور جس طرح چاہیں دفن کر دیں۔

اس پُر آشوب زمانے میں خلافت بغداد پر ابو العباس، احمد المستظہر باللہ" جلوہ افروز تھا۔ جب چند ایک مسلمان خاندان بیت المقدس سے تباہ و خستہ حال بغداد پہونچے۔ تو وہاں کے شعراء نے ان کی بے کسی اور مظلوموں کی داستانوں کو نظم کیا۔ لوگ رقت انگیز مراثی پڑھتے تھے اور پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

"قاضی ابوسعد ہروی" جو بغداد کی جامعہ مسجد کا امام تھا۔ ان مصیبت کے ماروں کو ساتھ لے کر دربار میں گیا۔ جب ان لوگوں نے مسلمانوں کی مظلومیت کی داستان بیان کی تو سننے والے خوف سے سہم گئے۔ خلیفہ نے اسی وقت ایک لشکر "ابو بکر شاسی" "ابوالقاسم زنجانی" اور "ابو سعد حلوانی" کی سرکردگی میں نصرانیوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا لیکن یہ لوگ راستہ ہی سے پریشان ہو کر پلٹ آئے۔

اسی طرح جب مصر میں ان ہولناک مظالم کی فریاد بلند ہوئی تو "ہاشمی خلافت" خوابِ گراں سے بیدار ہوئی۔ اور بے گناہوں کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر "ابوالقاسم الملقب بہ الملک الافضل" کی ماتحتی میں "عسقلان" کی جانب روانہ کیا۔ ساتھ ہی نصرانی ریاستوں کے نام تہدیدی فرمان جاری کئے اور سخت انتقام کی دھمکی دی۔

ایک جگہ ہاشمی لشکر اور نصرانی جمعیت کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ لیکن نصرانی چالبازی سے بازی لے گئے۔ عیسائیوں نے بہت سے لشکریوں کو گرفتار کرکے زندہ جلادیا۔ اور "افضل" بارہ ہزار دینار تاوان دے کر جان بچا کر مصر واپس آگیا۔

اب نصرانیوں کے ظلم وستم کا کچھ اندازہ نہ ہوسکتا تھا۔ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ اور گو ان لوگوں نے اسلامی سلطنت کو درہم برہم کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن قدرت کو ابھی اس سے اور بھی کچھ کام لینا منظور تھا۔ اِس لئے کچھ اسلامی ممالک ان غارتگروں کی دستبرد سے محفوظ رہ گئے۔

۱۱۱۰ء میں فلسطین کے بہت سے حصّہ پر عیسائی قابض ہو گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد شام۔ عکہ۔ ٹونس اور ساعدہ وغیرہ اسلامی مقبوضات پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔

سُلطان صلاح الدین کی پیدائش سے سات سال پیشتر ۱۱۳۱ء میں ایجو نام ایک نوجوان شہزادہ جب یروشلم کا تاجدار بنا تو اس وقت یونانی حکومت بھی برسرِ اقتدار تھی۔ شام اور عراق پر نصرانیوں کا پورا پورا غلبہ تھا۔ ان صلیبی لیڈروں کے حوصلے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ آئے دن "دیارِ بکر" تک آکر مسلمانوں کو لوٹ مار جاتے۔ اندرون ملک میں بھی کئی ایک قلعے اور مستحکم فوجی مقامات ان کے قبضے میں تھے۔ لیکن حقیقت میں ان کی حکومت صرف ساحلی مقامات تک محدود تھی مستقل طور پر عیسائیوں کو اندرون ملک پر فوجکشی کرنے کی جرأت ابھی تک نہ ہوئی تھی۔

حلب - دمشق - حمسہ - حمص ابھی تک مسلمانوں کے زیر نگین تھے۔
اندرون ملک میں "بیت المقدس" کے علاوہ "اویسہ" ایک قابل ذکر مقام
ان لوگوں کے تصرف میں تھا۔ بلادِ مشرق میں جب عیسائیوں کا طوطی بول
رہا تھا اس وقت ان کی سلطنت شمالاً جنوباً پانسو میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن
جب زمانے کی ہوا پھر مسلمانوں کے موافق ہوئی تو عیسائی سلطنت زیادہ سے
زیادہ پچاس میل کے رقبہ کے اندر اندر محیط تھی۔ یہ سب ممالک چھوٹے چھوٹے
عیسائی نوابوں کے ماتحت تھے اور بیت المقدس کے فرمانروا کو اپنا بادشاہ
تصوّر کرتے تھے۔ جن دنوں عیسائیوں کا ستارہ اوج پر تھا۔ اُن دنوں ایک طرف
بیروت - صور - صاعدہ - عکہ اور یافہ - یروشلم کے عیسائی حکمران کے
زیر نگین تھے۔ اور دُوسری جانب مصری سرحد "عسقلان" اور جنوب کی طرف
"وادی یردون" اور "بحیرہ مردار" تک تابع فرمان تھے۔ یہ تمام مسیحی ریاستیں
اسلامی ممالک سے ایک یا دو روز کی مسافت پر واقع تھیں۔ اور دونوں
اقوام میں چپقلش جاری رہتی تھی۔
مشہور عربی مؤرخ "اسامہ" لکھتا ہے کہ باقاعدہ طور پر "گوریلا" جنگ کا
سلسلہ جاری تھا۔ اور دونوں اقوام ایک دُوسرے کا گلا کاٹنے اور
مال و اسباب لوٹنے کے داؤ پیچ میں لگی رہتیں۔
لیکن یورپ سے جو صلیبی محاربات میں شامل ہونے کے لئے لوگ
آئے تھے۔ وہ اِس بات کے آرزومند تھے کہ یہاں کے مسلمانوں سے
مل جُل کر رہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے یہاں ہی مستقل بود و باش اختیار
کر لی تھی۔ اور مسلمان کاشتکاروں کی طرح زندگی بسر کرنے کا اِرادہ رکھتے
تھے۔ چونکہ دونوں اقوام کے افراد کا اکثر آپس میں میل و ملاپ رہتا تھا۔

اِس لیے مسلمان بھی ان کو چاہنے لگے تھے، اور صرف تیس سال گذرنے کے بعد دونوں اقوام ایک دوسرے سے اس قدر شیر و شکر ہو گئی تھیں کہ آپس میں رشتے ناطے بھی کرنے لگی تھیں۔ لیکن اس قسم کی رشتہ داریاں یورپ کے نو آبادوں تک ہی محدود تھیں۔ سرزمین مشرق کے عیسائی اپنی پرانی روش پر ہی قائم تھے۔

بہرکیف اب کچھ عرصہ سے عیسائی اور مسلم امن و امان سے دوش بدوش رہنے لگے تھے۔

"اسامہ" راوی ہے کہ وہ نصرانی جو پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر بلادِ مشرق میں آکر مقیم ہو گئے تھے، مسلمانوں سے رِل مِل گئے تھے۔ ان لوگوں کی بود و باش میں اسلامی جھلک نمودار ہونے لگی تھی لیکن اسکے بعد جو نصرانی یورپ سے نقل مکان کر کے مشرق میں آبسے تھے انکی حیثیت عام لٹیروں سے زیادہ نہ تھی۔ یہ لوگ مذہبی تعصب سے مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور ذلیل سمجھتے تھے۔ اور اب ان لوگوں کی کوتہ نظری کے طفیل دیارِ فلسطین کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں جو ایک عرصہ سے دوستانہ طور پر مل جل کر رہتے تھے پھر بے لطفی پیدا ہونے لگی تھی اور رشتۂ اتحاد و مروت بغض او حسد کی مقراض سے قطع ہونے لگا تھا۔

بقول ابن اثیر بارہویں صدی میں نفرت کی دبی ہوئی آگ نصرانیوں کے سینے میں پھر شعلہ زن ہونے لگی۔ اور عیسائی تمام عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھکر مسلمانوں پر کھلے بندوں حملے کرنے لگے۔ جہاں ان کا داؤ چلتا مسلمانوں کے جان و مال کو غارت اور برباد کرنے میں مطلق کوتاہی نہ کرتے۔ عیسائی دیار بکر تک آ آ کر مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے تھے۔ جو چیز ملتی لوٹ لیتے۔ اور

امن پسند باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیتے۔ دمشق کی طرف جانے والے راستے ان لوگوں کے بے پناہ قتل و غارت کے باعث بند ہو گئے۔ صرف وہ راستہ جو صحرا کی جانب سے جاتا تھا محفوظ تھا۔ سوداگر اور قافلے سخت پریشان تھے۔ مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ان لٹیروں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ قرب و جوار کی اسلامی آبادیوں سے جبراً خراج وصول کر لیتے۔ ایک بار "حلب" پر بھی چڑھ دوڑے اور یہاں کے باشندوں سے نصف مال و اسباب لے لیا۔"

سُلطان عماد الدین زنگی

مُلک میں جو مختلف اسلامی حکومتیں تھیں۔ ان سب میں عموماً اور ترکی اسلامی ریاستوں میں خصوصاً جنگجو مسلمانوں کے جتھے موجود تھے۔ اور یہ سلجوقوں کی بدولت تھا کہ گو اس وقت اسلامی حکومتوں کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی۔ لیکن ہر ایک ریاست میں ایسے جانفروشانِ اسلام کافی موجود تھے جو اسلام کے نام پر گردن کٹوانا اپنا پیدائشی فرض سمجھتے تھے۔ لیکن افسوس کہ یہ لوگ گھروں میں خاموش بیٹھے نصرانیوں کی شرارتوں کو دیکھتے تھے۔ دُشمنانِ اسلام کی چیرہ دستیاں دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے۔ لیکن کروٹ نہ بدلتے۔ کیوں؟

ان لوگوں کو صرف ایک ایسے منچلے راہنما کی ضرورت تھی۔ جو سب سے پہلے میدانِ کارزار میں نکلے اور باقیوں کو للکار کر "جہاد" کی دعوت دے اور ان کو بتلا دے کہ آئے دن کی خانہ جنگیوں کی بدولت اسلام کو جو بُرا دِن دیکھنا نصیب ہوا ہے اُس کا کفارہ صرف ایک ہی صورت میں ادا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسُول مقبول کی عزّت۔ حُرمت

اور آن پر میدان جنگ میں آ کر گردنیں کٹوائیں اور اپنے خون سے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کریں ورنہ یہ دھندلے سے نشان بھی کسی دن مٹ جائیں گے۔
آخر کلمہ گوؤں کی بے کسی پر قدرت نے پھر ایک بار رحم کھایا۔ اور "عماد الدین زنگی" جیسا بہادر اور باتدبیر شیر اسلام پرستارانِ تثلیث سے توحید کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لئے شمشیر بکف میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو للکارا کہ آؤ نکلو، اور اسلامی حمیت اور غیرت کا ثبوت دو۔

"عماد الدین زنگی" کا باپ ان سلجوقی سرداروں میں سے تھا جو سلطان ملک شاہ کے عہد میں مختلف ممالک کے اتابک یعنی گورنر تھے۔ باپ کی وفات کے بعد اس نے اپنے آقائے نعمت کے زیر سایہ پرورش او تعلیم پائی۔ جب سن بلوغت کو پہونچا تو اس کے باپ کے دوستوں اور نمک خواروں نے اسے اپنا سردار منتخب کر لیا۔ کچھ عرصہ تک وہ سلطان کے دونوں شہزادوں کا اتالیق مقرر رہا اور پھر ترقی کرتے کرتے ولایت موصل کا گورنر بن گیا۔ اِس عہدے پر فائز ہوتے ہی اس نے اپنی توجہ اور آمدنی کے سب وسائل دشمنانِ اسلام کی بیخ کنی کے لئے وقف کر دیئے۔
موصل دار الخلافہ سے دو سو میل کی مسافت پر تھا۔ زنگی نام کو گورنر تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ ایک خود مختار والیٔ ملک تھا۔ وہ شب و روز اپنی فوجی طاقت اور نظامِ ملک کی جانب متوجہ رہتا۔ اس نے ملک کو وہی آئین عطا کیا تھا جو "سلطان ملک شاہ" نے جاری کیا ہوا تھا۔ عماد الدین زنگی رات کے وقت بھیس بدل کر شہر میں گشت کیا کرتا۔ اور لوگوں کے حالات اور رائے کا پتہ لگاتا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ دار الخلافہ سے

کوئی شخص اس کی خاص اجازت کے بغیر کسی دوسرے شہر میں نہ جائے۔ زنگی ایک زبردست حاکم تھا اور اپنے ماتحتوں کی نہایت سختی سے نگرانی کرتا تھا۔

"ابن اثیر" لکھتا ہے کہ جب "زنگی" کو ولایت موصل کی عنانِ حکومت عطا ہوئی تو شہر کی حالت بہت خراب تھی۔ بازار بے رونق اور رعیت مفلوک الحال تھی۔ لیکن عماد الدین نے حسن تدبیر سے شہر کی کایا پلٹ دی۔ اور موصل ایک خوبصورت شہر نظر آنے لگا۔ عالیشان عمارتیں۔ اور شہر کے اندر باہر باغات بہت قلیل فرصت میں تیار کروا دیئے گئے۔ رعیت خوشحال ہوگئی۔ اور تجارت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ دوسری جانب اُس نے ہر ممکن طریق سے اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ اپنے سپاہیوں کے اہل و عیال کی خبرگیری نہایت احسن طریق پر کرتا۔ اور سال میں ایک بار لوگوں سے جہاد کے اخراجات کے لئے روپیہ وصول کرتا۔

زنگی سے پیشتر سکمان اور الغازی جو دو چھوٹی سی اسلامی ریاستوں کے حکمران تھے بسا اوقات عیسائیوں کے حملوں کا جواب دیتے رہتے تھے۔ اس گئے گذرے وقت میں بھی "الغازی" کے نام کی وہ دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ نصرانی گھروں میں بیٹھے بھی کانپنے لگتے تھے۔ یہ ترکمان تاجدار اپنے کوہستانی علاقوں سے عقاب کی طرح سرزمین شام پر آجھپٹتا۔ اور صلیبی مقبوضات کو... ۱۱۲۲ء میں نصرانی جب حلب کے مسلمانوں کو زیادہ پریشان کرنے لگے۔ تو ان لوگوں کی پکار پر الغازی تین ہزار سوار اور نو ہزار پیادہ مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ میدان میں آ نمودار ہوا۔ اور ایک نہایت خونریز جنگ کے بعد

عیسائیوں کو مار بھگا دیا۔

اس جنگ میں وہ عیسائی تاجدار جو سرعسکر تھا لڑتا ہوا مارا گیا۔
اسی سال "عماد الدین زنگی" کو بصرے کی ولایت عطا ہوئی تھی۔

آئے دن کی ذلتوں اور رسوائیوں کے باوجود مسلمان حکمرانوں کو جو ایک دوسرے سے کاوش تھی اس میں فرق نہیں آیا تھا۔ جب زنگی نے اسلامی حکمرانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ تو یہ لوگ بغلیں جھانکنے لگے۔ اور اس خیال سے کہ زنگی کی اطاعت کرنی پڑے گی پس و پیش کرنے لگے۔

دریائے فرات کے کناروں پر جو عیسائی حکمران تھے وہ اب اس فکر میں تھے کہ کسی طرح مسلمانوں سے سمجھوتا کر کے "زنگی" کے اقتدار کو نقصان پہونچائیں۔ یہ سب ریاستیں "زنگی" کے عقب پر واقع تھیں۔ لیکن "زنگی" نے دُور اندیشی سے "کونٹ جوسولن" سے جو ایک مشہور عیسائی حکمران تھا ایک معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ سے یہ قرار پایا کہ عیسائی "زنگی" کے معاملات میں دخل نہ دیں گے اور نہ ہی اس کے خلاف کسی سے معاہدہ کریں گے۔ اس طرح عقب کی جانب سے مطمئن ہو کر عماد الدین شام کی خودمختار اسلامی ریاستوں کو حلقہ بگوش کرنے کی فکر کرنے لگا۔

انہی ایام میں باشندگانِ "حلب" نے اُس سے مدد مانگی۔ اس جانب کے نصرانی "حلب" کے مسلمانوں کو آرام کا سانس نہیں لینے دیتے تھے۔ زنگی فوراً کمربستہ ہو کر فرات سے اُترا۔ اور یلغار کرتا ہوا حلب کی طرف بڑھا۔ ہر مقام پہ عیسائیوں کو شکست دی کر مُلک کو ان کی دستبرد سے پاک کر دیا۔ اور پھر پورا ایک سال شام میں بیٹھ کر عیسائیوں کو پریشان کرتا رہا۔ لیکن یہ ہٹ کے پکے بھی کبھی مسلمانوں کو تنگ کرنے کے خیال سے باز نہ آئے۔

۱۱۳۰ھ میں زنگی ایک فاتح کی حیثیت سے "موصل" واپس آیا۔ اور ملک کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۱۳۱ھ میں سلطان کے انتقال پر تخت وتاج حاصل کرنے کے لئے سلجوقی شہزادے ایک دوسرے سے دست وگریباں ہونے لگے اور زنگی کو بھی مجبوراً ان جھگڑوں میں شامل ہونا پڑا۔

چنانچہ انہی ایام میں عمادالدین زنگی "قراجا" سے شکست کھاکر بھاگا۔ اور نجم الدین ایوب کے پاس جو ان دنوں "تکریت" کا قلعدار تھا پناہ لی۔ اور پھر ایک بار ۱۱۳۳ھ میں ان الجھنوں سے نکل کر شام کی طرف متوجہ ہوا۔ اور "جہاد فی سبیل اللہ" کی تیاریاں کرنے لگا۔

کئی ایک سیاسی وجوہات سے "دمشق" پر قابض ہونا اس کے لئے ضروری تھا ۱۱۳۷ھ میں اس نے "دمشق" کی طرف پیشقدمی کی۔ ان ایام میں "عنر" دمشق کا حاکم تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہ زنگی سے عہدہ برآنہ ہوسکے گا تو اُس نے عیسائیوں سے معاہدہ کرلیا۔ عیسائی جو پہلے ہی زنگی کے نام سے لرزتے تھے انہوں نے بھی اپنی اور اپنی ریاستوں کی سلامتی اسی میں دیکھی کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر "زنگی" کے سیلاب کو روکیں۔ جب عمادالدین سرزمین شام میں داخل ہوا۔ تو عیسائیوں کو مقابلہ کے لئے تیار پایا۔ یروشلم کا عیسائی فرمانروا مسیحی لشکر کا سردار اعظم تھا۔ زنگی نے ان لوگوں ایک ہی معرکہ میں مار بھگا دیا۔ اور یہ سب بارین کے قلعہ میں پناہ گزین ہوگئے۔ بارین کو قدرتی استحکامات بہت حاصل تھے۔ عیسائی اس جگہ سے مسلمانوں کا خوب مقابلہ کرتے رہے۔ اور چند نصرانی سرداروں نے شجاعت کے خوب ہی جوہر دکھلائے۔ اور جب پرچم ہلالی بارین پر اُڑنے لگا تو زنگی نے

خاص خاص نصرانی سرداروں کو ان کی شجاعت اور ہمت کے عوض خلعت عطا کئے۔ اور بادشاہ کو بھی جس نے خوب دادِ شجاعت دی تھی آزاد کر دیا۔ اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وطن جانے کی اجازت دیدی۔

اسی زمانے میں یورپ سے بکثرت لوگ صلیبی لڑائیوں میں شامل ہونیکی غرض سے مشرق کی طرف آنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور جوق در جوق آ رہے تھے۔

اسی سال کے اخیر میں عماد الدین زنگی اور والیٔ دمشق کی صلح ہو گئی اور وہ اپنا لشکر لے کر موصل کی طرف لوٹ آیا۔

تمام عیسائی ریاستیں بڑے جوش سے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ اور ادھر دمشق کا تاجدار اور چھوٹے چھوٹے والیان ریاست بھی اپنی کوتاہ بینی کے باعث ان کے ساتھ مل کر عماد الدین زنگی کا مقابلہ کرنے کی فکر میں تھے۔ عماد الدین نے ہر ممکن طریق سے یہ چاہا کہ کسی طرح مسلمان والیانِ ریاست اس کے ساتھ مل کر دشمنانِ اسلام کا سر کچلیں۔ لیکن اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس تاجدارِ دمشق نے کھلے طور پر تاجدار "یروشلم" سے ایک عہدنامہ کر لیا۔

آخر زنگی ان لوگوں کی متفقہ جماعت پر حملہ آور ہوا۔ اور ہر معرکہ میں مخالفین کو شکست دی۔ لیکن اس سال بھی وہ دمشق پر قابض ہونے میں کامیاب نہ ہوا۔ اور "نجم الدین ایوب" کو "بعلبک" کا گورنر مقرر کر کے موصل کی طرف چلا گیا۔ جب جنوب کی جانب سے وہ شام سر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اب اُس نے شمال کی جانب سے عیسائیوں پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔

چنانچہ اس غرض سے اس نے خانہ بدوش کرد قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ایک جرار لشکر کے ساتھ عیسائیوں پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں "دیارِ بکر" کے اکثر مشہور شہر اس نے تسخیر کر لئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ مجاہدین اسلام "اویسہ" کے سامنے آ نمودار ہوئے۔ ان دنوں یروشلم کے بعد "اویسہ" دوسرے درجہ پر تھا۔ یہاں بڑے بڑے مشہور صلیبی سردار اپنے جتھوں کے ساتھ مقیم تھے۔ عماد الدین زنگی کا لشکر دیکھ کر ان لوگوں نے چالبازی سے کام لینا چاہا۔ لیکن اس نے صاف صاف کہدیا کہ اب فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔ کوئی مہینہ بھر دونوں طرف کے بہادر داد شجاعت دیتے رہے۔ آخر ۲۲ دسمبر ۱۱۴۴ء میں علمبردارانِ توحید فتح یاب ہو کر "اویسہ" پر قابض ہو گئے مسلمانوں نے یہاں کے صلیبی بہادروں سے جن کو ان کی اصطلاح میں "نائٹ" کہا جاتا تھا اور جو بلا امتیز عمر ان تمام مسلمانوں کو جو ان کے قبضہ میں آتے قتل کر ڈالتے تھے۔ مظلوموں کے خون کا انتقام لیا۔

عماد الدین نے مستورات، بچوں۔ بوڑھوں اور اپاہجوں کو امان دیدی۔ اور پھر تمام سرکشوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ صرف وہ لوگ زندہ بچے جنہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ جب یہ شیر اسلام شہر میں داخل ہوا تو اہل شہر کو امان دی گئی اور مجاہدین کو شہر کی لوٹ مار سے روک دیا گیا۔ اور حکم دیدیا کہ اگر کوئی مسلمان کسی بے گناہ نصرانی کو قتل کرے گا تو وہ قصاص میں قتل کر دیا جائیگا۔

صرف "اویسہ" کے سر ہو جانے سے ہی تمام "وادی فرات" کے مسلمانوں کو امن نصیب ہو گیا۔ نصرانی خود بخود اپنے بڑے بڑے سرکردوں کی جانب بھاگ گئے اور تمام ملک پھر ایک نعرہ توحید سے گونجنے لگا۔

فتح اُوِیسہ" سے دوسال بعد ۱۴ ستمبر ۱۱۴۶ء میں عماد الدین زنگی" جب "جعبر" کا محاصرہ کئے پڑا تھا رات کے وقت خیمے میں سوتا ہوا اپنے غلاموں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

زنگی کے مرنے کی خبر سُن کر صلیبی بہادر پھر کروٹ بدلنے لگے۔ اسلامی مقبوضات کی تاخت و تاراج کی فکر میں ہو گئے۔ لیکن اب جس اسلامی حکومت کی زنگی جیسا مرد میدان داغ بیل ڈال گیا تھا یوں آسانی سے سر کر لینا ناممکن تھا۔

گو "زنگی" جیتے جی تو ایک مستحکم اسلامی سلطنت نہ دیکھ سکا۔ لیکن اس کے بہادر جانشین "نور الدین زنگی" اور "مجاہد اسلام صلاح الدین یوسف" نے اسے پُورا کر دکھایا۔ صلاح الدین نے عماد الدین زنگی کی وفات کے چالیس برس بعد تثلیث پرستوں کے وجود سے مُلک کو پاک کر کے پھر ایک بار "بیت المقدس" پر پرچم ہلالی بلند کیا۔ اور فاتح بیت المقدس کا لقب پایا۔

دُوسری صلیبی جنگ

"عماد الدین زنگی" کے مرتے ہی مُلک اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو گیا۔ بڑا بیٹا "سیف الدین غازی" باپ کی جگہ "موصل" کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اور شامی مقبوضات پر چھوٹے بیٹے "نور الدین" نے قابض ہو کر حلب کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔

تاریخ اسلام میں "سلطان صلاح الدین یوسف" کے بعد نور الدین زنگی کا نام ہے کیونکہ اس فرزند اسلام نے تمام عمر توحید کی عظمت اور عزت برقرار رکھنے میں صرف کر ڈالی اور اسلام کی حمایت میں دشمنوں سے ہمیشہ

سینہ سپر رہا۔

"سلطان نور الدین زنگی" ابھی اپنے نئے مقبوضات کا نظم و نسق بھی اچھی طرح سنبھال نہیں سکا تھا کہ اسے پھر ایک بار "اولیسہ" کو جسے اس کے بہادر باپ عماد الدین زنگی نے سخت خونریز لڑائیوں کے بعد عیسائیوں سے چھینا تھا دشمنوں سے بچانے کے لئے تیار ہونا پڑا۔

عماد الدین کے مرنے کے ساتھ ہی صلیبی بہادر یورپ کے بل بوتے پر "اولیسہ" کی طرف متوجہ ہوئے۔ مشرق اور مغرب کے نصرانیوں کو "اولیسہ" کے ہاتھ سے نکل جانے کا سخت افسوس تھا۔ یورپ میں پوپ نے عیسائی حکمرانوں کو فرمان لکھ کر مشرق کے عیسائیوں کی حمایت اور مدد پر اکسایا۔ ان ایام میں فرانس پر لوئس ہفتم حکمران تھا۔ اور شاہان یورپ میں سے یہی سب سے پہلا تاجدار ہے۔ جس نے صلیبی محاربات میں بذاتِ خاص شامل ہونے کا سب سے پہلے اعلان کیا اور اس خدمت کے عوض "پوپ" نے اسے جناب مسیح علیہ السّلام کی زیارت کا یقین دلایا۔

پہلی صلیبی جنگ میں اہل جرمن نے کچھ حصّہ نہیں لیا تھا۔ اس وقت بادشاہ لوئس کی خاص درخواست پر پوپ نے جرمنی کے شہنشاہ "کونارڈ سوئم" کو بھی اس جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ پہلی لڑائی میں یورپ سے "لورین"۔ "فلینڈرز"۔ "فرانس" اور "اٹلی" کے باشندے شامل ہوئے تھے۔ اور انہی ممالک کے حکمرانوں نے مال و زر سے مدد کی تھی۔ لیکن اس دوسری لڑائی کے لئے تاجدار جرمنی بھی شامل ہو گیا۔ اور صلیبی سورما بڑے گھمنڈ سے پکار پکار کر کہنے لگے کہ اب وہ اپنے وطن میں اس وقت ہی قدم رکھیں گے

جب ایشیا میں صرف تثلیث کا پھریرا لہراتا نظر آئیگا۔

چنانچہ سب سے پہلے "کونارڈ سوئم" تاجدار جرمنی ایک جم غفیر کو ساتھ لے کر سلجوقی ترکوں کے ممالک پر حملہ آور ہوا۔ سلطان مجاہدین کا لشکر لئے ایک پہاڑ کی طرح راستہ روکے پڑا تھا۔ کونارڈ اور اس کے بیرن (نواب) بڑے جوش سے لشکر سے نکل نکل کر مسلمانوں پر حملے کرتے تھے۔ لیکن سمندر کی طوفان خیز موجوں کی طرح پہاڑ سے سر ٹکرا کر واپس لوٹ جاتے تھے۔

آخر سلطان نے نعرہ توحید بلند کیا۔ اور مجاہدین اسلام نے اس شدت سے دشمنوں پر حملہ کیا کہ وہ صلیبی سورما جو بڑے طمطراق سے دریائے "ڈینوب اور رائین" عبور کر کے مسلمانوں سے "اولیمہ" چھیلنے آئے تھے۔ حواس باختہ ہو کر میدان سے بھاگ نکلے۔ مسلمان تیر اندازوں نے تمام فوج کا ستھراؤ کر ڈالا۔ اور مشکل سے اس نصرانی لشکر کا دسواں حصہ اپنے تاجدار کے ساتھ جان بچا کر بھاگا۔ اور سرزمین فلسطین میں جہاں تاجدار فرانس لوئس ہفتم پڑاؤ ڈالے تھا جا ملا۔

"سلطان نورالدین زنگی" نے شہنشاہ جرمنی اور اس کے امرا کو ایسی سخت شکست دی تھی کہ یہ لوگ اپنا تمام سامان حرب بھی سلجوقی ترکوں کے حوالے کر گئے۔ لیکن فلسطین پہونچکر بھی ان لوگوں کے قدم نہ ٹھیرے۔ اور بیشتر اس کے کہ نصرانی بادشاہ آپس میں کچھ سمجھوتہ کر سکیں۔ "کونارڈ سوئم" تو اپنے ہمراہیوں سمیت "بیت المقدس" کی طرف چلا گیا۔ اور باقی ماندہ عیسائی جو اس کے ساتھ دیگر ممالک سے آئے تھے مسلمانوں کے خوف سے وطن کو لوٹ گئے۔

"شہنشاہ جرمنی کونارڈ سوئم" کی شکست کے بعد شہنشاہ فرانس "لوئس ہفتم"

پیچ و تاب کھا کر اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے مشرق کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔ یہاں بھی ترک راستہ روکے کھڑے تھے۔ لیکن ایک خوفناک جنگ کے بعد مسلمان پس پا ہو گئے۔ فتح مندوں نے نہایت ظالمانہ طریق سے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ زن و مرد۔ بوڑھے بچے سب قتل کئے گئے۔

"ہسٹورینز ہسٹری آف ورلڈ" کے عیسائی مورخین کے بیان کے مطابق صلیبی حملہ آوروں نے اس کثرت سے مسلمان قتل کئے کہ مدتوں تک اس میدان میں ان کی ہڈیاں مسافروں کو ملا کرتی تھیں۔ فرانسیسی فوج کا ہراول اس شاندار فتح کے باعث جوش سے یلغار کرتا ہوا لشکر سے کچھ آگے نکل گیا۔ اس کے عقب میں شہنشاہ فرانس اور اس کے امرا باقی لشکر لئے آتے تھے۔ ترک میدان سے بھاگ کر کوہستانی علاقوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ جب یہ لشکر زد میں آیا۔ تو ترکوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مسلمانوں کے جوش غضب کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ تیر اور نیزے چھوڑ کر تلوار پکڑے عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور جی بھر کر مظلوموں کے خون کا انتقام لیا۔ اور عیسائی فوج کو کاٹ کاٹ کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

"ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ" میں مذکور ہے کہ "لوئس ہفتم" قسمت کی یاوری سے قتل ہونے سے بچ گیا۔ رات کی تاریکی میں وہ چند امرا کے ساتھ ایک طرف نکل گیا۔ عیسائی راستہ سے بے خبر تھے جدھر کسی کے سینگ سمائے ادھر ہی بھاگ نکلے۔ فوج میں ابتری اور خوف پھیلا ہوا تھا۔ ترکی سوار بلائے بے درماں کی طرح تعاقب کرتے تھے۔ دشمنانِ اسلام کو

ڈھونڈ کر مارتے تھے۔ اور یہ سب کچھ عیسائیوں کے اپنے ظلم کا نتیجہ تھا۔ آخر لشکر نے جہازوں پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کی۔ اور شہنشاہ لوئس اپنے لشکر کے ساتھ ایک لٹے ہوئے بنجارے کی طرح "یروشلم" میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ یہاں "کونارڈ سوئم" اور "سکسنی" اور "بیویریا" کے ڈیوک پہلے ہی بھاگ کر پہونچ چکے تھے۔

جب دم میں دم آیا اور مسلمانوں کی بے پناہ تلوار سے امان ملی۔ تو ایک فوجی مجلس مشاورت قائم کی گئی۔ اور صلاح یہ ٹھہری کہ "دمشق" کی طرف متحد ہو کر پیش قدمی کی جائے۔ یورپ اور ایشیا کے نصرانی تاجداروں نے از سرِ نو لشکر درست کیا۔ مشہور نصرانی بہادر جو "نائٹ آف ٹمپل اور سینٹ جان" کے لقب سے مشہور تھے۔ اور بادشاہوں سے من مانی باتیں منواتے تھے۔ اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

پانچ صدیوں سے "دمشق" امانتداران توحید کے قبضہ میں تھا۔ اور عیسائی بھی ایک طویل زمانہ سے اسے فتح کرنے کی تدبیریں تھے۔ یروشلم سے جب نصرانی لشکر نکلا۔ تو سب سے آگے یروشلم کا تاجدار اپنے لشکر کے ساتھ تھا اس کے بعد تاجدار فرانس اپنے لشکر کے ساتھ تھا۔ اور اس کے پیچھے شہنشاہ جرمنی کونارڈ سوئم اور دیگر امرائے یورپ تھے۔ اس وقت ولایت "دمشق" پر عنسر حکمران تھا۔

اب عنسر کو زندگی کا خوف نہ تھا۔ کیونکہ وہ گوشہ لحد میں سوتا تھا۔ ادھر نصرانیوں سے جو اس کا قول و اقرار ہوا تھا اس کی میعاد بھی گذر چکی تھی۔ اور اب "عنسر" جیسے بہادر سپاہی کی مدد پر نجم الدین ایوب جیسا با تدبیر اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اور دمشق اور اس کے قرب و جوار کے

مسلمان صلیب پرستوں سے دست وگریبان ہونے کے لئے تڑپ رہے تھے۔
"دمشق" اس وقت عروس البلاد تھا۔ شہر کے باہر انگور کے باغات بکثرت تھے۔ اور ان باغات کی حفاظت کے لئے مٹی کی ایک اونچی دیوار بنی ہوئی تھی۔ انہی انگور کی بیلوں کے پیچھے مجاہدین اسلام دشمن کی تاک میں بیٹھے تھے چنانچہ جب ۱۱۴۸ء میں یورپ اور ایشیا کے عیسائی مل کر حملہ آور ہوئے تو اس جگہ سے ان پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اور اس کے علاوہ ہر اونچی جگہ سے تیر برسنے لگے۔ کئی روز تک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر شیران اسلام شہر سے نکلے اور ایک خوفناک حملے سے لشکر کفار کو دریا کی جانب پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ دریا کی دوسری جانب ایک اور اسلامی لشکروں کا منتظر موجود تھا۔ اس موقع پر دونوں طرف کے بہادروں نے تلوار کے خوب جوہر دکھلائے اس اثنا میں عیسائی لشکر کا وہ حصہ جو ابھی منزل سے کچھ دور تھا آ گیا۔ اور مسلمان اپنی جمعیت کی قلت کے باعث شہر میں لوٹ آئے۔ عیسائیوں نے شہر کا محاصرہ اب بہت شدت سے شروع کیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں نے ان کا وہ قافیہ تنگ کیا کہ یورپ کے صلیبی بہادروں اور ایشیا کے عیسائی سپاہیوں میں بے نظمی پیدا ہو گئی۔ مجاہدین نے ہر روز کے حملوں سے تنگ آ کر ان کو اس قدر پریشان کیا کہ بڑے بڑے نصرانی سردار بھی لگے اونچی بولنے۔ آخر ۱۱۴۹ء میں یہ حملہ آور محاصرہ اٹھا کر دمشق سے بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

ان واقعات سے پانچ سال بعد نجم الدین ایوب افواج دمشق کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔ اور ادھر سلطان نورالدین زنگی کی کمانداری نجم الدین کے چھوٹے بھائی "اسعدالدین شیرکوہ" کو ملی۔

عیسائی تاجداروں نے اب اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ وہ چپکے سے گھروں میں بیٹھے رہیں - ان کا جتھا ٹوٹ چکا تھا - اور اکثر مغلوبین یورپ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے - ولایت موصل پر سیف الدین غازی ابن زنگی" بڑے تجمل وشان سے حکمران تھا - اور بہادر عنبر" تاجدار دمشق گوشہ لحد میں آرام کرتا تھا - اور اب "دمشق" کا نظم ونسق ایوب کے ہاتھوں میں تھا - عنبر کا جانشین ایک کمزور طبیعت شہزادہ تھا - یہی وہ وقت تھا جب کہ بہادر زنگی کی دیرینہ آرزو کہ ملک شام اس کے وارثوں کے زیر نگیں ہو پوری ہو سکتی تھی - نجم الدین ایوب جو اس کا اور اس کے خاندان کا نمک پروردہ تھا اسی جوڑ توڑ میں تھا کہ کسی طرح آقائے نعمت کی اولاد سے حق خدمت ادا کرے - اور کسی طرح ولایت "دمشق" نور الدین زنگی کو دلوا دے -

اپریل ۱۱۵۴ء میں ایک روز سلطان نور الدین زنگی کی افواج قاہرہ اچانک اسعد الدین شیرکوہ کی سرکردگی میں دمشق کے سامنے آنمودار ہوئیں - اہل دمشق "عنبر" کی موت کے بعد ایوب کے تابع فرمان تھے چھ روز تک ایوب اور شیرکوہ کے درمیان گفت وشنید ہوتی رہی - اور پھر ایک متنفس کا خون بہائے بغیر دمشق پر سلطان نور الدین زنگی کا قبضہ ہو گیا -

ابن اثیر لکھتا ہے کہ نجم الدین ایوب کی اس بے لوث خدمت سے سلطان نور الدین اس قدر خوش ہوا کہ اسے دربار میں بیٹھنے کی اجازت عطا کی گئی - سلطان کے علاوہ صرف ایوب ہی ایک ایسا شخص تھا جس کو یہ عزت حاصل ہوئی اور ساتھ ہی دمشق کی گورنری بھی عطا کر دی - اور اسعد الدین شیرکوہ کو تمام ولایت دمشق کا گورنر جنرل مقرر کر کے تمام خاندان کو شاہی نوازشوں سے مالا مال کر دیا -

نورالدین زنگی کا دمشق پر قبضہ ہو جانے سے نصرانیوں اور مسلمانوں کے تعلقات اور بھی کشیدہ ہو گئے۔ یروشلم کا عیسائی تاجدار اور شام کا مسلمان فرمانروا ایک دوسرے کے زبردست حلیف بن گئے۔ ایک مدت سے ان دونوں فرمانرواؤں کا مصر پر دانت تھا اور دونوں خفیہ خفیہ ولایت مصر پر قبضہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

گذشتہ دو صدیوں سے مصر فاطمی خلافت کے زیر نگیں تھا۔ اور فاطمی خلفاء کے عروج کے زمانے میں مصری افواج "سسلی"۔ "سارڈینیا" اور "کارسیکا" تک اپنی عظمت کا ڈنکا بجا چکی تھیں۔ اور مصری بحری بیڑہ بحیرہ روم کی حکمرانی کے لئے شاہان اندلس کا مدمقابل تھا۔ مصری جنگی جہازات بحیرہ قلزم اور بحر ہند" پر ہلالی پرچم اڑاتے پھرتے تھے۔

مغربی افریقہ پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ حکومت کے رعب کا یہ حال تھا کہ مصری سوداگر یورپ اور ایشیا میں جا کر تجارت کرتے تھے۔ مصر کے علاوہ شام اور عرب ان کے زیر اثر تھے۔ اور بغداد کی "خلافت عباسیہ" خم کھاتی تھی۔ آج تک قاہرہ کی مساجد کے در و دیوار اپنے حکمرانوں کی عظمت اور شان و شوکت کا پتہ دیتے ہیں۔

لیکن جب فاطمی حکومت پر زوال آیا۔ تو تمام ماتحت گورنر اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار بن بیٹھے۔ حکومت وزیروں اور مشیروں کے قبضہ میں تھی اور خلیفہ وقت ایک مذہبی پیشوا ہی تسلیم ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی اغیار کو سر اٹھانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ سلجوقی ترکوں نے اگرچہ شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن خود سلجوقی حکومت میں خانہ جنگی ہونے کے باعث اتنی طاقت نہ تھی کہ "وادی نیل" پر حملہ آور ہو سکے۔

بارھویں صدی میں خلافت ہاشمی کو صرف "یروشلم" کے نصرانی تاجدار کا خوف تھا۔ اس وقت عیسائی نہ صرف شام کے ساحلی علاقوں پر قابض تھے۔ بلکہ اندرونِ مُلک میں اور مقامات پر بھی بہت سے مستحکم قلعے ان کے قبضے میں تھے۔ سلطان نورالدین زنگی کے دمشق پر قابض ہو جانے سے خلافت مصر کو نصرانی لُٹیروں کا اتنا خوف نہ رہا جتنا ان کو اس مُسلمان تاجدار کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو گیا۔ مصری وزرا بھی چالوں سے کام لیتے تھے۔ اور دونوں حلیف سلطنتوں کو گانٹھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو ایک دُوسرے کے خلاف اُکساتے بھی رہتے تھے۔ آخر یہ خود غرض اور کور نمک مشیر اور مصری عُہدہ دار خطرناک طور پر چوکڑی بھُولے۔

مِصر پر سُلطان نورالدین زنگی کا حملہ

قُدرت نے خود ہی ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ سُلطان نورالدین زنگی کو مصر کی جانب توجہ مبذول کرنی پڑی۔

"ابو شجاع شاور" جس کا سلسلہ نسب آقائے دوجہان حضور رسالتمآب صلعم سے ملتا تھا۔ مصر کے ایک صُوبہ کا گورنر تھا۔ یہ شخص بہت زیرک اور مستعد آدمی تھا۔ جب اس نے دربار خلافت میں بانتظمی دیکھی تو ۱۱۶۳ء میں بزورِ شمشیر مصر کا وزیراعظم بن گیا۔ لیکن سات ماہ بعد ایک مصری سردار ضرغام نامی نے جو پہلے خلیفہ کے محلات کے دربانوں کا داروغہ تھا۔ اور پھر ترقی کرتے کرتے خلیفہ کے باڈی گارڈ کا اعلیٰ افسر ہو گیا تھا۔ شاور کو ایک دست بدست لڑائی کے بعد مُلک سے بھگا دیا۔ یہ خلیفہ "عاضد الدین اللہ علوی" کا زمانہ تھا۔ جو برائے نام خلیفہ متصور ہوتا تھا۔ شاور دمشق پہونچ کر الملک العادل

سُلطان نورالدین زنگی کے حضور میں حاضر ہو کر طالب امداد ہوا۔ اور تمام اخراجات جنگ اپنی گرہ سے ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اور ساتھ ہی کامیابی کی صورت میں مملکت مصر کی کُل آمدنی کا ۱/۳ حصّہ بطور خراج ادا کرنے کا اقرار کیا۔

ادھر اسی اثنا میں فرغام اور آیملرک تاجدار بیت المقدس میں کسی معاملہ پر آن بَن ہو گئی اور معاملہ نے اس قدر طول کھینچا کہ آیملرک مصر کی تاخت و تاراج کے ارادے سے اپنے لشکر کے ساتھ فلسطین سے نکلا۔ لیکن اس موقع پر فرغام ایسی چال چلا کہ آیملرک اپنے ارادے سے باز آ کر فلسطین کی جانب لوٹ گیا۔ لیکن جب فرغام کو شاور کے دربار دمشق میں حاضر ہو کر طالب امداد ہونے کا پتہ لگا۔ تو وہ پھر بیت المقدس کے نصرانی تاجدار کو گانٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ آیملرک فرغام کی مدد پر تیار ہو سکے۔ سلطان نورالدین نے ایک لشکر جرار شیرکوہ کی زیر کمان شاور کی مدد کے لئے مصر روانہ کر دیا۔

اسعدالدین شیرکوہ نے اس مہم میں نوجوان صلاح الدین کو بھی ساتھ لے لیا اور اسے اپنا نائب سپہ سالار مقرر کر دیا۔ شہر بلبیس کے قرب و جوار میں دمشقی لشکر اور مصریوں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ لیکن مصری دمشق والوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر یہاں سے پسپا ہو کر قاہرہ کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ لیکن اس جگہ بھی ان کے پاؤں نہ جمے اور فرغام کا لشکر اِدھر اُدھر منتشر ہو گیا۔ فرغام شکست کھا کر قاہرہ میں داخل ہوا اور لوگوں کو طرح طرح کے لالچ دلا دلا کر مدد پر اُبھارنے لگا۔ لیکن اب تدبیر پر تقدیر خندہ زن تھی۔ وہ اسی حالت میں شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ مشہد سیدہ نفیسہ

بنت ابو محمد حسن (آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ اسحاق بن جعفر صادق کے ہمراہ مصر میں تشریف لائیں۔ بڑی نیک عابد اور برگزیدہ خاتون تھیں) کے قریب اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ رہوار اور سوار دونوں گرے اور لوگوں نے فرغام کو اسی جگہ قتل کر دیا۔

صلاح الدین کا آغاز

ابن اثیر لکھتا ہے کہ جب مئی ۱۱۶۳ء میں شاور دوبارہ خلعت وزارت سے سرفراز ہوا تو اس نے برسر اقتدار ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کسی ترکیب سے اسعد الدین شیرکوہ اور صلاح الدین کو قاہرہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور سب قول و اقرار بالائے طاق رکھ دیئے۔ شیرکوہ کو جب شاور کی دغابازی کا علم ہوا تو اس نے صلاح الدین کو ایک زبردست فوج کے ساتھ قاہرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ صلاح الدین نے مصریوں کو شکست دے کر شہر بلبیس پر قبضہ کر لیا۔

شاور نے بیت المقدس کے عیسائیوں کو مدد کے لئے بلایا۔ چنانچہ ایملرک نے وہ لشکر جو فرغام کی گوشمالی کے لئے تیار کیا تھا۔ شاور کی مدد کے لئے مصر روانہ کر دیا۔ ایملرک کی باقاعدہ فوج کے ساتھ ایک جم غفیر اُن صلیبی شمشیر زنوں کا بھی تھا جو مسلمانوں سے جنگ کرنا ثواب سمجھتے تھے۔

اس وقت سلطان نور الدین زنگی فلسطین کی عیسائی سلطنتوں سے برسر پیکار تھا۔ ہر روز نصرانی سردار پابجولاں اس کے حضور میں حاضر ہوتے اور امان طلب کرتے۔ ان لوگوں سے زر فدیہ لے کر آزاد کر دیا جاتا۔ ادھر بیت المقدس کی عیسائی فوج اور صلاح الدین چند دنوں کے تفاوت سے

سرزمین مصر میں داخل ہوئے۔ مصری فوج اور عیسائی لشکر مجاہدین اسلام سے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ لیکن صلاح الدین کی بے پناہ تلواروں نے ان کے پاؤں کسی جگہ بھی جمنے نہ دیئے اور آخر ایک خوفناک جنگ کے بعد ابوآن کے مقام پر متحدہ افواج کو صلاح الدین یوسف نے سخت شکست دی۔ اس شکست کے بعد طرفین میں صلح ہو گئی۔ اور دونوں لشکر اپنے اپنے ملکوں کی طرف واپس چلے گئے۔

گو فوجی نقطۂ نگاہ سے سلطان نورالدین زنگی کو مصر کی حکومت نہ ملی۔ لیکن سیاسی پہلو سے بہت فائدہ ہوا۔ اسعدالدین شیرکوہ نے مہم سے واپس آ کر سلطان سے عرض کیا کہ مصر بھیڑوں کے ایک گلہ کی طرح ہے۔ اور اسے صرف ایک رکھوالے کی ضرورت ہے۔ مسیحی بھیڑیئے دندان آز تیز کئے بیٹھے ہیں۔ اگر اس وقت مصر پر فوج کشی کی جائے تو کامیابی یقینی ہے۔

لیکن اس وقت سلطان کسی مصلحت سے خاموش ہو رہا۔ لیکن کچھ مدت بعد یہ دیکھ کر کہ عیسائی مصری امورات میں زیادہ دخیل ہو رہے ہیں اور دربار خلافت سے من مانی باتیں منواتے ہیں۔ تو سلطان بھی لشکر کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ساتھ ہی خلیفہ بغداد نے بھی سلطان نورالدین کا جوش اسلام دیکھ کر اسے بہت سے تحائف بھیجے اور مصر پر فوج کشی کرنے کی ترغیب دلائی۔ سلطان نے ایک زبردست لشکر اسعدالدین شیرکوہ اور صلاح الدین کی سرکردگی میں تسخیر مصر کے لئے روانہ کر دیا۔ ادھر شاور نے ایملرک سے مدد مانگی۔ اس موقع پر ایملرک بذات خود ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ عازم مصر ہوا۔ ۱۱۶۷ء میں شیرکوہ اور صلاح الدین دوسری بار وادی غزالان کے راستہ سے مصر کی طرف بڑھے۔ اور

یلغار کرتے ہوئے قاہرہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر دریائے نیل کے کنارے شہر عطفح پر جا ڈیرے ڈالے۔

اسلامی لشکر اس جگہ قیام کئے تھوڑے ہی روز ہوئے تھے کہ ایملرک عیسائیوں کے ایک بہت بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ دریائے نیل کے مشرقی کے کنارے پر آ نمودار ہوا۔ اور اب دونوں لشکر قاہرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

مشہور عیسائی مؤرخ "ولیم آف ٹائر" لکھتا ہے کہ شاور نے خلیفہ سے کہہ سنکر اس کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ایملرک کے سفیروں کو باریابی عطا کرے۔ چنانچہ دو سفیر خلیفہ کے حضور میں باریاب ہونے کے لئے منتخب کئے گئے۔ ان میں سے ایک مشہور معروف فرقہ ٹمپلر (عیسائی سرداروں کا ایک گروہ جس کو سلاطین یورپ نے فوجی خدمات کے لئے بہت جاگیریں عطا کی ہوئی تھیں) کا سردار جیفری فلچر تھا اور دوسرا ایک صوبہ کا گورنر ہیف نامی ایک عیسائی بہادر تھا۔

(ان ہر دو سفیروں کی دربار خلافت میں جو آؤ بھگت ہوئی اس کی "ولیم آف ٹائر" نے خوب کیفیت لکھی ہے۔ لیکن ابن اثیر و علامہ بہاؤالدین نے سفیروں کی باریابی کا کہیں اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا)

عیسائی مؤرخ کے قول کے مطابق ان سفیروں کی وساطت سے خلیفہ اور ایملرک میں ایک سیاسی عہدنامہ ہو گیا۔

۱۸ اپریل ۱۱۶۷ء میں مسلمان اور عیسائی مصر پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے "ابوان" کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اس لڑائی میں شیرکوہ نے سب سے زیادہ دلاوری اور ذمہ داری کا کام

صلاح الدین کے سپرد کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ عین لڑائی کے وقت صلاح الدین عیسائیوں کے سامنے سے ایک بناوٹی زک اٹھا کر میدان سے نکلے اور اس ترکیب سے دشمن کو تعاقب کی دعوت دے۔ اور جب عیسائی اپنی مرکزی جمعیت سے دور نکل آئیں تو پلٹ کر ان پر حملہ آور ہو۔ چنانچہ صلاح الدین ٹھیک اس وقت جب کہ دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو رہے تھے۔ اپنی کمان کی فوج کو عیسائیوں کے سامنے سے ہٹا کر ایک ہزیمت یافتہ کی حیثیت سے میدان سے نکلا۔ صلیبی بہادر مسلمانوں کو پسپا ہوتا ہوا دیکھ کر اور بھی جوش سے دباتے ہوئے میدان سے کچھ دور نکل آئے۔ لیکن صلاح الدین نے اچانک پلٹ کر ایک ایسا سخت حملہ کیا کہ عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دوسری جانب سے اسد الدین شیر کوہ نے متواتر حملوں سے ان کا بھرکس نکال دیا۔ اور اب تمام عیسائی لشکر دونوں جانب سے مسلمانوں کے نرغے میں پھنس گیا۔ اور پریشان ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ بیشمار عیسائی اسیر ہوئے۔ اسیروں میں علاوہ نامی گرامی صلیبی بہادروں کے "ہیف" بھی تھا۔ اس جنگ میں بے شمار سامانِ حرب فتحمندوں کے ہاتھ لگا۔

شیر کوہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر طوفانِ برق و باد کی طرح گرجتا ہوا سکندریہ کی طرف بڑھا اور بلا مزاحمت شہر پر قابض ہو گیا اور صلاح الدین کو سکندریہ کے نظم و نسق پر مقرر کر کے خود لشکر لے کر عیسائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

مصری اور عیسائی افواج جن کا اصلی مرکز قاہرہ تھا سکندریہ کو چھڑانے کے لئے ایک دوسرے کے دوش بدوش سکندریہ پر حملہ آور

ہوئیں اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دو ماہ تک اتحادی سکندریہ کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن صلاح الدین جیسے صاحب تدبیر اور بہادر سپاہی کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اسعد الدین شیرکوہ کو جب سکندریہ کے محاصرہ کا علم ہوا تو وہ لشکر کے ساتھ ادھر لوٹا۔ لیکن شیرکوہ کا نام سنتے ہی صلیبی بہادر موش کو ہی کی طرح بلوں میں جا گھسے۔

آخر ایملرک نے صلح کا پیغام بھیجا اور کچھ گفت و شنید کے بعد اِن شرائط پر صلح ہو گئی :۔

اول۔ مصری پچاس ہزار دینار سالانہ سکندریہ کے عوض سلطان نورالدین زنگی کو ادا کیا کریں گے۔ ایملرک اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا۔

دوم۔ جس قدر مال غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں ہے وہ واپس نہ کیا جائے گا۔

سوم۔ شیرکوہ اسکندریہ خالی کر کے مصریوں کے حوالے کر دیگا۔

عیسائیوں اور مصریوں کے درمیان جو عہد نامہ ہوا اس کی رو سے یہ قرار پایا کہ شہر کی حفاظت کے لئے عیسائی فوج شہر پناہ پر تعینات رہا کرے اور شہر میں جو عیسائی آباد ہیں ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک عیسائی مجسٹریٹ مقرر کیا جائے۔

اِن شرائط کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے مقبوضات کو لوٹ گئے۔

شاور کی ناعاقبت اندیشی سے جو عیسائی سردار مصر میں رہ گئے تھے۔ وہ اپنی جبلی شرارتوں پر پھر اتر آئے۔ اور بیت المقدس میں شاہ ایملرک کے پاس اس غرض سے قاصد بھیجنے لگے کہ وہ مصر پر حملہ آور ہو۔ ایک

مدّت تک ایملرک ان لوگوں کو یہ کہکر ٹالتا رہا کہ مسلمانوں سے بدعہدی کرنا اچھا نہیں۔ لیکن آخر وہ ان کے فریب میں آ ہی گیا اور ایک بڑا زبردست لشکر تیار کرکے مصر کی جانب روانہ ہوا چنانچہ ۳ نومبر ۱۱۶۸ء میں بلبیس پر عیسائی قابض ہو گئے۔ اور مسلمان آبادی کو بے دریغ قتل کر ڈالا۔ اب قاہرہ کے مسلمان گھبرائے۔ اور بڑی مستعدی سے حفاظت کی تیاریاں کرنے لگے۔

اس کے علاوہ خلیفہ مصر "عاضد الدین اللہ" نے اپنا دستخطی خط دمشق میں سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیجا۔ اور لکھا کہ نصرانی روز بروز ملک مصر پر دندان حرص و آز تیز کر رہے ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو جہاں موقع پاتے ہیں بے دریغ قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور اگر آپ نے مصر کو ان لوگوں کی دستبرد سے بچا لیا تو آپ کو مملکت مصر کی کل آمدنی کا ایک ثلث بطور عوض خدمت سالانہ دیا جائیگا۔ اور آپ کا مشیر خاص "اسعد الدین شیرکوہ" مصری افواج کا اعلیٰ کمانڈر مقرر کر دیا جائیگا۔

شاور نے اس خوف سے کہ کہیں نصرانی لشکر قاہرہ کی طرف کوچ نہ کر دے مصر کا ایک مشہور شہر فسطاط جو قاہرہ کے قرب و جوار میں تھا جلا دیا۔ فسطاط کے جلنے سے پیشتر ہی شاور کے اشارے سے یہاں کے تجارت پیشہ لوگ اور سارا شہر اور آبادی کا اکثر حصہ قاہرہ آ گیا تھا۔ فسطاط جو تین صدیوں تک مصر کا دارالحکومت رہ چکا تھا۔ اور بڑا بارونق شہر تھا برابر پینتالیس روز تک جلتا رہا۔ آج تک اس عظیم الشان شہر کے کھنڈرات قاہرہ کے مشرق میں ریت میں دبے ہوئے ملتے ہیں۔

آملرک بادشاہ یروشلم بلبیس سے قاہرہ کے محاصرہ کے لئے نکلا۔ لیکن جلتے ہوئے فسطاط کے شعلوں اور دھوئیں کے سامنے اس کے لشکری زیادہ عرصہ تک نہ ٹھہر سکے۔ ادہر شاور نے نصرانیوں سے پھر نامہ و پیام کا سلسلہ جاری کر دیا۔

ادہر سلطان نور الدین زنگی دربار خلافت کے ایما کے مطابق ایک زبردست لشکر تیار کرنے لگا۔ سلطان کا ارادہ تھا کہ بہ نفس نفیس اس لشکر کی کمان کرے۔ لیکن اپنے ملک میں بدامنی کے خوف سے وہ خود تو شریک نہ ہو سکا۔ لیکن اپنی خاص فوج میں سے دو ہزار جرار سوار اور ساٹھ ہزار شور ماتر کمان اپنی باقاعدہ فوج میں سے منتخب کر کے شیر کوہ کی ماتحتی میں مصر کی طرف روانہ کر دیئے۔

اس کے علاوہ بڑے نامی گرامی سردار مثل "عز الدین جردیک" "غرس الدین قلج" "شرف الدین برغش" "عین الدین باروقی" "قطب الدین بن حسان" وغیرہ ہم کو جو دلاوری اور بہادری میں رستم و اسفندیار کی داستانوں کو زندہ کرتے تھے اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کمک کے طور پر ساتھ روانہ کیا۔ اور نوجوان شیر اسلام صلاح الدین ایوب کو اس تمام مہم کا نائب افسر مقرر کر کے ساتھ بھیجا۔ لشکر کی روانگی کے وقت سلطان نور الدین زنگی نے اپنے ہاتھ سے سپاہیوں کو بیس بیس دینار بطور انعام عطا کئے اور اسعد الدین شیر کوہ کو دو لاکھ دینار اخراجات کے لئے دیئے۔ اور اپنے درباریوں کے ہمراہ "باب دمشق" تک مجاہدین کو الوداع کہنے پیادہ چل کر آیا۔

آخر ۷ ار دسمبر ۱۱۶۸ء کو مجاہدین اسلام تیسری بار مصر کو دشمنان اسلام سے بچانے کے لئے دمشق سے نکلے۔ نصرانی تاجدار کو شیرکوہ کی جمعیت کا پتہ مل چکا تھا۔ چنانچہ وہ چیدہ چیدہ سردار ساتھ لے کر اس کا راستہ روکنے کے لئے نکلا۔ لیکن شیرکوہ جو اپنے زمانے کا ایک نہایت تجربہ کار جرنیل تھا اس جگہ سے جہاں نصرانی لشکر اس کا راستہ روکے پڑا تھا صاف بچ کر آگے نکل آیا۔ اور بلامزاحمت قاہرہ میں جا داخل ہوا۔

اہل مصر نے اپنے نجات دہندہ کا نہایت جوش و خروش سے استقبال کیا۔ جب ایملرک کو لشکر اسلام کے قاہرہ میں داخل ہونے کا علم ہوا تو وہ جھٹ ڈیرے خیمے اکھیڑ کر یروشلم کی طرف بھاگ گیا۔ اور نصرانی لشکریوں کو اتنی بھی جرأت نہ ہوئی کہ ایک بار ہی مسلمانوں کے سامنے صف بندی کر سکیں۔

خلیفہ کے دربار میں اسعد الدین شیرکوہ کی بڑی آؤبھگت ہوئی۔ شیرکوہ کی عزت افزائی دیکھ کر شاور آتش حسد سے جلنے لگا اور خفیہ خفیہ اپنے محسنوں کے استیصال کے درپے ہوا۔ لیکن اس کی سازش کی صلاح الدین اور دیگر امرائے دمشق کو وقت پر خبر مل گئی۔ چنانچہ ایک روز جب شاور امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت کو جا رہا تھا۔ صلاح الدین کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور خلیفہ عاضد الدین اللہ کے حکم سے اسے قتل کر کے اس کا سر باب خلافت کے سامنے لٹکوا دیا گیا۔ خلیفہ نے شیرکوہ کو خلعت فاخرہ عطا کیا اور "الملک المنصور امیر الجیوش" کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ اور مملکت مصر کا قلمدان وزارت اس کے حوالے کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸ جنوری ۱۱۶۹ء کا ہے۔ شیرکوہ نے اپنے لشکر کو

مصری خزانہ سے بہت کچھ دیا۔

ابھی یہ جشن ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ ۲۳ مارچ ۱۱۶۹ء کو اسعد الدین شیرکوہ "جو بہت بوڑھا ہو گیا تھا چند روز علیل رہکر عالم جاودانی کو رخصت ہوا اس کے سپاہیوں اور دوستوں کو اس کی موت کا سخت قلق ہوا۔ شیرکوہ درمیانہ قد کا تھا۔ سینہ اور پیشانی بہت کشادہ تھے۔ بڑا دلاور اور جری سپاہی تھا۔ کچھ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ گو بہت فیاض تھا لیکن طبیعت میں سخت گیری بھی تھی۔ اسعد الدین شیرکوہ کی موت نے صلاح الدین ایوب کے لئے میدان صاف کر دیا۔

الملک الناصر صلاح الدین ایوب

اور وزارتِ مصر

یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ ایک ایسا شخص جو ایک مدت سے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر ایام زندگی کاٹنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور تحصیل علم اپنا مقصد حیات بنائے بیٹھا تھا۔ جب اپنی طبیعت اور ارادے کے برعکس میدان کارزار میں کھینچ لایا گیا۔ تو اس نے شجاعت اور دلاوری کے وہ کارنامے دکھلائے کہ دُنیا عش عش کر اُٹھی۔ اور یار و اغیار دونوں کی زبان سے صدائے احسنت بلند ہونے لگی۔

مجاہدین اسلام کو یہ ناز تھا کہ یہ نوجوان فدائے اسلام فتح و نصرت کا نشان ہے۔ اور نصرانیوں کو یہ خوف دامنگیر ہو رہا تھا کہ دیکھیں یہ شیر اسلام

اب آبائی گھروں میں بھی چین سے بیٹھنے دیتا ہے یا نہیں۔

مصر کی فتح کے بعد صلاح الدین پھر ایک بار گوشہ تنہائی کا خیال کرنے لگا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس کے چچا اسعد الدین شیر کوہ کی وفات کے بعد اب فوج کی سپہ سالاری کسی تجربہ کار بوڑھے سردار کو ملے گی۔ اور وہ فوج سے علیحدہ ہو کر دمشق میں جاکر پھر تحصیل علم کی طرف متوجہ ہو سکے گا۔

لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چنانچہ شیر کوہ کی وفات کے تیسرے روز ہی خلیفہ نے وزارت مصر کا فیصلہ کرنے کے لئے مصری اور شامی اراکین سلطنت کو طلب کیا۔ ان سرداروں میں سے "عین الدولہ بارو قی" "قطب الدین نیال" "سیف الدین مشطوب" اور ایسے ہی چند ایک اور نامی گرامی امراوزارت عاضدیہ اور عساکر نوریہ کی سپہ سالاری کے دعویدار تھے۔ صلاح الدین اس مجلس مشاورت میں موجود نہ تھا۔ لیکن خلیفہ کی نگاہ انتخاب نے اسی نوجوان کو اس جلیل القدر منصب کے لئے منتخب کیا۔ اور اپنا خاص خادم بھیجکر صلاح الدین کو قصر خلافت میں طلب فرما کر "الملک الناصر" کا خطاب عطا فرمایا۔ اور خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا۔ (یہ خلعت برلن کے عجائب خانہ میں ابھی تک محفوظ ہے۔

شیر کوہ کی وفات کے تیسرے روز ۲۶ مارچ ۱۱۶۹ء کو صلاح الدین ایوبی نے مملکت مصر کی وزارت سنبھالی۔

ادھر اس کے محسن "سلطان نور الدین زنگی" نے فوجی خدمات کے عوض صلاح الدین کو جس کی عمر اس وقت صرف بتیس سال کی تھی عساکر اسلامی کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اس انتخاب سے چند ایک نامی گرامی سرداروں کی دلشکنی تو ضرور ہوئی۔ لیکن کسی قسم کی بے لطفی نہ پیدا ہو سکی جس کی سبب سے

بڑی وجہ یہ تھی کہ سپاہ دِل وجان سے اس انتخاب پر خوش تھی۔ دُوسرے خلیفہ مصر اور سُلطان دمشق اس کی پشت پر تھے۔ اس لئے کسی قسم کا فتنہ برپا نہ ہو سکا۔

اِس جلیل القدر عہدہ پر فائز ہوتے ہی صلاح الدین مُلک کے نظم ونسق کی طرف متوجہ ہُوا۔ فوج کی تنظیم شروع کر دی اور اپنے دل سے عہد کر لیا کہ وہ دُشمنانِ اسلام سے سرزمین فلسطین کو ضرور پاک کر دیگا۔

مِصر میں جمُعہ کی نماز کے وقت خلیفہ مصر اور سلطان دمشق دونوں کا نام خطبہ میں لیا جاتا تھا۔ لیکن صلاح الدین کی تمنا تھی کہ صرف سلطان نورالدین زنگی کا ہی نام خطبہ میں لیا جائے۔ یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔ اس وقت دو تاجداروں کی اس پر نگاہ تھی۔ خلیفہ مصر نے گو اسے قلمدان وزارت عطا فرمایا تھا۔ لیکن چونکہ صلاح الدین حکومت دمشق کا نمک خوار تھا۔ اس لئے اس کے احکام کی پوشیدہ طور پر نگرانی بھی کی جاتی تھی۔ ادہر تاجدار دمشق کو بھی یہ خیال تھا کہ صلاح الدین گو عساکر اسلام کا سپہ سالار ہے۔ لیکن چونکہ وہ حکومت مصر کی سلک مُلازمت میں منسلک ہے۔ اِس لئے زنگی بھی خاطر رکھتا تھا۔ دربار دمشق سے جو احکام وقتاً فوقتاً صلاح الدین کو بھیجے جاتے تھے اُن میں صلاح الدین کے نام کے ساتھ دو تین اور مُعزز سرداروں کے نام بھی تحریر ہوتے تھے۔ اس طریق سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ زنگی جب بھی چاہے صلاح الدین کو معزول کر کے کسی اور سردار کو اس کی جگہ پر مقرر کر سکتا ہے۔

صلاح الدین ان باتوں کو خوب سمجھتا تھا۔ اور نہایت ہوشیاری سے اپنے اقتدار کو فروغ دے رہا تھا۔ اس کا طریق عمل ایسا دانشمندانہ تھا

کہ نہ تو "خلیفہ عاضد الدین اللہ" اور نہ ہی سلطان "نورالدین زنگی" کو کچھ شُبہ پیدا ہو سکتا تھا۔

وزارت مصر پر فائز ہوتے ہی صلاح الدین نے دمشق سے اپنے خاندان کے تمام افراد کو اپنے پاس مصر بلوا لیا۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ جب اس کا باپ "نجم الدین ایوب" مصر پہنچا تو صلاح الدین نے نہایت اَدب سے وزارت کا عُہدہ اسے پیش کیا۔ لیکن ایوب نے یہ بارگراں اُٹھانا پسند نہ کیا۔ اور صرف وزیر مالیات کا عُہدہ قبول کر لیا۔ اور اس خدمت کو "نجم الدین ایوب" نے نہایت احسن طریق پر سرانجام دیا۔ اسی طرح اپنے دُوسرے بھائیوں سے بھی صلاح الدین کو مُلک مصر کے نظم و نسق میں بہت مفید اور قابلِ قدر امداد ملی۔

ان خدمات کے صلہ میں صلاح الدین نے اُن سرکش اُمرائے مصر کی جاگیریں جو کھلے بندوں اس کی مخالفت کرتے تھے اور مُلک میں فتنہ فساد کی آگ بھڑکانے کی تگ و دَو میں لگے رہتے تھے۔ اور اب اپنے جرائم کی پاداش میں ایسے علاقوں میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے جہاں سے ان کے شر سے وہ محفوظ رہ سکتا تھا، اپنے عزیز و اقارب کو عطا کر دیں۔

صلاح الدین افریقہ و ایشیا کے مُسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے خلیفہ کے اقتدار کو کم کرنے میں لگا ہُوا تھا۔ ساتھ ہی عوام الناس سے بڑے تلطف اور فیاضی سے پیش آتا۔ اور یہ لوگ دن بدن اس کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے۔ اب خلیفہ کی بھی آنکھ کُھل چکی تھی۔ اور اُسے اپنی خیر اسی میں نظر آتی تھی کہ کسی طرح وہ صلاح الدین کو مصر سے نکال دے۔ دربار خلافت میں بہت سے اُمرا ایک ایسے بھڑوں کے چھتہ کی طرح تھے جو

ہر وقت صلاح الدین کو کاٹ کھانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ صلاح الدین بھی ان کی جانب سے بے فکر نہ تھا۔ اس کے جاسوس ان لوگوں کی حرکات کی ہر وقت نگرانی کرتے رہتے تھے۔ ایک روز وہ دارالوزارت میں بیٹھا تھا کہ اس کے خدام خلیفہ کے غلاموں کے داروغہ "موتمن" کو پکڑ لائے۔ اس پر یہ الزام تھا کہ وہ چند ایک کور باطن مصری سرداروں کے ایماء سے نصرانیوں کے پاس اس مضمون کا خط بھیجنے کی فکر میں تھا کہ وہ (نصرانی) اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مصر پر حملہ کریں اور جب صلاح الدین ان کے مقابلہ کیلئے قاہرہ سے نکلے گا تو مصری اُمرا عقب سے اسے آدبائیں گے۔ اس طریق سے ترکمانی سپاہ دونوں جانب سے نرغہ میں پھنسکر تباہ ہو جائیگی۔ جب تحقیقات سے اس سازش کی تصدیق ہو گئی اور "موتمن" کے قبضہ سے خط بھی مل گیا تو اہل دربار حیران ہو گئے۔ صلاح الدین نے یہ خط خود پڑھ کر لوگوں کو سُنایا۔ اور اسی وقت کاتب اور قاصد کو قتل کروا دیا اور موتمن کو قصر خلافت میں نظر بند کر دیا۔ چند روز بعد موتمن مصر سے نکل بھاگنے کے ارادے سے محل سے نکلا لیکن ترکمانی سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد سوڈان کے رہنے والے سپاہی جو خلیفہ کی مُلازمت میں تھے موتمن (جوان کا ہم وطن تھا) کے خون کا انتقام لینے کیلئے بھڑک اُٹھے۔ اس وقت قاہرہ میں ان لوگوں کی کم و بیش پچاس ہزار کی جمعیت تھی۔ ان لوگوں نے قصر خلافت اور دارالوزارت کے پاس ترکمانوں پر حملہ کر دیا۔ بہت دیر تک دست بدست لڑائی ہوتی رہی اور کوچہ و

بازار میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ سوڈانی سپاہی شہر کے جس حصّے میں رہتے تھے اس کو منصورہ کہتے تھے۔ صلاح الدین نے شہر کے اس حصّہ کو آگ لگا دی۔ سوڈانی گھبرا کر گھروں کو بچانے کے لئے دوڑے۔ ترکمانوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اس جوش سے حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور سوڈانی ہراساں اور خوفزدہ ہو کر "امان" طلب کرنے لگے۔ صلاح الدین کے حکم سے ان سرکشوں کو امان دیدی گئی۔ لیکن بغاوت کے جرم کی پاداش میں وادی نیل کی جانب جلاوطن کر دیئے گئے۔

کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے پھر فتنہ برپا کر دیا۔ اس موقع پر صلاح الدین کا بڑا بھائی "الملک المعظم شمس الدولہ توران شاہ" جو بڑا صاحب تدبیر اور صالح مرد تھا (زنگی نے اسے دمشق سے صلاح الدین کے پاس صلاح ومشورہ دینے کے لئے بھیج دیا تھا اور ملک کے نظم ونسق میں صلاح الدین کو اس سے بہت مدد ملتی تھی) ایک جرار لشکر لے کر باغیوں کے سر پر جا پہونچا اور ان کو مارتا ہوا صحرائے نوبیا تک بھگا دیا۔ ان سرکش سوڈانیوں نے ۱۱۷۲ء میں پھر ایک بار علم بغاوت بلند کیا لیکن اس موقع پر صلاح الدین کے ایک دوسرے بھائی "سیف الدین عادل" نے ایک خوفناک جنگ میں ان کے سردار کو قتل کر دیا۔ سوڈانی سردار کے مارے جاتے ہی بھاگ گئے۔ لیکن انھوں نے ۱۱۷۶ء میں پھر سر اٹھایا اور "سیف الدین عادل" پھر سر کچلنے کے لئے پہونچ گیا۔ اس مرتبہ ان لوگوں کو اس قدر مار پڑی کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے سو گیا۔

بقول ابن اثیر و علامہ بہاؤ الدین، سوڈانی لشکر کی بغاوتوں سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی پشت پر امرائے مصر تھے۔

قاہرہ میں خلافت فاطمی کو جوں جوں ضعف آتا گیا اس قسم کی بغاوتیں بھی کم ہوتی چلی گئیں۔

سوڈان کی بغاوتوں سے ابھی دم لینا بھی نصیب نہ ہوا تھا کہ صلاح الدین کو ایک اور خطرہ کا تدارک کرنا پڑا۔

صلیبی بہادر مصر کے معاملات کو نہایت غور سے مطالعہ کر رہے تھے "وادی نیل" پر پرچم ہلالی کے مستحکم طور پر اڑنے سے یروشلم کی حکومت ایک مخمصہ میں پھنس گئی تھی۔ اب دونوں جانب سے اسلامی لشکر اسے گھیرے ہوئے تھا۔ اور یہ دونوں لشکر ایک ہی تاجدار اسلام کے تابع فرمان تھے۔ سکندریہ اور دمیاط (تونس اور مصر کے مابین بحر روم اور دریائے نیل کے زاویہ پر واقع تھا) کے بندرگاہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ اور سینۂ آب پر اسلامی بیڑا پرچم ہلالی اڑاتا پھرتا تھا۔ ان جہازوں کی موجودگی سے یورپ سے مشرکین مشرق کے لئے کسی قسم کی امداد کا آنا آسان نہ تھا۔ صلیبی بہادر آئے دن انہی منصوبوں میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح اس مشکل کا سدباب کریں۔ اور فلسطین کو شیران اسلام کی دستبرد سے بچائیں۔

اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے نصرانی چپکے چپکے بڑی بڑی تیاریاں کر رہے تھے۔ لیکن مجاہد اسلام صلاح الدین بھی ان کے منصوبوں سے بے فکر نہ تھا۔ مصر کے کور باطن امراء جن کو صلاح الدین کا عروج ایک آنکھ نہ بھاتا تھا نصرانیوں کو مدد دینے کا وعدہ کر چکے تھے۔

آخر ایک روز صقلیہ اور اندلس کے بادشاہ نے ایملرک شاہ یروشلم کے ساتھ مل کر دو سو بیس جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا اور

"صلیبی بہادروں" کی ایک بڑی جمعیت ساتھ لیکر دمیاط کا محاصرہ کرلیا۔
صلاح الدین نے اپنا خاص قاصد بھیج کران واقعات کی سلطان نورالدین زنگی کو اطلاع کردی۔ زنگی نے اُسی وقت ایک بہت جرار لشکر صلاح الدین کی کمک کے لئے مصر روانہ کردیا۔ اور خود مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر دمشق سے نکل کر فلسطین کے عیسائیوں پر برس پڑا۔

گو مصر کے بہت سے بڑے بڑے اُمراء دولت صلاح الدین کے برخلاف تھے۔ لیکن خلیفہ نے دُور اندیشی سے کام لیکر اپنی پوری طاقت سے صلاح الدین کی مدد کی۔

صلاح الدین نے جو مخالفین کی چالوں کو خوب سمجھتا تھا پہلے ہی دمیاط کو ہر طرح مستحکم و مضبوط کرلیا تھا۔ چنانچہ جب حملہ آور سامنے آئے تو دمیاط کی فوج نے نہایت دلاوری سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور ایملرک کے سپاہیوں کو شہر کے پاس نہ پھٹکنے دیا۔

مسٹر آرچر اپنی کتاب "کروسیڈ اور رچرڈ" کے صفحہ ۸۸ پر رقمطراز ہے۔
"نصرانی لشکر میں آگ کی بارش کرنے والی بہت سی مشینیں تھیں۔ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے ان کے نیچے پہیئے لگے ہوتے تھے۔ اور انہیں دشمن کے تیروں اور آگ سے بچانے کا بھی پورا پورا انتظام تھا۔ لیکن باوجود ان تمام سازوسامان کے مجاہدین کے سامنے عیسائیوں کی کچھ پیش نہ گئی جس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ لاطینی بیڑا وقت پر نہ پہونچ سکا۔"

یہ تو اس واقع کے متعلق ایک نصرانی مورخ کا بیان ہے۔ اسلامی مؤرخ لکھتا ہے کہ یروشلم کا بادشاہ ایملرک شہر پر آگ کی بارش کرنے کے واسطے

جو آتشیں مشینیں ساتھ لایا تھا۔ ان میں سے بعض سات سات منزل بلند تھیں۔ چند روز بعد شیر اسلام صلاح الدین خود ایک لشکر ساتھ لیکر محصورین کی کمک کو آ پہونچا۔ "صلاح الدین" کا نام سُنتے ہی نصرانیوں کے جی چھوٹ گئے۔ اب ان کے خورد و نوش اور سامان حرب کے ذخائر بھی کم ہونے لگے تھے۔ اور فوج میں وبا بھی پھوٹ پڑی۔ ساتھ ہی مجاہدین اسلام کے بے پناہ حملوں نے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ آخر پچاس روز کے محاصرے کے بعد ایملرک نے صُلح کے واسطے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ اسی اثنا میں ایک خوفناک طوفان برق و باد نے نصرانی بیڑے کو تباہ کر دیا۔ ساحل پر نصرانیوں کے مُردوں کے انبار لگ گئے۔ صلاح الدین نے عالی ظرفی کو کام فرماتے ہوئے کمزور اور ناتواں دُشمن سے صلح کر لی۔ صلح کے بعد عالی ظرف اور فیاض مُسلمانوں نے فاقہ کش اور تھکے ہارے عیسائیوں کی ہر طرح خاطر و مدارات کی۔ سکندریہ کے بازاروں میں دشمنانِ اسلام بھیڑوں کے گلّے کی طرح پھرتے تھے۔ اور مسلمان ان کو کھانا کھلاتے اور ضروری امداد دیتے۔

یہ صُلح صرف ایک سال کے لئے تھی۔ عیسائی گھروں میں پہونچتے ہی پھر جنگ و جدل اور داغ ندامت کو دھونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

اس وقت مجاہد اسلام صلاح الدین خود محض "اعلاء کلمۃ اللہ" کے لئے ایک جرار لشکر لے کر مصر سے نکلا۔ اسی سال مُلک شام میں ایک خوفناک بھونچال آیا جس سے سینکڑوں بستیاں اور کئی عظیم الشان شہر برباد ہو گئے۔ مُسلمانوں کے لئے یہ شگون نیک تھا۔ صلاح الدین کوچ کرتا ہوا سب سے پہلے شام کے ایک مشہور شہر عسقلان پر جو نصرانیوں کے زیر نگیں تھا

حملہ آور ہُوا۔ اس معرکہ میں آیملرک بڑے ٹھاٹھ سے صلیبی بہادروں کو ساتھ لے کر میدان میں آیا۔ اس وقت اس کے ساتھ دوسو پچاس تو وہ بڑے نامی گرامی صلیبی بہادر تھے جن کو "نائٹ ٹمپلر" (ایک فرقہ کا نام) کہتے تھے۔ ان دوسو پچاس بہادروں کے ذاتی سپاہیوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ نصرانی لشکر اس کے علاوہ تھا۔

مجاہدین اسلام اور صلیبی بہادروں نے جو مدت سے بھرے بیٹھے تھے تلوار کے خوب جوہر دکھلائے۔ "نائٹ ٹمپلروں" نے اپنی روایتی بہادری کو سچ کر دکھایا اور کئی بار مسلمانوں کا مُنہ پھیر پھیر دیا۔ جنگ نہایت خوفناک طور پر ہو رہی تھی کہ لیلائے شب نے اپنی سیاہ نقاب دونوں لشکروں پر ڈال دی۔ صلاح الدین نے شب کی تاریکی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ وہ چپکے سے اپنا لشکر لے کر عسقلان کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ لیکن کسی مصلحت سے شہر پر حملہ نہ کیا۔ اور نصرانی لشکر کے قرب و جوار سے گذر کر مصر کی طرف واپس چلا گیا۔

"صلاح الدین" کی واپسی کو نصرانیوں نے اپنی شاندار فتح سے تعبیر کیا۔ قاہرہ واپس پہونچکر صلاح الدین نے جہاز بنوانے شروع کئے۔ جہازوں کے مختلف ٹکڑے اونٹوں پر لادلاد کر بحیرہ قلزم کے ساحل پر پہونچائے جاتے اور یہاں ان کو جوڑ کر سمندر میں ڈالا جاتا۔ جب یہ اسلامی بیڑا اس قدر محنت اور زر کثیر سے بنکر تیار ہو گیا تو صلاح الدین شہر آیلہ پر جو بحیرہ قلزم پر واقع ہے حملہ آور ہُوا۔ اور خشکی اور تری دونوں جانب سے آیلہ کو جو ایک مدت سے عیسائیوں کا چھتہ بنا ہُوا تھا محاصرہ کر لیا۔ آیلہ کے مشرکین نے جلد ہمت ہار دی اور ہتھیار ڈالدیئے۔ صلاح الدین نے شہر پر

قبضہ کرکے اہل شہر کو امان دی۔ اور پھر مصر کی طرف واپس چلا گیا۔

صلاح الدین کے ایک پکا شافعی المذہب ہونے کے باوجود بھی شیعانِ مصر اس کا جوشِ اسلامی دیکھ کر بہت قدرو منزلت کرنے لگے۔ اور مجاہدین اسلام تو اس کے اشارے پر مرنے مارنے کو آمادہ ہو جاتے۔ یہ وہ وقت تھا کہ اگر اس وقت یہ شیرِ اسلام چاہتا تو کھُلے بندوں خلیفہ مصر اور سلطان دمشق سے باغی ہو بیٹھتا۔ لیکن وہ تو صرف خدمت اسلام کا سودا رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی صورت بھی مسلمانوں کو متحد کردے۔

"موتمن" کے قتل کے بعد قصر خلافت کی حفاظت کا تمام انتظام صلاح الدین نے اپنے ایک جاں نثار "بہاؤالدین قراقوش اسدی" کے سپرد کردیا۔ بہاؤالدین قراقوش پہلے شیرکوہ کا ملازم تھا اس کی موت کے بعد وہ صلاح الدین کا حلقہ بگوش ہو گیا اور اپنی خدمات کے صلہ میں کئی بار اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوا۔

فتح ایلہ کے بعد صلاح الدین نے "دار المعونۃ" کو جو دراصل زنداں تھا مسمار کرواکر اس کی جگہ ایک مدرسہ تعمیر کروا دیا اور اہل التشیع کے معلموں کو برطرف کرکے شافعی المذہب معلم مقرر کردیئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ تمام بلاد مصر میں "قضاۃ شافعیہ" مقرر کردیئے گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد جمعہ کی نماز کے قبل قاہرہ میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

یہ عظیم الشان سیاسی تغیرات دیکھ کر شیعانِ مصر حیران ہو گئے۔ لیکن اب اتنی جرأت بھی نہ تھی کہ صدائے احتجاج بلند کرسکیں۔

اس بے نظیر خدمت کے صلہ میں خلیفہ بغداد نے "سلطان نورالدین زنگی" اور "صلاح الدین" کو خلعت اور بیش قیمت تحائف عطا کئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خلافت فاطمی کا آخری خلیفہ ان خیالات سے بالکل بے خبر بستر مرگ پر پڑا تھا۔ چند روز کے بعد جب وہ لقاب خاک میں رُوپوش ہوُا تو اب مُلک مصر کی زمام حکومت صرف الملک الناصر صلاح الدین ایوب کے ہاتھ میں تھی۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ سرکشی یا بغاوت کر سکے۔

مصر پر خلفاء فاطمی تین صدیوں تک حکمران رہے۔ اس وقت بھی خلیفہ کے بیٹے تخت خلافت کے حق دار تو تھے۔ لیکن ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ صلاح الدین کی موجودگی میں دعویدار ہوسکیں۔ خلیفہ کی موت کے بعد صلاح الدین نے اس کی اولاد کے ساتھ ان کے مرتبہ کے مطابق نہایت شریفانہ اور فیاضانہ برتاؤ کیا۔ کہنے کو تو وہ اب بھی صرف ممالک محروسہ مصر کا وزیر تھا۔ لیکن در اصل سلطان بھی وہی تھا۔

مصر

خلافت مصر کا آخری چراغ گُل ہو جانے کے بعد ممکن تھا کہ صلاح الدین اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتا۔ لیکن نجم الدین ایوب کے نیک مشورے سے وہ اس قسم کی کارروائی سے باز رہا۔ خلیفہ کی موت کے بعد بھی وہ اپنے اُسی مکان میں مقیم رہا جہاں وہ پہلے رہا کرتا تھا۔

ہاشمی خلفاء کا محل جو قاہرہ میں دریائے نیل کی جانب بنا ہوُا تھا۔ ایک خاصہ خوبصورت سا شہر تھا۔ عیسائی مؤرخوں کا بیان ہے کہ اس وقت قصر خلافت کی عمارتوں میں سولہ اور بیس ہزار کے درمیان لوگ آباد

قصرِ خلافت ہر لقطۂ نگاہ سے اعجوبۂ روزگار تھا۔ مشہور عیسائی مؤرخ "ولیم آف ٹائر" جو اس وقت زندہ تھا اُس نے محل کے عجائبات بڑی تفصیل سے سپردِ قلم کئے ہیں۔ اسی طرح اس زمانے کے مسلمان مؤرخوں نے بھی بہت مفصل طور پر قصرِ خلافت کے متعلق لکھا ہے۔ اس محل کا میدان اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں دس ہزار سپاہی ایک وقت قواعد کر سکتے تھے۔

محل میں چار ہزار کمرے تھے۔ ان کمروں کے در و دیوار سُنہری اور روپہلی کام سے مزین تھے۔ ان سب کے دروازے ایک عظیم الشان وسیع کمرے کی جانب تھے۔ ہر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے مرواریداور رنگ برنگ کے قیمتی پتھروں کے پردے آویزاں تھے۔ اس عظیم الشان کمرے کے ستون سونے اور چاندی کے بنائے گئے تھے۔ سقف پر جواہرات کی مینا کاری دیکھ کر عقل حیران ہوتی تھی۔ اسی کمرے میں خلفاء دربار کرتے تھے۔ تختِ خلافت میں اس قدر جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ نگاہ نہ ٹکتی تھی۔ جواہرات اور سونا چاندی بے قیاس خزانوں میں بھرا پڑا تھا۔

خلیفہ کی موت کے بعد جب "نورالدین زنگی" سُلطان دمشق کے نام پر صلاح الدین نے اس محل پر قبضہ کیا تو زر و جواہرات کے خزانے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ایک لعل کا وزن بقول ابن اثیر دو ہزار چار سو ماشہ تھا۔ زر و جواہرات کے علاوہ سونے کے بے شمار ظروف تھے اور ان کے باہر موتی یاقوت اور ایسے ہی دیگر بیش قیمت پتھر جڑے ہوئے تھے۔ ان تمام جواہرات اور بیش قیمت اشیاء کے علاوہ خاندان ہاشمی کا کتب خانہ بھی تھا۔ اُس کتب خانہ میں صرف نایاب کتابوں کے ایک لاکھ بیس ہزار نسخے موجود تھے۔

اور درحقیقت یہ خزانہ زر و جواہر سے بھی زیادہ بیش قیمت تھا۔
صلاح الدین نے بڑے بڑے نایاب جواہرات اور دیگر نادر اشیا بطور تحفہ اپنے آقائے نعمت کے پاس دمشق بھیجیں اور مجاہدین اسلام کو اتنا کچھ دیا کہ سب نہال ہو گئے۔ باقی جواہرات فروخت کر کے مہمات کے واسطے روپیہ مہیا کیا گیا۔ لیکن کیا نصرانی اور کیا مسلم مؤرخ سب کے سب اِس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس کریم النفس اور صالح مردِ غازی نے اپنی ذات کے لئے کچھ نہ رکھا اور وہی سادگی جس کا وہ بچپن سے خوگر تھا وزارت ملنے اور پھر اس قدر زر و جواہرات پر قبضہ ہو جانے کے بعد بھی ویسی کی ویسی ہی رہی۔ صلاح الدین خود تو دارالوزارت ہی میں مقیم تھا لیکن محل میں اس نے افسران فوج کو آباد کر دیا اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی رہنے کے لئے جگہ دی۔
جس طرح دولت غرناطہ کے زوال پر "ابن بدرون" خون کے آنسو رویا۔ دہلی کی تباہی پر داغ دہلوی نے آنسو بہائے۔ اور سسلی کا مرثیہ لکھ کر علامہ اقبال نے مسلمانوں کو رُلایا ہے۔ اسی طرح خلافت مصر کے انجام اور محل کی تباہی پر "عمارہ بن الحسن یمینی" نے جو اپنے وقت کا ایک بہت بڑا شاعر تھا دردناک نظمیں لکھ کر مصریوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی۔ مسٹر "لین پول" نے اپنی کتاب "صلاح الدین" میں خصوصیت سے "عمارہ یمینی" کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے حوالے سے خلافت کے انجام کی تفصیل لکھی ہے۔ لیکن انہیں غالباً یہ معلوم نہیں کہ یہی عمارہ "صلاح الدین" کا بہت بڑا مخالف تھا اور ہمیشہ نصرانیوں کے ساتھ ساز باز اور دیگر اُمرائے مصر کے ساتھ مل کر ملک میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل رکھتا تھا۔

اِس لئے قصرِ خلافت کی تباہی یا خلافت ہاشمی کے انجام پر اس کی نظمیں خواہ وہ کتنی ہی دردناک کیوں نہ ہوں انہیں تاریخی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

خلیفہ کی موت کے بعد ہی مصر میں "سلطان دمشق" کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جانے لگا۔ اور سکہ پر بھی نورالدین زنگی کا نام ضرب کروادیا۔ باوجود اِس قدر اظہارِ عقیدت کے صلاح الدین یہ خوب سمجھتا تھا کہ اب اس کا آقا اسے اپنا حریف سمجھتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی اس کے استیصال کے درپے بھی ہو۔ اس لئے دُور اندیشی کے طور پر اُس نے قاہرہ کی شہر پناہ کو بہت مضبوط کروادیا اور ساتھ ہی فوج کی تنظیم کی طرف متوجہ ہوگیا۔ روک تھام کے ان انتظامات کے متعلق لوگوں کو صرف یہی یقین تھا کہ یہ سب بندوبست نصرانیوں کی مدافعت کے لئے کئے جاتے ہیں لیکن دمشق میں جو صلاح الدین کے مخالف اور حاسد موجود تھے وہ بہت مرچ مصالحہ لگا کر "سلطان نورالدین زنگی" کو یہ خبریں پہونچاتے۔ لیکن نورالدین زنگی اتنا جلد باز نہ تھا کہ وہ کھلم کھلا صلاح الدین پر فوجکشی کردیتا ۵۶۸ھ میں سلطان نے صلاح الدین کو شہر "کرک" پر حملہ کرنے کا حکم بھیجا۔ کرک بحیرہ قلزم کے مشرق کی جانب واقع تھا اور ایک مُدت سے شام کے مُسلمان حکمرانوں کی آنکھ میں کھٹکتا تھا۔ کیونکہ شام کو آنے کا راستہ یہی تھا اور یہاں کے نصرانی تاجدار مُسلمانوں کو بہت تنگ کرتے تھے "کرک" بالکل کوہستانی مُلک تھا۔ اور قدرتی طور پر ہر طرف سے مستحکم اور مضبوط تھا۔ سلطان کا فرمان پہونچتے ہی صلاح الدین مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر قاہرہ سے نکلا اور

"کرک" کے قرب و جوار میں آفت بپا کردی۔ صلیبی بہادر ہر طرف سے سمٹ کر "کرک" کی حفاظت کے لئے پہونچ گئے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے صلاح الدین کا مقابلہ دُشوار ثابت ہوا جو اس سے پہلے بھی کئی بار اس سے زک اٹھا چکے تھے۔

"کرک" چونکہ اطراف شام میں تھا اور دمشق کی سرحد سے چنداں دُور بھی نہ تھا۔ اس لئے نورالدین زنگی خود ایک لشکر جرار کے ساتھ "کرک" کی جانب بڑھا۔ "صلاح الدین" سلطان کی چالوں کو خوب سمجھتا تھا چنانچہ جب اسے شامی افواج کی روانگی کا علم ہوا تو وہ اپنے باپ نجم الدین ایوب کی خطرناک بیماری کا بہانہ کرکے قاہرہ کی طرف لوٹ گیا۔ "نورالدین زنگی" صلاح الدین کے اس طرح چلے جانے پر ناخوش نہ ہوا۔ بلکہ خود بھی دمشق کی جانب واپس چلا گیا۔ ممکن ہے کہ سلطان کی یہ چال صرف مصر پر حملہ کرنے کی نیت سے ہو۔ لیکن صلاح الدین جو چال چلا اس سے سلطان کو مصر پر حملہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ صلاح الدین کے قاہرہ پہونچنے سے پیشتر ہی اس کا باپ نجم الدین ایوب جو اپنے زمانے کا ایک بہت بڑا مدبر تھا گھوڑے سے گر کر راہی ملک عدم ہوا۔

سلطان کو جب ایوب کی وفات کا علم ہوا تو اس نے اپنے ہاتھ سے صلاح الدین کو ہمدردی کا ایک خط لکھا اور تمام خاندان سے اظہار ہمدردی کرکے ہر طرح کی تسلی اور تشفی کی۔

"نجم الدین ایوب" کی موت کے بعد صلاح الدین بڑی مستعدی سے قاہرہ کی قلعہ بندی کرنے لگا۔

مسٹر لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین کو سلطان نورالدین زنگی کا

اس قدر خوف تھا کہ ایک طرف تو وہ قاہرہ کی دیواروں کو مضبوط کرتا تھا اور دُوسری طرف سوڈان کی جانب بھاگ جانے کے اِنتظامات مکمل کرتا رہتا تھا اور پھر مزید دُور اندیشی سے عرب میں پناہ لینے کیلئے اس نے اپنے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کو ایک لشکر کے ساتھ ادہر روانہ کر دیا۔ جہاں اس نے بزورِ شمشیر بہت سے علاقوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ لیکن واقعات کچھ ایسے رو پذیر ہوئے کہ صلاح الدین کو کبھی اس قسم کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ایک طرف تو صلاح الدین نورالدین زنگی کی چالوں کا توڑ سوچ رہا تھا۔ دُوسری جانب مصر کے فتنہ پرداز چپکے چپکے فساد برپا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ "عمارہ بن الحسن شاعر یمنی"۔ "عبدالصمد کاتب" اور چند ایک قاضی جن کو صلاح الدین نے برطرف کر دیا تھا سازش کنندوں کے سردار تھے۔ ان بدکرداروں نے چپکے چپکے سسلی کے نصرانی تاجدار اور یروشلم کے بادشاہ املرک کو بھی ساتھ ملا لیا۔ اور یہ تجویز قرار پائی کہ عیسائی خشکی اور تری دونوں جانب سے مصر پر حملہ کریں اور جب صلاح الدین قاہرہ سے اپنی جمعیت لے کر ان کی روک تھام کو نکلے گا تو یہ لوگ مصر میں بغاوت کروا دیں اور وہ باغی لوگ عساکرِ اسلام پر پیچھے کی طرف سے حملہ کریں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ صلاح الدین کو اس سازش کا بروقت علم ہو گیا۔ چنانچہ ۶ اپریل ۱۱۷۴ء کو سب سازشی گرفتار کر لئے گئے اور جب جرم ثابت ہو گیا تو سرغنوں کو سُولی پر لٹکا دیا

گیا اور مصری اُمرا جو اس سازش میں شریک تھے مُلک سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ ادھر شام کے نصرانیوں کو اس راز کے طشت از بام ہو کر سازشیوں کی گت بننے کا جب علم ہُوا تو وہ لوگ مصر کی طرف پیشقدمی کرنے کی جرأت نہ کر سکے لیکن سسلی (صقلیہ) کے عیسائی جن کو ان واقعات کا دیر سے علم ہُوا۔ اپنی بحری طاقت کے گھمنڈ پر مصر کی جانب بڑھے اور سسلی کا تاجدار چھ سو جہازوں کا بیڑا اور تیس ہزار عیسائیوں کی جمعیت کے ساتھ سکندریہ پر حملہ آور ہُوا۔

مسٹر لین پول اپنی کتاب "صلاح الدین" میں اس حملے کے متعلق بیان کرتا ہے کہ سکندریہ والوں کو عیسائی فوج کی آمد کا کچھ علم نہ تھا نصرانی اچانک ان پر آپڑے اور بڑے جوش سے شہر پناہ پر حملہ آور ہوئے۔ لڑائی تمام دن اور رات بھر ایک تل پر ہوتی رہی۔ لیکن مسلمانوں نے عیسائیوں کو شہر پناہ کے پاس بھی نہ پھٹکنے دیا۔

اگلے روز سسلی والے اپنی جنگی مشینیں آگے بڑھا لائے۔ لیکن اس عرصہ میں قرب وجوار سے کچھ محافظ سکندریہ والوں کی مدد کو آپہونچے۔ آج بھی عیسائیوں نے بڑی شدّت سے حملہ کیا لیکن آج بھی ناکام رہے۔ تیسرے روز سکندریہ کی محافظ فوج نے شہر سے نکل کر افواج صقلیہ پر حملہ کیا اور ان سے جنگی مشینیں جن پر ان کو زیادہ ناز تھا چھین کر جلا ڈالیں۔ اس روز کی جنگ میں بیشمار عیسائی مارے گئے اور مسلمانوں کے خوف سے اپنے زخمی بھی میدان ہی میں چھوڑ کر سمندر کی جانب بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دشت وجبل گونج اُٹھے۔

مسلمان واپس آئے ہی تھے کہ شہر میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ
صلاح الدین مجاہدین کا لشکر جرار ساتھ لے کر سکندریہ کی حفاظت
کے لئے آرہا ہے۔ یہ خبر لانے والا صلاح الدین کا سردار تھا اہل سکندریہ
اس خبر سے اس قدر خوش ہوئے کہ عصر کی نماز کے بعد شہر سے پھر ایکبار
نکل کر نصرانیوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے نصرانی گھبرا گئے
اور جہازوں میں پناہ لینے کے لئے بے تحاشہ سمندر کی طرف بھاگنے لگے۔
مسلمانوں نے تعاقب کر کے سینکڑوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ بہت سے
صلیبی سورما جو بڑے کروفر سے صلیبی جھنڈے کندھوں پر اٹھائے
پھرتے تھے حواس باختہ ہو کر سمندر میں ڈوب مرے تاجدار صقلیہ کو
جب شیر اسلام صلاح الدین کی آمد آمد کا پتہ لگا تو وہ فوراً لنگر
اٹھا کر جدھر سے آیا تھا ادھر بھاگ گیا۔ اور اتنا انتظار بھی نہ کیا کہ
پریشان حال لشکریوں کو جو جان کے خوف کے مارے بھاگے بھاگے پھرتے
تھے سوار کرا کے لے جاتے۔

آفتاب عالمتاب کی رخصت کے ساتھ ہی نصرانی بیڑا بھی شب کی
تاریکی میں غائب ہو گیا۔ بے شمار قیدی اور بہت سا مال غنیمت
مسلمانوں کو ملا۔ فتحمند فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے اور نعرۂ تکبیر بلند
کرتے ہوئے شہر میں واپس آئے۔

اب ایک مدت کے لئے مسلمان نصرانیوں کی شرارتوں اور یورشوں سے
مطمئن ہو گئے صلیب پرستوں کا ستارہ نحوست میں تھا۔ اور شیر اسلام
درخشاں اور منور تھا۔ مصر کی چار کونٹ میں الملک الناصر صلاح الدین

ایوب کا ڈنکا بج رہا تھا۔
قضیہ سکندریہ کے چند روز بعد ہی اچانک قاہرہ میں سلطان نورالدین زنگی والئ دمشق کے انتقال کی خبر وحشت اثر صلاح الدین کو ملی۔

الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف

"سلطان نورالدین زنگی" کے انتقال کے ساتھ ہی تمام ملک کا سیاسی مطلع تبدیل ہوگیا۔ اس وقت صلاح الدین تمام امرائے دولت میں سے زبردست اور طاقتور تسلیم کیا جانے لگا۔
"نورالدین زنگی" کے بعد اس کا بیٹا الملک الصالح اسمٰعیل دس گیارہ برس کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن اس کے باپ کے تمام صوبیدار اور گورنر اپنے اپنے علاقوں میں خودمختار بن بیٹھے۔ اور اس طرح ایک زبردست سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہوتا نظر آنے لگا۔
سلطان نورالدین زنگی کی وفات کے تین ماہ بعد بہادر امیلرک تاجدار یروشلم نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا "بالڈون" چہارم تخت پر بیٹھا۔ بالڈون کی عمر اس وقت تیرہ سال کی تھی اور وہ جذام کے عارضہ میں مبتلا تھا۔ اس لئے کونٹ ریمانڈ والئ طرابلس نائب السلطنت کے طور پر ملک کا انتظام کرنے لگا۔
اس وقت اگر کوئی اور طامع سردار صلاح الدین کی طرح طاقتور ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ نابالغ تاجداروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانیکی کوشش کرتا۔ لیکن صلاح الدین کی ہمت اور غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ بلا وجہ وہ

مصر سے نکل کر دمشق پر چڑھ دوڑے۔

لیکن قلیل عرصہ ہی میں معاملات نے ایک ایسی ٹیڑھی صورت اختیار کر لی کہ صلاح الدین کو شامی سیاسیات میں دخل دینا ہی پڑا۔

خود غرض اُمرائے دمشق نے نابالغ بادشاہ کی بے دست و پائی دیکھ کر سلطنت کے حصے بخرے کر ڈالے۔ اور ان کی دیکھا دیکھی عیسائی بھی اسلامی مقبوضات پر ہاتھ بڑھانے لگے۔

ولایت موصل کے اتابک (گورنر) نے جو الملک الصالح اسمٰعیل کا ایک قریبی رشتہ دار تھا اویسہ اور چند ایک اور شامی مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ ولایت حلب کا اتابک نابالغ بادشاہ کے مشیروں اور صلاح کاروں کا سخت مخالف تھا۔ اس بغض و عناد کی وجہ سے اور بہت سے صوبے مطلق العنان ہو گئے۔ اور اب وہ وقت تھا کہ شام کی اسلامی سلطنت عجب کس مپرسی کی حالت میں تھی۔

خیر تو یہ گذری کہ یروشلم کے نصرانی اپنے بکھیڑوں میں اُلجھے ہوئے تھے ورنہ وہ بھی اسلامی مقبوضات پر ضرور ہاتھ صاف کرنے لگتے۔

صلاح الدین نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھتا چلا جاتا ہے تو اُس نے اپنا ایک خاص سفیر دمشق بھیجا۔ اور ساتھ ہی مصر میں الملک الصالح اسمٰعیل کے نام کا مساجد میں خطبہ پڑھوایا اور سکہ پر اس کا نام بھی ضرب کروادیا۔ (یہ سکے لندن کے عجائب گھر میں موجود ہیں)

سفیر نے دمشق پہونچکر نابالغ بادشاہ کو صلاح الدین کی طرف سے وفاداری کا پیغام دیا اور یقین دلایا کہ وہ اپنے محسن کے بیٹے کے نام پر مصر پر حکومت کر رہا ہے۔ اور اس کی تابعداری اپنے لئے باعث صد فخر

واعزاز سمجھتا ہے۔ اس کے علاوہ صلاح الدین نے اُن اُمرائے دمشق کے نام جو خود سری پر آمادہ تھے اور اپنے آپ کو مطلق العنان سمجھتے تھے سخت تہدیدی خطوط لکھے۔ اور صاف صاف کہدیا کہ اگر وہ مخالفت سے باز نہ آئیں گے تو پھر مجبوراً معاملات کو سُلجھانے کے لئے اُسے خود متوجہ ہونا پڑے گا۔

ان خطوط کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان غیر مآل اندیش سرداروں نے بہت سا روپیہ اور طرح طرح کے لالچ دیکر نصرانیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ تاکہ سب مل کر صلاح الدین کی روک تھام کی کوشش کریں۔ ادہر دربار دمشق کا یہ حال تھا کہ ایک جانب سے تو اسے موصل کے اتابک (جو اب بادشاہ بن گیا تھا) "سیف الدین غازی" کا کھٹکا لگا ہوُا تھا۔ اور دُوسری جانب صلاح الدین یوسف کا خوف تھا۔

اسی اثنا میں سعدالدین کمشتگین جو حلب کا اتابک تھا۔ لیکن وزیر حلب کے لقب سے پکارا جاتا تھا حکمت عملی سے نابالغ سلطان کو دمشق سے حلب لے آیا۔ اس وقت اس کے پاس ایک بہت جرار لشکر موجود تھا۔ بادشاہ کو اپنی حفاظت میں لیکر وہ دمشق پر یورش کرنیکی تیاریاں کرنے لگا۔ اُمرائے دمشق نے سیف الدین غازی بادشاہ موصل سے مدد مانگی۔ مگر اُس نے ٹکاسا جواب دیدیا۔ آب ان لوگوں نے مجبوراً صلاح الدین کے پاس قاہرہ میں اپنے قاصد بھیجے۔ اور ہرطرح کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔

صلاح الدین نے اِس موقع کو غنیمت جانا چنانچہ ملک مصر کی باگ ڈور اس نے اپنے بھائیوں کے سپرد کی اور خود سات سو جانباز سواروں کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔

قاہرہ سے جو راستہ دمشق کو آتا تھا اُس پر نصرانی قابض تھے۔ اور احتمال تھا کہ یہ لوگ ضرور صلاح الدین کا راستہ روکیں گے لیکن جب ان کو شیر اسلام کے آنے کی خبر پہونچی تو یہ خوفزدہ ہو کر گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ اور صلاح الدین یلغار کرتا ہوا ماہ ربیع الثانی ۵۷۰ھ یوم شنبہ دمشق میں داخل ہوا۔ اور اپنے آبائی گھر میں سکونت اختیار کی۔

دوسرے روز دمشق کا قاضی "کمال الدین ابن شہرزوری" جو نابالغ سلطان کا مدار المہام تھا۔ "جمال الدین ریحان" کو جو شہر دمشق کا گورنر تھا ساتھ لے کر صلاح الدین کے پاس آیا اور شاہی محل کی چابیاں پیش کیں صلاح الدین نے محل پر قبضہ کر کے نابالغ سلطان کے نام سے مجاہدین اسلام اور افسران فوج کو بہت کچھ انعام دیا اور دمشق کی مساجد میں سلطان اسمٰعیل کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

چند روز کے قیام کے بعد صلاح الدین نے اپنے بھائی "سیف اسلام طغتگین ابن ایوب" کو جس میں مُلک داری کی قابلیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ دمشق کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور خود ان امرائے دمشق کی سرکوبی کے لئے جو سلطان نور الدین زنگی کے بعد خود مختار بن بیٹھے تھے لشکر لیکر نکلا۔

دمشق سے چل کر وہ سیدھا شہر حمص پر جو دمشق اور حلب کے درمیان ایک مشہور شہر اور مضبوط قلعہ ہے پہونچا۔ حاکم شہر نے مدافعت کی تیاری کر لی اور شہر کے دروازے بند کر دیئے۔ لیکن صلاح الدین نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ شہر پر اپنے آقا "نعمت الملک الصالح" کے نام پر قبضہ کرنا چاہتا ہے مُلک گیری یا لوٹ مار کے لئے نہیں آیا۔ اہل شہر اس سے مطمئن ہو گئے اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔

حمص کے بعد صلاح الدین شہر حماۃ کی طرف بڑھا۔ حماۃ ایک بہت قدیمی آبادی تھی۔ قوم اسرائیل کی آسمانی کتب میں بھی اس شہر کا تذکرہ موجود ہے۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک بہت مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اور ان ایام میں سلطنت نوریہ کی جانب سے "عزالدین جرویک" ایک سردار حکمران تھا۔ لیکن عزالدین نے بلا شرط صلاح الدین کی اطاعت کر لی اور شہر اس کے حوالے کر دیا۔ صلاح الدین نے اہل شہر کو امان دی اور یہاں سے فارغ ہو کر حلب کی طرف متوجہ ہوا۔ حلب ایک بہت قدیمی شہر ہے۔ حلب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیلؑ اس مقام پر اپنی بھیڑوں بکریوں اور اونٹنیوں کا دُودھ دوہ کر جمعہ کے روز صدقہ کیا کرتے تھے۔ اور زبان عربی میں حلب کے لفظی معنے بھی دُودھ دوہنا ہے۔ حلب کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور شہر کی حفاظت کے لئے ایک جرار لشکر بھی موجود تھا۔ والئے حلب نے صلاح الدین کی آمد آمد کی خبر پا کر شہر کے دروازے بند کروا دیئے تھے اور چوکی پہرے مقرر کر دیئے۔ ۳۰ دسمبر کے روز عساکر اسلام نے صلاح الدین کی ماتحتی میں حلب کا محاصرہ کر لیا۔

"ملک الصالح اسمٰعیل" نے اپنے مشیروں اور صلاح کاروں کے سکھلانے سے ایک روز مجمع عام میں تقریر کی۔ اور لوگوں کو اپنے باپ کے احسانات جتا جتا کر صلاح الدین کے خلاف اکسایا۔ اس کی تقریر کے آخری الفاظ یہ تھے:۔

"تم لوگوں کو میرے باپ کے احسانات خوب یاد ہیں۔ اور تمہیں اُس کی خوبیاں اور فیاضیاں بھی خوب معلوم ہیں۔ لوگو میں

سلطان نورالدین زنگی عرش آشیان کا یتیم بیٹا ہوں۔ یہ ظالم (صلاح الدین) اپنے محسن کے احسانات کو بالائے طاق رکھ کر میرے تخت و تاج پر قبضہ کرنے آیا ہے۔ افسوس کہ اس کو نہ خدا کا خوف ہے اور نہ لوگوں کا ڈر"

کمسن بادشاہ کی تقریر سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور صلاح الدین کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ دونوں طرف سے ترکی بہ ترکی جواب ملنے لگا۔ لیکن صلاح الدین جیسے سرفروشِ اسلام سے عہدہ برآ ہونا آسان نہ تھا۔ اہل حلب پر جب عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا تو سعدالدین کمشتگین" وزیر حلب ایک بہت پاجیانہ چال چلا۔

ملک شام کا مشہور فرقہ "اسماعیلیہ" کا سردار اس وقت شیخ سنان تھا جو حسن بن صباح کا گدی نشین تصور ہوتا تھا۔ ایک مدت سے یہ فرقہ حکمرانوں اور اُمرا کے لئے بہت خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ ملک شام میں چند ایک مضبوط قلعے اور مستحکم مقامات بھی ان لوگوں کے قبضے میں تھے۔ یہ لوگ قتل و غارت کے کام نہایت ہوشیاری اور پرلے درجے کی جرأت سے کرتے تھے۔ حقیقت میں یہ ایک خفیہ انقلابی سوسائٹی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ملک میں جمہوریت قائم کی جائے۔ یہ لوگ اپنے مُرشد کے اشارے پر جسے وہ چاہتا فوراً قتل کر دیتے۔ تمام ملک میں اس خُفیہ انجمن کے اراکین پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کا پتہ نشان لگانا بہت دُشوار تھا۔ یہ لوگ اس قدر خطرناک ہو گئے تھے کہ کسی کی بھی جان محفوظ نہ تھی عام طور پر ان کو اسماعیلی یا باطنی کہا جاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین کے شام پر یورش کرنے کے ایام میں یہ گروہ بہت خطرناک صورت اختیار

کر چکا تھا۔ سلطان نورالدین زنگی" نے بھی ایک بار ان لوگوں کے استیصال کی کوشش کی تھی۔ لیکن ایک روز جب وہ صبح بیدار ہوا تو اس کے تکیہ کے ساتھ ایک خنجر لٹک رہا تھا۔ اور ساتھ ہی ایک مختصر خط بھی بندھا تھا خط کا مضمون یہ تھا کہ سلطان اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو فرقہ اسمٰعیلیہ کو نقصان پہونچانے کے خیال سے باز آجائے۔

وزیر حلب نے شیخ سنان کو بہت سا زرومال دیکر صلاح الدین کے قتل کی ترغیب دی۔ اور شیخ سنان نے چند فدائیوں کو صلاح الدین کے قتل پر مامور کر دیا۔ یہ لوگ صلاح الدین کے لشکر میں مل گئے اور ایک روز موقع پاکر صلاح الدین کے خیمے میں جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اتفاقاً صلاح الدین کے ایک سردار امیر ناصح الدین خمار تگین" نے ان کو پہچان لیا۔ اور اسی وقت تلوار نکال کر ایک کو قتل کر دیا۔ لیکن ان نابکاروں نے بھی امیر ناصح الدین کو خنجر مار مار کر زخمی کر ڈالا۔ اتنے میں اور سپاہی بھی آپہونچے۔ اسماعیلیوں نے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا۔ آخر زخمی ہو کر سب گرفتار ہو گئے اور اسی وقت قتل کر ڈالے گئے۔

اس خوفناک سازش کے باوجود بھی صلاح الدین کے عزم میں کچھ فرق نہ آیا۔ اسی اثنا میں سیف الدین والئے موصل بھی اس خیال سے اہل حلب کی امداد پر تیار ہو گیا کہ کسی وقت اسے بھی صلاح الدین سے سابقہ پڑیگا۔ ساتھ ہی سعدالدین کمشتگین وزیر حلب نے سلطنت یروشلم کے نائب السلطنت کونٹ ریمانڈ کو روپیہ اور کچھ ملک دینے کا لالچ دلاکر اپنی مدد پر تیار کر لیا۔ چنانچہ نصرانیوں نے دمشق واپس جانے کا راستہ

روک لیا۔ اور کونٹ خود ایک جرار لشکر کے ساتھ حمص کی طرف پیشقدمی کرنے لگا۔ صلاح الدین کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو وہ حلب سے محاصرہ اُٹھا کر کونٹ ریمانڈ والئے طرابلس کی روک تھام کے لئے حمص کی طرف لوٹا۔ لیکن جب کونٹ کو شیر اسلام کے آنے کا علم ہوا تو وہ جلدی سے اپنا لشکر لے کر حمص سے واپس لوٹ گیا۔ سلطان بغیر کسی قسم کی جھڑپ کے حمص میں داخل ہوا۔ اور لگے ہاتھوں پیش قدمی کر کے بعلبک پر جو دمشق سے تین منزل کے فاصلہ پر تھا قبضہ کر لیا۔ اور شیر تھوڑی ہی مدت میں تمام سرزمین شام میں سوائے حلب اور اس کے قرب وجوار کے مقامات کے نورالدین زنگی کی تمام شامی سلطنت پر قابض ہو گیا۔

صلاح الدین نے حمص کی حکومت تو ناصرالدین بن شیرکوہ کے حوالے کی اور بعلبک کا انتظام "شمس الدین محمد" کے سپرد کیا۔

ممکن تھا کہ خانہ جنگی کی یہ آگ اور مشتعل نہ ہوتی۔ لیکن سیف الدین غازی جو الملک الصالح سلطان اسمٰعیل کا چچا زاد بھائی تھا اور زنگی کے مرنے کے بعد سلطان کے اُن مقبوضات پر جو عراق عرب میں تھے قابض ہو گیا تھا ایک جرار لشکر ساتھ لے کر حلب کی طرف بڑھا۔ اور افواج حلب کے ساتھ مل کر جنکی تعداد کم وبیش بیس ہزار تھی صلاح الدین کے مقابلہ کی ٹھان لی۔

اس اثنا میں مصر سے صلاح الدین کے پاس کمکی فوج پہونچ چکی تھی لیکن حلبی اور موصلی لشکر کے مقابلہ میں مصریوں کی تعداد بہت قلیل تھی۔ صلاح الدین نے مصلحت وقت کی وجہ سے اپنے حلیفوں کو صلح کا پیغام بھیجا اور وعدہ کیا کہ دمشق کے شمال میں جس قدر شامی مقبوضات اس کے پاس ہیں واپس کر دیگا۔ لیکن سیف الدین غازی والئے موصل

اور سعد الدین وزیر حلب نے اپنی جمعیت کی کثرت کے ناز پر شرائط صلح کو ٹھکرا دیا اور صاف صاف کہلا بھیجا کہ اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو مصر واپس چلے جاؤ۔

صلاح الدین نے سرداران فوج کو جمع کر کے ایک بہت پُر تاثیر تقریر کی اور پھر فوج کو صف بندی کا حکم دیا۔ ۱۳ اپریل ۱۱۷۵ء کو تل سلطان کے مقام پر جو حلب سے دمشق کی جانب ایک منزل پر واقع ہے حلب و موصل کے لشکر مصریوں سے دست و گریباں ہو گئے۔ اور کلمہ گو ایک دُوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔

دمشقی اور مصری جانبازوں نے حلبی اور موصلی لشکریوں کا ایک ہی حملہ میں مُنہ پھیر دیا۔ صلاح الدین خود تھوڑے سے چیدہ سواروں کا ایک دستہ لے کر فوج کے اُس حصّہ پر حملہ آور ہُوا جس کی کمان سیف الدین خود کر رہا تھا۔ سیف الدین اس حملہ کی تاب نہ لا سکا اور نہایت بے سر وسامانی سے میدان سے بھاگا۔ دُوسری جانب حلبی لشکر کے پاؤں بھی اُکھڑ چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ صلاح الدین کے سپاہیوں نے حلب کے دروازوں تک مفرورین کا تعاقب کیا۔ بے شمار قیدی فتحمندوں کے ہاتھ آئے۔ انہی لوگوں میں "سیف الدین غازی" کے اُمراء کبار میں سے "فخر الدین اور عبد السمیع" بھی تھے۔ لیکن جب یہ قیدی صلاح الدین کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے یہ کہکر کہ یہ بھی میری طرح رسول صلعم عربی کے کلمہ گو ہیں سب کو آزاد کر دیا اور فدیہ تک لینا گوارا نہ کیا۔

اِس فتح کے بعد صلاح الدین نے آگے بڑھ کر چند ایک اور

مقامات پر بھی قبضہ کر لیا۔

اِن فتوحات کے بعد صلاح الدین نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا۔ اور قاہرہ اور دمشق کی مساجد میں پہلی بار "الملک الناصر سُلطان صلاح الدین یوسف" کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اسی نام پر سکہ مضروب ہوا۔ اور پھر چند روز بعد خلیفہ بغداد نے جو تمام عالمِ اسلام کا مذہبی پیشوا تسلیم ہوتا تھا ایک گراں بہا خلعت اور "ابوالمظفر" کا معزز خطاب عطا کر کے صلاح الدین بلادِ مصر اور شام کا سُلطان تسلیم کر لیا۔

کئی ایک تنگ خیال مورخوں نے "سُلطان صلاح الدین" پر یہ الزام لگایا ہے کہ "الملک الصالح اسمٰعیل بن زنگی" کی زندگی میں صلاح الدین کا خودمختاری کا اعلان کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے اور امرائے دمشق نے زنگی کی وفات کے بعد کیا تھا۔ اور جو الزام ان لوگوں پر عائد ہوتا ہے وہی صلاح الدین پر بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن ہم ان مورخین کا جواب مسٹر لین پول" کے الفاظ میں دیتے ہیں مسٹر لین پول" ولیم آف ٹائر کے حوالے سے لکھتا ہے:۔

"سُلطان صلاح الدین پر اس قسم کا الزام ہرگز عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کم سن بادشاہ (اسمٰعیل ابن زنگی) ایسے لوگوں کے پنجہ میں گرفتار تھا جو محض ذاتی مفاد کی خاطر سلطنت اِسلامیہ کے بہبود اور فروغ کے استیصال کے درپے تھے۔ اور عام مُسلمانوں کے مفاد کو نظرانداز کر رہے تھے۔ سُلطان صلاح الدین یہ دل سے چاہتا تھا کہ وہ اپنے آقائے نعمت

سلطان نورالدین زنگی کے نابالغ وارث تخت وتاج کا فرمانبردار نہ ہو کر رہے لیکن اس کے حریفوں اور دشمنوں نے کبھی اس کو اس قسم کا موقع نہ دیا۔ اور اگر اس نازک حالت میں صلاح الدین شام سے مصر کی جانب لوٹ جاتا۔ تو عجب نہ تھا کہ وہ شاندار اسلامی سلطنت جسے سلطان نورالدین زنگی نے اپنے خون سے سینچ کر اور اپنی عمر بھر کی محنت سے پروان چڑھایا تھا۔ یار و اغیار کی یورشوں اور حملوں سے پاش پاش ہو جاتی"۔

دشمنوں کا ابھی حوصلہ نہیں ٹوٹا تھا۔ کہ حلب اور موصل کے دربار پھر ایک بار قسمت آزمائی کی تیاریوں میں چپکے چپکے لگے ہوئے تھے۔ سلطان بھی ان لوگوں سے غافل نہ تھا۔ اور بڑی مستعدی سے لشکر اسلام کی تنظیم کی طرف متوجہ تھا۔

آخر ۱۱۷۵ء کے موسم بہار میں پھر یاسی گرمی میں اُبال آیا اور حلبی لشکر سیف الدین والئے موصل کی فوج سے جو دریائے فرات کو عبور کر چکی تھی مل گیا آپ سلطان بھی اپنے جانثاروں کی جمعیت لے کر آگے بڑھا۔

جس روز سلطانی لشکر دریا سے پار ہوا اسی روز سورج کو گہن لگا۔ ۱۱ اپریل ۱۱۷۶ء کو دن کے وقت اس قدر تاریکی چھا گئی کہ آسمان پر ستارے بھی نظر آنے لگے۔ آخر ۲۲ اپریل ۱۱۷۶ء کو وہ سلطان کے مقام پر جو حلب سے پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ دشمنوں کی جمعیت بہت زیادہ تھی۔ اور ان کا پلہ بھی بھاری معلوم ہوتا تھا۔ لڑائی اسی طرح زور شور سے جاری تھی کہ صلاح الدین اپنے باڈی گارڈ

(محافظ دستہ) کے سواروں کو لے کر چھپکے سے میدان سے نکلا اور شیر کی طرح گرجتا ہوا دشمن پر عقب سے حملہ کر دیا۔ "سیف الدین غازی" بمشکل جان بچا کر میدان سے بھاگا۔ لیکن اس کے بہت سے نامی گرامی اُمرا اور سردار لڑتے ہوئے یا بھاگتے ہوئے قتل ہو گئے۔ بے شمار سامان حرب۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ خیمے اور بہت سا سامان خورد و نوش فتحمندوں کے ہاتھ لگا۔

سُلطان صلاح الدین نے اس عظیم الشان فتح کے بعد پھر ایک بار اپنی فیاضی اور رحمدلی کا ثبوت دیا۔ تمام قیدیوں کو بلا زرِ فدیہ آزاد کر دیا۔ اور سرداروں کو تحائف دیکر گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی۔ اور سپاہیوں سے بھی بہت سلوک کیا۔ زخمیوں کو میدان سے اُٹھوا کر خیموں میں پہونچایا۔ اور ان کی مرہم پٹی کا حکم دیا۔ پھر خیموں میں جا کر زخمیوں کی تسلی تشفی کی۔ جس قدر مال و زر اس وقت ہاتھ لگا۔ وہ سب اپنے لشکریوں میں بانٹ دیا۔ عیسائی اور مُسلم مؤرخ یک زبان ہو کر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس مردِ غازی نے اپنی ذات کے لئے مالِ غنیمت میں سے کچھ نہ رکھا۔

آخر سلطان کی فیاضیاں اپنا رنگ لائیں۔ حلب اور موصل کے سردار اور سپاہی جب آزاد ہو کر گھروں میں پہونچے تو سلطان صلاح الدین کے گیت گانے لگے۔

لیکن اس شکست کے بعد بھی حلب کے دروازے بند ہی رہے۔ سُلطان فتح کے جوش میں اپنے جاں بازوں کو ساتھ لے کر شہر "منبج" پر جو دریائے فرات سے ساڑھے چار کوس اور حلب سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر تھا حملہ آور ہوا۔ اور ایک معمولی لڑائی کے بعد منبج پر سُلطان کا

قبضہ ہو گیا۔
منبج کے غرب میں اعزاز کا نہایت شاداب اور زرخیز شہر اور نہایت مستحکم قلعہ تھا۔ سلطان نے قلعہ اور شہر کا محاصرہ کر لیا اور اڑتیس روز کے محاصرہ کے بعد فوج ظفر موج شہر پر قابض ہو گئی۔
ان محاربات سے فارغ ہو کر سلطان حلب کی جانب متوجہ ہوا۔ "سعد الدین کمشتگین" وزیر حلب کی شرارتوں سے وہ اس قدر بیزار ہو گیا تھا کہ اب اس نے اس نابکار کو سزا دینے کا دل سے عہد کر لیا۔ اور اسقدر دباؤ ڈالا کہ محصورین بہت تھوڑے عرصہ ہی میں گھبرا گئے۔
آخر الملک الصالح اسمٰعیل بن زنگی نے سلطان کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے اس وقت دشمن سے صلح کرنا قرین مصلحت نہ تھا۔ لیکن چونکہ سلطان کو "اسمٰعیل بن نور الدین زنگی" سے کوئی ذاتی کاوش نہ تھی اس لئے صلح کی درخواست قبول کر لی گئی۔ اس صلح کی رو سے الملک الصالح اسمٰعیل اور اس کے معاونین و مددگار سیف الدین والئے موصل اور والئے کیفا اور حکمران ماردین نے صلاح الدین کو سلطان تسلیم کر لیا۔

جب صلحنامہ پر دستخط ثبت ہو چکے تو ایک روز سلطان نور الدین زنگی مرحوم مغفور کی نابالغ بیٹی یعنے الملک الصالح اسمٰعیل کی ہمشیرہ سلطان صلاح الدین کو ملنے آئی۔ جب یہ چھوٹی سی شہزادی سلطانی لشکر میں پہونچی تو صلاح الدین نے نہایت شاندار استقبال کیا۔ اور بڑی عزت اور احترام سے لاکر اپنے پاس بٹھایا اور بڑے بیش قیمت تحائف اور نایاب

جواہرات بطور تحفہ دیئے۔ اور بڑی محبت سے اور مودّبانہ طور پر اس سے باتیں کرتا رہا۔ باتوں باتوں میں سلطان صلاح الدین نے پوچھا۔ "آپ فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت بجا لاؤں"۔

شہزادی جسے اس کے بھائی کے مشیروں نے پہلے ہی سکھلا پڑھا کر بھیجا تھا۔ دبی آواز سے بولی:۔

"ارید قلعہ اعزاز" (میں اعزاز کا قلعہ مانگتی ہوں)

پیشتر اس کے کہ شہزادی کے منہ سے پورا فقرہ بھی نکلا ہو سلطان نے ہنسکر کہا۔ "اعزاز کا قلعہ آج سے آپ کا ہے"۔

چنانچہ اسی وقت قلعہ حکومتِ حلب کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ وہی قلعہ تھا جسے عساکر سلطانی نے اڑتیس روز کے محاصرے کے بعد حاصل کیا تھا۔ یار و اغیار فیاضی و فرمانبرداری کی یہ نادر مثال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب شہزادی رخصت ہونے لگی تو سلطان رکاب تھام کر شہر حلب کے دروازے تک اپنے اُمرا اور افسران فوج کے ساتھ چھوڑنے آیا اور شہزادی کے شہر میں داخل ہونے کے وقت ادب سے سر جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

سلطان فرقہ اسمٰعیلیہ کے گدی نشین اور مرشد شیخ سنان کو جس نے اسے قتل کرانے کی کوشش کی تھی ابھی تک بھولا نہیں تھا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ خفیہ سوسائٹی ملک کے امن کے لئے ایک نہایت خوفناک چیز تھی۔ اور اس کے قبضے میں سب سے مضبوط مقامات بھی تھے۔

حلب سے صُلح ہوجانے کے بعد سُلطان صلاح الدین کوہستان انصاریہ کی طرف جو اس خونخوار سوسائٹی کا مسکن تھا فوج لیکر بڑھا۔ اور گردونواح کے علاقوں میں قیامت برپا کرتے ہوئے قلعہ مضیات کا محاصرہ کرلیا۔ اس خونی جماعت کے قبضہ میں نو قلعے تھے۔ ان میں سے مضیات سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ اور اسی جگہ شیخ سنان رہتا تھا۔ مضیات کو حفاظت کے قدرتی اسباب اس درجہ مہیا تھے کہ سُلطانی افواج اپنی قلعہ شکن مشینوں کے ساتھ بھی قلعہ کو کچھ زیادہ نقصان نہ پہونچا سکیں۔ لیکن تاہم یہ محض سلطان ہی کا اقبال تھا کہ شیخ سنان نے خوفزدہ ہوکر صُلح کی درخواست کی۔ یہ درخواست سلطان کے ماموں شہاب الدین الحارمی والئے حماۃ کے توسل سے سلطان کے حضور میں پیش کی گئی۔

ابو فراس جس نے فرقہ اسماعیلیہ کے حالات قلمبند کئے ہیں اس صلح کو اَور ہی رنگ میں دکھلاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب سلطان قلعہ مضیات پر حملہ آور ہُوا تو اُس وقت شیخ سنان وہاں موجود نہ تھا۔ لیکن سلطانی لشکر کی خبر پاکر محاصرہ کے دوران ہی میں وہ کسی خفیہ رستہ سے قلعہ میں پہنچ گیا ایک روز جب سلطان خواب سے بیدار ہُوا تو اُس نے اپنے تکیہ کے ساتھ ایک خنجر اور ایک خط لٹکتا پایا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ سلطان اگر جان عزیز ہے تو وہ واپس چلا جائے۔

ممکن ہے کہ یہ واقع صحیح ہو۔ کیونکہ فرقہ باطنی کے مُریدوں کو یہ کمال ضرور حاصل تھا کہ وہ تمام لوگوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ بہرکیف سلطان نے شیخ سنان کی درخواست قبول کرلی اور اپنی فیاضی اور رحمدلی کی بدولت سنان کو اسقدر گرویدہ کیا کہ اس موذی

فرقہ کی جانب سے سلطان کو کوئی فکر نہ رہی۔

کوہستان انصاریہ سے چل کر ۲۵ اگست کو سلطان دمشق میں رونق افروز ہوا۔ اور اپنے بھائی "شمس الدولہ توران شاہ" فاتح یمن کو اپنے تمام شامی مقبوضات کا گورنر بنا کر خود اپنے جاں نثاروں کی جمعیت کے ساتھ ماہ ستمبر میں مراجعت فرمائے مصر ہوا۔ اور پورے دو سال کے بعد پھر قاہرہ میں داخل ہوا۔ یہاں پہونچکر اس نے سب سے پہلے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی جبل مقطم پر بھی ایک قلعہ تعمیر کروانا شروع کر دیا (یہ قلعہ سلطان کی وفات کے بعد تکمیل کو پہونچا)

اس کے علاوہ امام شافعیؒ کے مزار کے پاس ایک مدرسہ اور ایک شفاخانہ بنوایا۔ اور ان کے اخراجات کے واسطے زرخیز علاقہ وقف کر دیا۔

سلطان کی ہزیمت

نصرانیوں سے گو آجکل صلح تھی۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ گاہے گاہے اسلامی ممالک میں چپکے چپکے چھاپے مارنے جاتے تھے۔ کبھی قصبات لوٹ لیتے۔ گاہے لوگوں کے ریوڑ ہانک کر لے جاتے۔ یہ لوگ آندھی کی طرح آتے اور بگولے کی طرح واپس لوٹ جاتے۔ سلطان چونکہ ان دنوں مصر کے اندرونی انتظامات میں مشغول تھا۔ اور ان بدعہد لٹیروں سے بازپرس نہیں کرتا تھا۔ اس لئے یہ سرکش لوگ ایک بہت بڑا لاؤ لشکر ساتھ لے کر قلعہ "الازیم" پر جو حلب کے زیر نگین تھا چڑھ آئے۔ آخر سلطان کو ان لوگوں کی تادیب کے لئے متوجہ ہونا پڑا۔ اور وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ فلسطین کی طرف بڑھا۔ اور عروس شام یعنی عسقلان کے قرب وجوار میں پہونچ کر

مجاہدین اسلام نے ہر طرف ہیبت دی۔
"ولیم آف ٹائر" عیسائیوں میں ایک ایسا مؤرخ گذرا ہے جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے صلاح الدین کے واقعات کو تعصبی رنگ کی آمیزش کے بغیر لکھا ہے۔ یہ مؤرخ مجاہدین اسلام کی تعداد چھبیس ہزار بتلاتا ہے۔ لیکن اور عربی مؤرخ خصوصاً علامہ بہاؤالدین اور ابن اثیر یہ تعداد اور بھی کم بتلاتے ہیں۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ سلطان کے ہمراہ اس وقت چھبیس ہزار جانباز تھے یا اس سے کم۔ لیکن وہی ولیم آف ٹائر عیسائیوں کے متعلق لکھتا ہے کہ بالڈوین تاجدار یروشلم کے ہمراہ اس وقت ۳۷۵ تو صرف "نائٹ" (سردار) تھے۔ جن کے ہمراہیوں کی تعداد کئی ہزار تھی۔ ان کے علاوہ فلسطین کے تمام نصرانی شہزادے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ موجود تھے۔ اور یروشلم کی افواج اور دیگر عیسائی جو محض مذہب کی خاطر سر کٹوانے آئے تھے ان کی تعداد بھی بے شمار تھی۔
سلطانی لشکر اس وقت عسقلان کے گرد و نواح میں تاخت و تاراج کر رہا تھا۔ اور سلطان خود اپنے جانبازوں کی ایک جماعت کے ساتھ رملہ کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا کہ اچانک سامنے سے صلیبی سورما صلیبی جھنڈے اڑاتے ہوئے آنمودار ہوئے۔ ولیم آف ٹائر لکھتا ہے کہ نصرانی لشکر نے سلطان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور سلطان کو اتنا موقع بھی نہ ملا کہ وہ مجاہدین اسلام کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر سکے۔ زرہ پوش صلیبی بہادروں نے سلطان کے جانبازوں کو صف بندی کی بھی مہلت نہ دی اور چاروں طرف سے تلوار برسنے لگی۔ مجاہدین نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ اور متواتر چار گھنٹہ تک مسلمانوں نے جو چاروں طرف سے

زرہ پوش دُشمنوں سے گھرے ہوئے تھے عیسائیوں کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔
سُلطان نے اپنے خاص باڈی گارڈ کو کئی بار فراہم کرنے کی کوشش کی۔
لیکن یہ جانباز کچھ اس طرح بکھرے ہوئے تھے کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔
جنگ کے دوران میں سلطان کئی بار دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا۔ لیکن جدھر
اس کے گھوڑے کا رُخ ہوتا تھا پرے کے پرے صاف کر دیتا تھا۔
"احمد ابن تقی الدین" نام ایک نوجوان مجاہد نے جس کی ابھی مونچھیں بھی
نہ نکلی تھیں نصرانیوں کے ایک گروہ پر تن تنہا حملہ کر دیا اور تلوار کے وہ جوہر
دِکھلائے کہ اس کے چاروں طرف نصرانیوں کی لاشیں نظر آنے لگیں۔ آخر
اس نے خود بھی جام شہادت نوش کیا
میدان کا نقشہ ابھی ایسا ہی تھا کہ آفتاب غروب ہونے لگا۔
مجاہدین اسلام اس تندی اور جوش سے لڑ رہے تھے کہ نصرانیوں کا غلبہ
نہ ہونے دیتے تھے۔ اس وقت شاہ بالڈون کی فوج کے سپہ سالار پرنس آرنلڈ
نے زرہ پوش صلیبی بہادروں کو جمع کر کے مسلمانوں پر بڑے جوش سے حملہ کیا۔
آخر مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ سُلطان نے پھر ایک بار اپنے جانبازوں کو
سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔
رات کی تاریکی میں مسلمان میدان نصرانیوں کے حوالے کر کے واپس لوٹے۔
راستہ میں طوفان برق و باد نے آ لیا۔ موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ جو شخص
نصرانیوں کے ہاتھ لگا قتل کر دیا گیا۔ زخمی میدان میں بھوک اور درد کی
شدت سے ہلاک ہو گئے۔ اور رسد کے نہ ہونے سے اور بھی مصیبت کا
سامنا ہوا۔ آخر ماہ جمادی الثانی ۵۷۳ھ میں سلطان اپنے بچے کھچے
درماندہ ساتھیوں کے ساتھ پنجشنبہ کے روز قاہرہ میں جا داخل ہوا۔

سُلطانی لشکر جو اطراف عسقلان کو بلاد نصاریٰ کی تاخت و تاراج میں مشغول تھا۔ اس کی کمان "فقیہ عیسیٰ" نامی ایک سردار کے ہاتھ میں تھی۔ ان کو سُلطان کی پسپائی کا کچھ علم نہ تھا۔ یہ لوگ دُشمن کے مُلک میں یونہی نعرۂ توحید بلند کرتے پھرتے تھے کہ اچانک نصرانی لشکر سے ان کی مُڈبھیڑ ہو گئی۔ نہایت گھمسان کا رَن پڑا۔ بہت سے مجاہدین نے جام شہادت پیا۔ فقیہ عیسیٰ اور اس کے بہت سے لشکری نصرانیوں نے گرفتار کر لئے۔ سلطان کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُس نے ساٹھ ہزار دینار دے کر تمام مُسلمانوں کو جو نصرانیوں کے پاس قید تھے آزاد کرا لیا۔

سُلطان صلاح الدین کی تمام عمر میں صرف یہی ایک واقعہ ہے جس میں اس نے نصرانیوں سے زک اُٹھائی۔

اِس شکست کا حال سُلطان نے اپنے بھائی "شمس الدولہ توران شاہ" کو اپنی قلم سے لکھ کر دمشق بھیجا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ اس نے سُلطان کا خط خود دیکھا تھا۔ اس خط میں سُلطان نے ایک مومن کی طرح اپنی شکست اور نصرانیوں کی فتح کا اعتراف کیا ہے۔ سُلطان کے الفاظ یہ تھے:۔

"ہمارا اس میدان سے زندہ بچ کر واپس آنا ایک مُعجزہ سے کم نہ تھا ہماری ہلاکت اور تباہی یقینی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہم کو ہلاکت سے بچا لیا۔"

اِس شکست کا بدلا لینے کے لئے سُلطان نے قاہرہ آتے ہی جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ عیسائیوں نے پہلی فتح سے دلیر ہو کر دو مرتبہ حماۃ پر حملہ کیا۔ لیکن دونوں بار سخت نقصان اُٹھا کر بے سروسامانی سے بھاگے۔

آخر ۱۱۷۸ء میں سلطان مجاہدین اسلام کا ایک لشکر جرار ساتھ لے کر مصر سے نکلا۔ اور شیر کی طرح گرجتا ہوا حمص کے قریب پہونچ گیا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ خود حماۃ کی طرف جہاں مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے کوچ کرے اُسے مسلمانوں کی فتح کی خبر ملی۔ اور پھر دو چار روز بعد عیسائی مقتولین کے بے شمار کٹے ہوئے سر اور اسیروں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے حضور میں پیش کی گئی۔

اب سردی کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ سلطان دمشق میں آکر مقیم ہوا اور یہاں دشمنان اسلام سے بے گناہوں کے خون کا انتقام لینے کی تیاریاں جاری رکھیں۔

۱۱۷۹ء میں نصرانی ایک بہت بڑا جرار لشکر ساتھ لیکر بادشاہ بالڈون کی سرکردگی میں دمشق پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلے۔ راستہ میں جو قصبہ یا آبادی ملتی اُسے لوٹ لیتے اور لوگوں کو قتل کر دیتے۔ جب سلطان کو ان واقعات کا علم ہوا تو اُس نے اپنے بھتیجے "فرخ شاہ" کو بطور مقدمۃ الجیش ایک چیدہ فوج کے ساتھ نصرانیوں کا راستہ روکنے کے لئے فوراً دمشق سے روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی عساکر اسلام کو تیاری کا حکم دید یا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ سلطان مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر دمشق سے نکلے فرخ شاہ اور بالڈون کے لشکر کا مقابلہ ہو گیا۔ سلطان نے فرخ شاہ کو سمجھا دیا تھا کہ جب بالڈون کی فوج سامنے سے نمودار ہو تو وہ آہستہ آہستہ دمشق کی طرف ہٹنا شروع کر دے۔ تاکہ وہ خود مجاہدین اسلام کے ساتھ نصرانیوں کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن واقعات کچھ ایسے پیش آئے کہ فرخ شاہ سلطان کی ہدایات پر عمل پیرا نہ ہو سکا۔

گو دشمن کا شمار بے قیاس تھا لیکن فرخ شاہ بھی شیر کوہ کا بیٹا تھا۔ فوراً مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا اور نصرانیوں کو اتنی مُہلت بھی نہ دی کہ وہ اپنی فوج کی صف بندی کر سکیں۔ مُسلمانوں نے زور سے نعرہ توحید بلند کرتے ہوئے نصرانیوں پر اس جوش سے حملہ کیا کہ نصرانی گھبرا گئے اور پہلے ہی حملہ میں بالڈون اسیر ہو گیا۔

لیکن پیشتر اس کے کہ مُسلمان اس کو میدان جنگ سے نکال لیجائیں صلیبی سرداروں کا مشہور و معروف سردار اعظم کانسٹبل ہمفری اپنے زرہ پوش سواروں کی جمعیت کے ساتھ اپنے بادشاہ بالڈون کی مدد کو آپہونچا۔ اور بے نظیر شجاعت دکھلا کر بادشاہ کو مُسلمانوں سے چھڑا لیا۔ لیکن خود اس جنگ میں مارا گیا۔

کانسٹبل (سردار اعظم) ہمفری مُلک فرانس سے بادشاہ لوئس کے ہمراہ صلیبی معرکوں میں شامل ہونے کے واسطے ایشیا میں آیا تھا۔

ابن اثیر اس سردار کے متعلق لکھتا ہے:۔

"اس شخص کا وجود مُسلمانوں کے واسطے وبا سے کم نہ تھا۔ شجاعت اور بہادری میں ضرب المثل تھا۔"

کانسٹبل ہمفری کے قتل ہوتے ہی نصرانیوں کے چھکّے چھوٹ گئے اور تمام لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ اور مُسلمان فتح کے شادیانے بجاتے دمشق واپس آ گئے۔

کچھ روز بعد سلطان دمشق سے نکل کر بانیاس کی طرف بڑھا۔ بانیاس کی طرف پیش قدمی کا یہ باعث تھا کہ نصرانی تاجدار نے بانیاس کے

میدان میں جو ایک قدیمی قلعہ تھا اُسے از سرِ نو تعمیر کروا کر ایک زبردست فوجی چھاؤنی بنا لیا تھا۔ یہ قلعہ مُسلمانوں کے راستہ میں ایک بڑی رُکاوٹ تھی۔ قلعہ کی تعمیر کے دَوران میں سلطان نے پہلے ساٹھ ہزار اور پھر ایک لاکھ دینار عیسائیوں کو دینے چاہے تاکہ وہ اس قلعہ کو تعمیر نہ کریں۔ لیکن بالڈون اپنی ہٹ پر قائم رہا۔ اور سلطان کو اب مجبوراً اس کی تسخیر کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

جب بالڈون کو اسلامی لشکر کی آمد کا حال معلوم ہُوا تو وہ پچھلی شکست کا دَاغ دھونے کے لئے بڑے ساز و سامان اور بے قیاس لشکر کے ساتھ بانیاس کی طرف بڑھا۔ نصرانی اپنی جمعیت کی کثرت پر اس قدر پھُولے ہوئے تھے کہ باقاعدہ طور پر فوج کو ترتیب بھی نہ دیا تھا۔ آگے پیچھے ٹڈی دل کی طرح بڑھے چلے آتے تھے۔

انہی لوگوں میں سے ایک مشہور صلیبی سردار جس کا نام آوڈو تھا۔ فرقہ ٹمپلر کے چیدہ چیدہ سرداروں اور ان کے لاؤ لشکر کو ساتھ لیکر مُسلمانوں کی ایک جماعت پر آپڑا۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے لگی اور زمین مقتولوں کے خون سے لالہ زار بن گئی۔ مجروح اور مرتے ہوئے سپاہیوں کی چیخ و پُکار سے میدان حشر کا نقشہ نظر آنے لگا۔ کلمہ گو اسلام کی عزت پر سر کٹوا کٹوا کر جنت میں داخل ہونے لگے۔

آوڈو اور اس کے سرداروں نے مُسلمانوں کو اس قدر دبایا کہ ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ عین اس وقت سُلطان خود موقع پر آپہونچا اور مُسلمانوں کو للکار کر کہا :-

"مُسلمانوں جنت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے"۔

سُلطان کی آواز سُنتے ہی وہ لوگ جو مُنتشر ہو کر بھاگ رہے تھے رُک گئے اور پھر سُلطان کی سرکردگی میں آگے بڑھ کر نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے اس شدّت سے حملہ کیا کہ بہت سے صلیبی سرداروں کو قتل کر ڈالا اور جو بچے ان میں سے اکثر اسیر ہو گئے۔ اس ایک ہی حملہ میں نصرانی لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی۔ مُسلمانوں نے بھگوڑوں کا دُور تک تعاقب کیا۔ ہزاروں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اور ہزاروں کو اسیر کیا۔ قیدیوں میں علاوہ نامی گرامی سرداروں کے والئ رَملہ۔ والئ طرابلس گرینڈ ماسٹر آف دی ہاسپٹل اور ٹمپلر (ہاسپٹل اور ٹمپلر یورپ کے نامی گرامی صلیبی بہادروں کے نام تھے ان کے سردار اعظم گرینڈ ماسٹر کہتے تھے) طبریہ کا حاکم اور جبیل کا سردار بھی شامل تھے۔ ان سرداروں کی تعداد جو پابجولاں سُلطان صلاح الدین کے خیمہ میں اس کے مُلاحظہ کے لئے پیش کئے گئے ستّر (۷۰) تھی۔

سلطان کا سکتر (مصاحب خاص) عماد الدین ایک ایک سردار کو سُلطان کے سامنے پیش کرتا تھا اور یہ سردار خود اپنا حسب و نسب بتلاتا تھا۔ ان سرداروں میں سب سے پہلے والئے رَملہ نے ڈیڑھ لاکھ دینار نقد دیئے اور ایک ہزار مُسلمان جو اس کے پاس پہلے سے قید تھے آزاد کر کے قید کی ذِلّت سے نجات پائی۔ باقی ماندہ سردار چونکہ اس وقت فِدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے جیل میں بھیج دیئے گئے۔ اور حکم دیا گیا کہ ان کے مرتبہ کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے۔

اِس فتح کے بعد سُلطان پھر قلعہ بانیاس کی طرف متوجہ ہُوا۔

یہ قلعہ بہت مضبوط تھا۔ اور محصورین کے پاس سامان جنگ کے علاوہ سامان خورد و نوش بھی کافی تھا۔ اور قلعہ میں نصرانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ سلطان نے حکم دیا کہ قلعہ کی دیواروں کے نیچے خندقیں کھود دی جاویں۔ جب خندقیں کھد چکیں تو پھر ان میں بارود بھر کر ان کو آگ لگا دی گئی۔ لیکن اس ترکیب سے بھی قلعہ کی دیواروں کو کچھ زیادہ نقصان نہ پہونچا۔ خندقوں کو پھر اور بھی گہرا کھودا گیا۔ اور از سر نو بارود بھر کر آگ دکھلائی گئی۔ آخر ۳۰ اگست ۹۷ء/۱۱ کو دیوار کا ایک حصہ منہدم ہو گیا۔ اور عساکر اسلام نعرہ توحید بلند کرتے ہوئے اسی راستہ سے قلعہ میں داخل ہو کر دشمنان اسلام کا ستھراؤ کرنے لگے۔ جس قدر مسلمان قلعہ میں قید تھے سب آزاد کرا لئے گئے اور تقریباً سات سو عیسائی اسیر کر کے دمشق کی جانب بھیجے گئے۔ فتح کے بعد سلطان نے قلعہ گروا کر زمین کے برابر کرا دیا اور پھر مراجعت فرمائے دمشق ہوا۔

مسلمانوں کی ان کامیابیوں سے نصرانیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور انہوں نے سلطان سے عارضی صلح کر لی۔ صلح کے زمانے میں سلطان اپنی بحری قوت درست کرنے میں مشغول رہا۔ اور ایک زبردست بیڑا تیار کر لیا۔

مسلمانوں کی ان جنگی تیاریوں سے شام کے عیسائی پریشان ہو رہے تھے۔ آخر خود بالڈون نے سلطان کے پاس صلح کی درخواست بھیجی۔ اور سلطان کی پیش کردہ شرائط منظور کر کے صلح کر لی۔

اسی صُلح کے دَوران میں سلطان کو مسلمانوں کے ایک خانگی قضیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ نورالدین والیِ کیفا کی شادی قلج ارسلان سلجوقی بادشاہ قونیہ کی بیٹی سے ہوئی۔ لیکن نورالدین اس عالی منصب شہزادی سے بہت سرد مہری سے پیش آتا تھا۔ اپنے خاوند سے ناراض ہوکر شہزادی نے قلج ارسلان سے شکایت کی۔ اور شاہ قونیہ نے طیش میں آکر اپنے داماد پر فوج کشی کے لئے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔

عہدنامہ حلب کی شرائط میں سے ایک یہ شرط بھی تھی کہ سلطان صلاح الدین جنگ وجدل کے وقت اپنے معاونوں کی مناسب مدد کریگا۔ انہی معاونوں میں نورالدین بادشاہ کیفا بھی تھا۔ سلطان کو خود بھی بادشاہ قونیہ سے کچھ رنجش تھی۔ جب نورالدین نے سلطان سے مدد مانگی تو سلطان نے دربار قونیہ کے سلجوقی سفیر کو بُلا کر کہا۔

"اپنے بادشاہ کو میرا سلام دو اور کہو کہ وہ اس حرکت سے باز آجائے ورنہ اس کا مُلک تباہ کر دیا جائیگا"

اور ساتھ ہی مجاہدین اسلام کو تباہی کا حکم دیدیا۔ سلطانی افواج ابھی کوچ کرتی ہوئی تھوڑی ہی دُور گئی تھیں کہ سلجوقی بادشاہ کے سفیر سلطان کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کی اطاعت کا یقین دلایا۔

ادہر سُلطان کے سمجھانے سے نورالدین بادشاہ کیفا نے اپنی بیگم سے صُلح کرلی اور جنگ وجدل کی نوبت نہ آئی۔

اِس واقعہ کے بعد ہی سُلطان کو آرمینیا کی طرف عنانِ توجہ مبذول کرنی پڑی۔ ان دنوں آرمینیا روفن بالبون نام نصرانی بادشاہ کے

زیرنگین تھا۔ ترکمان ایک مُدّت سے یہاں کی سرسبز چراگاہوں اور رمنوں میں اپنے مویشی چرایا کرتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں سے حاکم آرمینیا ترکمانوں کو تنگ کرنے لگا تھا۔ آئے دن ان کے ریوڑ ہانک کر لے جاتا اور ترکمانوں کو قید کر لیتا۔

یہ لوگ سُلطان کے دربار میں حاضر ہو کر فریادی ہوئے سُلطان ایک زبردست جمعیت ساتھ لے کر "قرہ حصار" کے مقام پر جا ٹھہرا۔ اور پھر مُلک کے حالات معلوم کر کے فوج ظفر موج کو آرمینیا کے مقبوضات کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ بحر اسود کے کنارے کنارے بہت سے چھوٹے چھوٹے شہر آباد تھے۔ سُلطانی لشکر ان کو تسخیر کرتا ہوا آگے بڑھا۔ بحر اسود کے کنارے ایک بہت مضبوط قلعہ تھا۔ شاہ آرمینیا نے اس خوف سے کہ مُسلمان اس قلعہ کو اپنی فوجی چوکی نہ بنالیں مسمار کروانا شروع کر دیا۔ لیکن اس عرصہ میں سلطان خود فوج لیکر قلعہ پر پہونچ گیا۔ مجاہدین اِسلام کی تلواریں قضاء مبرم کی طرح عیسائیوں کا صفایا کرنے لگیں۔ صبح ہوتے ہی آرمینیا کے سفیر رحم کی درخواست لیکر سُلطان صلاح الدین کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور تحریری وعدہ پیش کیا گیا کہ آئندہ ترکمانوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائیگی۔ ساتھ ہی جس قدر مویشی مختلف موقعوں پر لوٹے ہوئے تھے واپس کر دیئے اور اسیر شدہ ترکمانوں کو آزاد کر کے بطور تاوان ایک معقول رقم نقد پیش کی۔

سُلطان نے اپنی جبلی فیاضی اور رحم دلی کو کام فرما کر تمام مفتوحہ ارضی علاقہ آرمینیا کے تاجدار کو واپس دیدیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام ایشیا کوچک میں "سلطان صلاح الدین یوسف" کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اور دریائے نیل تک مسلمانوں کا سب سے زبردست سلطان تسلیم ہونے لگا تھا چھوٹے چھوٹے تاجدار اپنے اپنے جھگڑوں اور تنازعوں کے لئے سلطان کو ثالث مقرر کرتے تھے۔ ان تمام معاملات میں اس مرد غازی نے کبھی حق پر باطل کو غالب نہیں آنے دیا۔

اکتوبر ۱۱۸۰ء کو تاجداران عراق۔ موصل۔ جزیرہ۔ کیفا۔ سلطان قونیہ۔ شاہ آرمینیا اور چند ایک اور حکمرانوں نے ایک کونسل منعقد کی۔ اور اتفاق رائے سے اس شاہی کونسل کا صدر سلطان کو منتخب کر لیا۔ اور اس مضمون کا ایک عہد نامہ آپس میں کیا گیا کہ دو سال تک ایک دوسرے سے برسر پیکار نہ ہونگے۔

عراق

اِس ہنگامی صُلح کے بعد "سلطان صلاح الدین" نے اپنے بھتیجے "فرخ شاہ" کو اپنے شامی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر کیا اور خود ۱۱۸۱ء کے شروع میں قاہرہ واپس چلا گیا۔ سال گذشتہ کے دوران میں یورپ میں بہت سے انقلابات رونما پذیر ہو چکے تھے۔ کئی بادشاہ گوشۂ عدم میں جا سوئے تھے اور اب ان کی جگہ پر نوجوان شہزادے سریر آرائے سلطنت تھے۔ ایشیا میں بھی اسی قسم کے اکثر تغیرات ہو چکے تھے خاندان عباسی کے نرم مزاج خلیفہ معتضد کی بجائے اب مسلمانوں کی امامت

ناصر کے زبردست ہاتھوں میں تھی۔

سیف الدین غازی موصل کا اتابک اس دارِ فانی سے کوچ کر چکا تھا۔ اور اس کی گدی پر اس کا بھائی عزالدین بیٹھا تھا۔ ۴ دسمبر ۱۱۸۱ء کو الملک الصالح اسمٰعیل نے بعارضہ قولنج سفرِ آخرت اختیار کیا۔ لیکن مرنے سے پہلے یہ وصیت کی کہ اس کا جانشین عزالدین والیٔ موصل ہو۔ چنانچہ الملک الصالح کی موت کے بعد امرائے حلب نے عزالدین کو ولایت حلب کی دعوت دی۔ عزالدین جب موصل سے چل کر حلب میں داخل ہوا تو امرائے دولت نے بڑی شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا۔

کئی ایک حلبی اُمرا کی یہ خواہش تھی کہ عزالدین ان حلبی مقبوضات پر جو سلطان صلاح الدین کے زیر نگیں تھے حملہ کر کے انہیں مملکت حلب میں شامل کر لے۔ لیکن اس نے جو اکتوبر ۱۱۸۰ء کی کونسل میں عہد کیا تھا اس سے انحراف کرنا پسند نہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد عزالدین نے اپنے بھائی "عمادالدین زنگی" والئے سنجار سے حکومت تبدیل کر لی۔ ۱۹ مئی ۱۱۸۲ء کو "عمادالدین" نے حلب کی حکومت سنبھالی۔

سلطان قاہرہ میں بیٹھا یہ تمام کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔ عزالدین کے حلب پر قابض ہو جانے سے وہ ناراض تو ضرور ہوا لیکن عہد نامہ کے پاس کی وجہ سے خاموش رہا۔ گو کونسل کے دیگر اراکین کچھ عرصہ سے عہد نامہ کی شرائط کو بالائے طاق رکھ کر کھلم کھلا جدل میں آ نا کر رہے تھے۔

بد عہدی کرنے میں سب سے پہلے نصرانی تاجداروں نے سبقت کی۔ رگنلڈ چیٹیلان بحیرہ مردار کے لب ساحل جو قلعے تھے ان پر قابض تھا۔ اور جو زک مسلمانوں سے وہ اٹھا چکا تھا۔ اس کا انتقام لینے کے لئے وہ اثنائے

پیس رہا تھا۔ انہی دنوں مسلمان سوداگروں کا ایک قافلہ اس کے علاقہ سے گذرا۔ رگنالڈ چیٹیلان نے قافلہ کا سامان لوٹ لیا اور لوگوں کو قید کر لیا۔
سلطان صلاح الدین کو جب اس واقع کا علم ہوا تو اس نے نصرانیوں کا ایک جہاز جو اس وقت اتفاق سے خشکی پر چڑھ گیا تھا روک لیا۔
ولیم آف ٹائر مشہور عیسائی مؤرخ یہ تو مانتا ہے کہ رگنالڈ نے بدعہدی کی لیکن ساتھ ہی سلطان پر بھی یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے دیدہ دانستہ عیسائی زائرین کا جہاز روک کر بدعہدی کی۔ لیکن دیگر عیسائی مؤرخ خاص کر ارنول اپنی کتاب میں جہاں رگنالڈ چیٹیلان کا ذکر صفحہ ۹۶ و ۹۷ پر کرتا ہے سلطان کو بری الذمہ قرار دیتا ہے۔

بقول علامہ بہاؤالدین (حیات صلاح الدین صفحہ ۶۸) ان واقعات کے بعد ہی شام سے سلطان کے پاس یہ شکایت پہونچی کہ خاندان زنگی کے شہزادوں نے اس کے برخلاف نصرانیوں سے اور ساتھ ہی فرقہ اسمعیلیہ سے عہد پیمان کر لیا ہے۔ لیکن ان پریشان کن حالات کے باوجود بھی سلطان اپنے عہد پر قائم رہا۔ اور کسی سے معترض نہ ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب یہ اطلاع ملی کہ اس کے دشمن اس کے شامی مقبوضات کی تاخت و تاراج کی فکر میں ہیں تو اب وہ بھی ۱۱ مئی ۱۱۸۲ء میں اپنے شامی مقبوضات کی حفاظت کے لئے ایک جرار لشکر لے کر مصر سے نکلا۔
راستہ میں یہ خبر ملی کہ نصرانی اس کا راستہ روکنے کے لئے ایک لشکر فراہم کر رہے ہیں۔ سلطان سیدھا راستہ چھوڑ کر صحرائی راستہ سے دمشق کی جانب ہو لیا۔ اس طرف راستہ میں یروشلم کے بادشاہ بالڈون کا

لشکر پڑتا تھا۔ بالڈون کو اتنی جرأت بھی نہ ہوئی کہ سلطان کو اپنے میٹھے پانی کے کنوؤں سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ دمشق میں وارد ہو کر وہ یہ سُنکر بہت خوش ہوا کہ اس کے شیر دل بھتیجے فرخ شاہ نے جسے وہ شامی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر کر گیا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے ہی بالڈون کے مقبوضات کو تاخت و تاراج کر کے کئی ایک مستحکم مقامات پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس پیش قدمی میں فرخ شاہ بیس ہزار مویشی اور ایک ہزار نصرانی قید کر کے دمشق لایا۔

بیروت کا محاصرہ

ماہ جولائی میں سلطان نے پھر ایک بار مجاہدین اسلام کا ایک جرار لشکر دے کر فرخ شاہ کو فلسطین کے تاخت و تاراج پر مامور کیا۔ مسلمانوں کی آمد آمد کی خبر پا کر نصرانی بھی ہر طرف سے ٹڈی دل کی طرح اپنے مقبوضات کی حفاظت کے لئے اکٹھے ہونے لگے اور ایک بہت ہی بڑی جمعیت کے ساتھ ہل آف دی سٹار (کوہ ستارہ یا انجم) کے پاس ندی کے اُس پار خیمہ زن ہو گئے۔ اور ایک مُدت کے بعد صلیبی عَلَم اور پرچم ہلالی بالمقابل لہرانے لگے۔ اور طرفین کے بہادر داد شجاعت دیتے ہوئے خون سے ہولی کھیلنے لگے۔

ولیم آف ٹائر کا بیان ہے کہ دونوں اطراف کا نقصان بے قیاس تھا۔ لیکن اس کشت و خون سے کچھ فیصلہ نہ ہؤا۔ نصرانی تو افرابلہ کی طرف لوٹ گئے اور فرخ شاہ دمشق واپس چلا گیا۔

ماہ اگست میں سلطان خود مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر نکلا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنے بیڑے کی مدد سے اس کے بھائی "العادل" کی زیر کمان ساحل

فلسطین کی طرف آرہا تھا بیروت پر قبضہ کرلے۔
جب جہاز آگئے تو بیروت پر خشکی اور تری دونوں جانب سے حملہ کر دیا گیا۔ شہر پر دونوں جانب سے تیروں کی بارش ہونے لگی تیر اس شدت سے برسائے جارہے تھے کہ کوئی شخص گھر سے باہر نکلنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ لیکن محاصرہ چونکہ طول کھینچتا نظر آتا تھا اور سلطان کے پاس اس قدر وقت نہ تھا کہ وہ بیروت کی تسخیر کے لئے یہیں پڑا رہے۔ کیونکہ شمالی طرف کے معاملات نے ایسی بگھری صورت اختیار کرلی تھی کہ ادھر متوجہ ہونا بیروت کی تسخیر سے زیادہ ضروری تھا۔ اس لئے وہ اس مہم سے دستکش ہوکر واپس لوٹا۔
بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ بیروت کی تسخیر کا خیال سلطان نے محض اس باعث ترک کر دیا کہ جزیرہ کی تسخیر کے اسباب قدرت نے خود مہیا کر دیئے تھے۔
سلطان خاندان زنگی کی شرارتوں سے سخت کبیدہ خاطر تھا لیکن ابھی تک عہد نامہ کی پابندی کر رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے میعاد صلح ختم ہوئی اور سلطان دمشق سے چل کر حلب کے قریب جا پہونچا۔ اور تین روز تک دشمن کی ٹوہ لگانے کے لئے وہیں پڑا رہا۔ اور اس عرصہ میں اس کے معاونین بھی ادھر ادھر سے آ کر لیکر پہونچ گئے۔
سلطان نے اس لشکر کے ساتھ موصل کی طرف پیشقدمی کی۔ اور موصل کے راستہ میں جس قدر شہر اور فوجی چوکیاں تھیں انہوں نے بلا چون وچرا سلطان کی اطاعت کرلی۔
اسی دوران میں اس کے پاس قاصدوں نے خبر دی کہ نصرانی ایک

بہت بڑی جمعیت کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ سُلطان نے نامبر کو بلوا کر کہا کہ فکر کی بات نہیں دُشمن تو گاؤں اور بستیاں لُوٹ کر برباد کرتا ہے۔ لیکن ہم شہر اور قلعے تسخیر کرتے ہیں۔ اِنشاءاللہ عنقریب مخالفین کو اِن کی شرارتوں کی سخت سزا دوں گا۔

اب عساکرِ مصری نے موصل کا محاصرہ کر لیا۔ موصلی لشکر پہلے سے ہی کیل کانٹے سے تیار تھا اور فصیل شہر پر دُشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے بڑے چیدہ بہادر متعین تھے۔ سامان حرب کے علاوہ ذخائر خورد و نوش بھی بکثرت شہر میں موجود تھے۔

لیکن عزالدین دِل سے اِس بات کا متمنی تھا کہ کسی طرح سُلطان سے صُلح ہو جائے۔ سلطان صلح کے لئے آمادہ تو تھا۔ لیکن شرائط بہت کڑی پیش کرتا تھا۔ جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حلب اس کے مقبوضات میں شامل کر دیا جائے۔ اول تو عزالدین خود یہ شرط ماننے کے لئے تیار نہ تھا اور بفرضِ محال وہ مان بھی لیتا تو اپنے بھائی کو جو حلب میں حکمران تھا کس طرح رضامند کرتا۔ عزالدین نے ارمن اور ایران کے شہزادوں سے بھی سفارش کروائی لیکن سلطان کی طرف سے ایک ہی جواب ملا "موصل یا حلب دونوں میں سے ایک شہر حوالے کر دو"۔

آخر ۱۰ر نومبر ۱۱۸۲ء کو شہر پر حملہ شروع ہوا۔ اور سلطان خود فوج کا ایک دستہ لے کر "باب کندا" کی طرف متوجہ ہوا۔ اور "باب العمادیہ" کی جانب اپنے بھائی "تاج الملوک" کو مقرر کیا اور نورالدین والئے کیفا اپنی جمعیت کے ساتھ خندق کی طرف بڑھا۔ لیکن موصل کی شہر پناہ کچھ اس قدر مضبوط تھی کہ باوجود سخت حملوں اور یورشوں کے سلطانی لشکر کو

کامیابی نہ ہوئی۔

سُلطان نے چند تجربہ کار جرنیلوں کو تو موصل کے محاصرہ پر مامور کیا اور خود فوج کا ایک زبردست دستہ ہمراہ لیکر سنجار کی جانب جو موصل کے مغرب میں تین منزل کی مسافت پر واقع تھا اور بلاد جزیرہ میں سب سے زیادہ شاداب شہر تھا حملہ آور ہوا۔ سنجار پر حملہ آور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حکمرانِ سنجار اہل موصل کا معاون تھا۔ اور اسی جگہ سے محصورین کو غلہ وغیرہ پہونچتا تھا۔

اہل سنجار چودہ روز تک جی توڑ کر لڑے آخر مغلوب ہو کر سُلطان کی اطاعت کرلی۔ سلطان قطب الدین حاکم شہر اور اس کے اُمرا سے بڑی نوازش اور تلطف سے پیش آیا۔ اور شہر پر قبضہ کرکے ان سب سرداروں کو موصل کی طرف چلے جانے کی اجازت عطا کی۔

سُلطان نے سنجار کا انتظام اپنے برادرزادہ تقی الدینؒ کے سپرد کیا۔ اور خود ارمن کے بادشاہ کی طرف متوجہ ہوا۔ سلطان کے بذات خود موصل سے ہٹ جانے کے بعد دربار موصل نے اپنے ایلچی شاہ ارمن کے پاس بھیج کر اُس کو مدد کے لئے بُلایا۔ چنانچہ آرمینیا کا بادشاہ ایک زبردست فوج کے ساتھ کوچ کرتا ہوا حرزم کے مقام پر آپہونچا۔ حرزم کے مقام پر والئے ماردین اور حلبی لشکر دونوں مل کر سُلطان کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے۔ لیکن جب ان کو شیر اسلام کے بذات خود آنے کا علم ہوا تو خوف زدہ ہوکر انہوں نے صُلح کے واسطے سلطان کے پاس قاصد بھیجے لیکن سُلطان نے ان قاصدوں کو جواب دیا۔ کہ تمہاری درخواست کا جواب میدان حرزم میں دوں گا۔

یہ جواب ان لوگوں کے لئے پیغام قضا سے کم نہ تھا۔ اس لئے یہ تمام سرکش صبح ہونے سے پیشتر ہی اپنے علاقوں کو بھاگ گئے۔ اگلے روز جب عساکر اسلام حرزم کے میدان میں پہونچے تو میدان بالکل خالی تھا۔ ان لوگوں کے متعلق علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے۔ "یہ سرکش مردوں کی طرح ہجوم کر کے آئے لیکن عورتوں کی طرح ڈر کر بھاگ گئے"۔

حرزم کے مقام پر سلطان نے نماز ظہر تک آرام کیا۔ اور پھر نماز کے بعد موصل کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اپنی سپاہ کو شہر آمد پر جو دریائے دجلہ کے کنارے ایک بہت خوبصورت اور سرسبز شہر تھا بڑھنے کا حکم دیا۔ شہر آمد کی دیوار سیاہ پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اہل آمد نے سلطانی لشکر سے پہلے ہی حفاظت کے تمام انتظام کر لئے تھے۔ جب محاصرہ شروع ہوا تو آٹھ روز تک "بہاؤ الدین ابن نیساں" نے جو آمد کا قلعہ دار تھا نہایت شجاعت سے مقابلہ کیا۔ لیکن نویں روز قلعہ فتح ہو گیا۔ اور شہر پر سلطانی پرچم لہرانے لگا۔

اس جگہ علاوہ اور بیش قیمت ساز و سامان کے جو سلطان کے ہاتھ لگا ایک کتب خانہ بھی تھا۔ اس کتب خانہ میں کم و بیش دس لاکھ کتابیں تھیں۔ سلطان نے یہ کتب خانہ اپنے اُستاد قاضی فضل کو عطا فرمایا۔

علامہ "ابن ابی طے" لکھتا ہے کہ قاضی فضل نے اس کتب خانہ میں سے جو کتب اپنے مطالعہ کے لئے منتخب کیں ان کی تعداد کا اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ وہ سُتر اونٹوں پر لادی گئیں۔

سلطان نے اپنی جبلی رحمدلی اور فیاضی کو کام فرما کر حاکم شہر کو

اجازت بخشی کہ وہ اپنا تمام مال و آسباب اور حرم جہاں چاہے لیجائے۔
اور رخصت کے وقت نورالدین والئے کیفا کو شہر کا گورنر مقرر کر دیا۔

سلطان ابھی آمد ہی میں مقیم تھا کہ اسے حلبی لشکر کی نصرانیوں کے
ساتھ مل کر اسلامی مقبوضات کو تاخت و تاراج کرنے کی اطلاع ملی۔ یہ خبر پاکر
سلطان کوچ کرتا ہوا مقام "تل خالد" پر جو اطراف حلب میں ایک قلعہ تھا
پہونچا۔ اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن "تل خالد" کے باشندوں نے دوسرے
روز ہی شہر کے دروازے کھولدیئے اور سلطان سے رحم کے اُمیدوار ہوئے۔
سلطان نے شہر پر قبضہ کر کے اہل شہر کو امان دی۔ تل خالد سے کوچ کر کے
سلطان مقام غیتاب پر جو حلب کے قرب وجوار میں تین منزل پر واقع تھا
آپہونچا۔ غیتاب ایک تجارتی شہر تھا۔ سلطانی لشکر کے نمودار ہوتے ہی
"ناصرالدین محمد" جو یہاں قلعدار تھا سلطان کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ اور
نذر پیش کی۔ سلطان ناصرالدین محمد سے بڑے تلطف سے پیش آیا۔
غیتاب کی تسخیر کے بعد سلطانی لشکر پھر ایک بار حلب کے سامنے جبل جوشن پر
خیمہ زن ہوا۔ اہل حلب اپنے نئے حکمران عمادالدین زنگی سے ناراض تھے۔
اور یہ جوڑ توڑ کر رہے تھے کہ وہ کسی طرح اپنے شہر سنجاور کو واپس چلا جائے۔
ادھر سلطان حلب فتح کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ آخر کچھ گفت و شنید
کے بعد صلح ہو گئی اور فریقین میں عہدنامہ ہو گیا۔ اس عہدنامہ کی رُو سے
حلب سلطانی مقبوضات میں شامل کر دیا گیا۔ اور سلطان نے
عمادالدین زنگی کو سنجاور۔ قرقی۔ مزارع اور خالور کا علاقہ واپس دیدیا۔
چنانچہ ۱۲ جون کو حلب پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ حلبی فوج نے "جبل جیوش" کے

میدان میں سُلطان کی سلامی اُتاری اور اہل شہر نے بڑی دھوم دھام سے سُلطان صلاح الدین کا خیر مقدم کیا۔ سُلطان نے اُمرائے دولت کو خلعت اور انعام عطا فرمایا۔

اہل حلب عماد الدین زنگی سے اس قدر بگڑے ہوئے تھے کہ حلب پر سُلطان کے قبضہ ہونے کے دُوسرے ہی دِن کُھلے بندوں اس پر آوازے کسنے لگے۔ آخر سُلطان نے ۱۷ جون کو دربار عام میں "عماد الدین زنگی" کو علاوہ بیش قیمت انعامات کے ایک فاخرہ خلعت عطا فرمایا اور سنجار کی طرف جانے کی اجازت عطا فرمائی۔

ان معرکوں میں سلطان کا عزیز بھائی "تاج الملوک" زخمی ہو گیا تھا۔ یہ بڑا شہسوار۔ شجاع اور رحمدل شہزادہ تھا۔ صلاح الدین کو جب اس کے زخمی ہونے کی خبر ملی تو فوراً عیادت کے واسطے اُس کے پاس گیا اور محبت سے کہنے لگا "حلب ہم نے تمہارے لئے فتح کیا ہے۔ اب جلد اچھے ہو جاؤ"

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اہل حلب نے سُلطان کی ایک بڑی شاندار دعوت کی تھی۔ عین کھانے کے وقت سلطان کو اپنے عزیز بھائی کے مرنے کی خبر ملی۔ سُلطان کو سخت صدمہ ہُوا۔ لیکن صبر و شکر کا یہ حال تھا کہ وہ خاموش اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ تاکہ اور مہمان بے لُطف نہ ہوں۔ یہ صبر صرف مُسلمانوں ہی کو قدرت سے عطا ہُوا تھا۔

حلب پر قبضہ ہو جانے سے صلاح الدین عالم اسلام کا ایک زبردست شہنشاہ بن گیا۔ دریائے دجلہ سے دریائے نیل تک اور افریقہ کے ساحل سے طرابلس تک تمام مسلمان متحد ہو گئے۔

۱۱۸۳ء میں سلطان نے نصرانی قیدیوں کے متعلق جو خط پوپ کو یورپ میں بھیجا۔ اُس میں اپنی فتوحات کا ذکر بھی کیا تھا۔

اب سلطان کو موصل کی جانب سے بھی کوئی خدشہ نہ رہا تھا۔ اور سلطان قونیہ سے دوستانہ مراسم قائم ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی عسقلان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ باقی تھا۔ لیکن اب اس مرد غازی کی آنکھیں بیت المقدس پر جمی ہوئی تھیں۔

سلطان کو خوب معلوم تھا کہ وہ پاک شہر یعنی "بیت المقدس" جسے فاروق اعظم نے فتح کیا تھا اس کی مملکت سے بہت دُور سمندر پار ہے۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ بیت المقدس کی حفاظت کیلئے ہزاروں زرہ پوش صلیبی سردار شہر میں موجود ہیں۔ وہ یہ بھی خوب سمجھتا تھا کہ یورپ اور ایشیا کے عیسائی تاجدار "بیت المقدس" کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے جانیں قربان کرنے پر آمادہ بیٹھے ہیں۔ یہ سب کچھ تو تھا۔ لیکن جب اس مجاہد اعظم کو یہ خیال آتا کہ اس مقدس شہر میں نعرہ توحید کی بجائے گھڑیال اور ناقوس کی آواز بلند ہوتی ہے تو اس کے خرمن دل پر ایک بجلی گر تی۔ اس کا چہرہ اسلامی جوش سے تمتمانے لگتا۔ اور ہاتھ بے ساختہ تلوار کے قبضہ پر پڑتا۔ سلطان صلاح الدین دل سے عہد کر چکا تھا کہ وہ "بیت المقدس" کو دُشمنانِ اسلام سے جب تک آزاد نہ کرا لیگا۔ دُنیا کا عیش و آرام اس پر حرام ہو گا۔

شام

سلطان صلاح الدین یوسف متواتر دو ماہ تک حلب میں مقیم رہا۔ اس

تمام عرصہ میں وہ مُلکی اِنتظامات میں مشغول رہا۔ گذشتہ محاربات میں جن لوگوں نے ہمت اور دلاوری دکھائی تھی اُن کو انعامات اور جاگیریں عطا کیں۔ ملک کو مختلف صُوبوں میں تقسیم کرکے ان پر گورنر مقرر کئے ان انتظامات سے فارغ ہوکر ۱۴ راگست ۱۱۸۳ئہ کو مراجعت فرمائے دمشق ہُوا دمشق کو اپنی تمام مملکت کا دارالخلافہ بنایا۔ اور تادمِ حیات یہیں رہا۔

دمشق کا بہادر گورنر جنرل "فرخ شاہ" دامن خاک میں رُوپوش ہوچکا تھا اور سلطان بذات خاص دُور افتادہ مُلکوں کی تسخیر میں مشغول تھا۔ نصرانی بے خطر ہوکر پھر شرارتوں پر آمادہ تھے۔ ان کے حوصلے یہاں تک بڑھے ہوئے تھے کہ دمشق کے قرب وجوار میں بھی لوُٹ مار کا بازار گرم کرتے تھے۔ فصلوں کو جلا دیتے تھے۔ اور بے کس لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے تھے۔ عیسائیوں کے حوصلے اَب اس قدر بڑھ گئے تھے کہ رگنلڈ چیٹیلان ارض پار پر حملہ کرنے اور مکہ معظمہ کی تسخیر کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور اس مقصد کے واسطے اُس بدبخت نے عسقلان سے خلیج عقبیہ کی طرف سے اپنے جنگی جہازوں کا بیڑا بھی روانہ کردیا۔ اور بحیرہ قلزم کے سواحل پر لوُٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے دو جنگی جہازوں نے مقام ایلیا کا بھی محاصرہ کیا ہوُا تھا۔

جب مصر میں ان واقعات کی خبر پہونچی تو سُلطان کا مشہور امیر البحر لوُلوُ مصری بیڑہ لے کر برق و باد کے طوُفان کی طرح گرجتا ہوُا نصرانیوں پر جا پڑا۔ اور بحیرہ قلزم پر بندرگاہ آل ہارد پر جہاں سے عیسائی مدینہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یورش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ان کو جادبوچا۔ مصری بیڑہ دیکھتے ہی صلیبی سُور ما جو دو دھاری تلواریں باندھ کر آئے تھے جہازوں سے نکل نکل کر

ساحل کی طرف بھاگے اور پہاڑوں میں پناہ گزین ہونے لگے۔
امیر البحر لولو نے مجاہدین اسلام کو ساحل پر اتار کر پہاڑوں کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ مجاہدین بلائے آسمانی کی طرح عیسائی بھگوڑوں پر پل پڑے اور رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر کی گستاخی کرنے والوں کو پکڑ پکڑ کر کیفر کردار کو پہونچانے لگے۔
ابن اثیر اور ابو شامہ دونوں کا بیان ہے کہ رگنالڈ چیٹیلان بہ صد مشکل جان بچا کر بھاگا۔ لیکن اس کے لشکریوں میں سے جو کوئی بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا اُس کے ٹکڑے اُڑا دیئے گئے۔
کلمہ گوؤں کے جوش اور غضب کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ دیوانہ وار دشمنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرتے تھے۔ یہ خوفناک سزا صرف اس لئے دی جاتی تھی کہ کیوں ان نابکاروں نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔
مصر میں جب عوام الناس کو نصرانیوں کی اس پاجیانہ حرکت کا علم ہوا تو لوگ گروہ در گروہ بازاروں میں گھوم گھوم کر "انتقام" "انتقام" پکارنے لگے لیکن جب انہیں امیر البحر لولو کے ان شیاطین کو عبرتناک سزا دینے کی خبر پہنچی تو ان کا غصہ فرو ہوا۔

سلطان صلاح الدین کو بھی عیسائی لٹیروں کی اس حرکت سے بڑا طیش آیا۔ اور اس نے بھی اس گستاخی کی عبرتناک سزا دینے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ حلب میں جن سپاہیوں کو اپنے گھروں کی طرف واپس جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ ان سب کو فوراً بلا لیا اور پھر ایک جرار لشکر کے ساتھ

صلاح الدین غازی شیر نیستاں کی طرح غصہ سے دھاڑتا ہوا دریائے اردن عبور کر کے ۲۹ر دسمبر کو بیسان کے نصرانی علاقہ میں داخل ہو گیا۔ اور چاروں طرف قیامت برپا کر دی۔

نصرانیوں کی گستاخی کی سزا میں ان کے شہروں کو جلا کر خاک کر ڈالا۔ اور پھر اسی طرح یورش کرتا ہوا وادی جزریل میں داخل ہو کر کوہستانِ "گل بوا" کے دامن میں "چاہ جالوت" کے مقام پر جا کر خیمہ زن ہوا۔

بوڑھے بوڑھے شیرانِ اسلام جو سلطان نورالدین زنگی کے ہمرکاب عیسائیوں کے خون سے اپنی تلواریں رنگ چکے تھے نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے ملک میں چاروں طرف پھیل گئے اور نصرانیوں کا ستھراؤ کرنے لگے۔

اسی اثنا میں ایک نصرانی لشکر سے جو کرک کی جانب سے بالڈون بادشاہ یروشلم کی کمک کو آرہا تھا ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ ۳۰ر ستمبر کو مجاہدین اسلام نے اس نصرانی لشکر کو صفوریہ کے چشموں کے پاس زک دیکر بھگا دیا۔

ادہر "گائی لوسگنن" جو ایک بڑا بہادر اور نامور عیسائی سردار تھا اور اس وقت تمام نصرانی لشکر کا قائد اعظم تھا۔ نزرتھ کی پہاڑیوں سے ہٹ کر اسڈرلان کے میدان میں اپنا تمام لشکر لے آیا اور سلطان کا انتظار کرنے لگا۔

مشہور مؤرخ عماد الدین لکھتا ہے کہ آج تک کسی نے سرزمین فلسطین میں فوجوں کا اِس قدر اجتماع نہ دیکھا تھا۔ نصرانی لشکر میں تیرہ سو نامی گرامی عیسائی سردار اور اِن کے ٹڈی دَل لشکری تھے۔ جو محض لوٹ مار کے لئے دُور دراز کے علاقوں سے آکر جمع ہو جاتے تھے۔

ان کے علاوہ باقاعدہ قواعد دان فوج کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔ یہ سب

زرہ پوش تھے۔ان کے علاوہ یورپ کے نامی گرامی سردار "ہنری ڈیوک آف لعوین"
اور "راف ڈی میلان" عالی نسب شہزادے اپنے لشکروں کے ساتھ
موجود تھے۔اسی طرح فلسطین کے نصرانی تاجدار "گائی ڈی لوسگنن"۔
"رگنلڈ چیٹیلان"۔ بالڈون اور بالین۔"رگنلڈ آف سیڈان"۔ والڈ اور جوسیلین۔
اور سرداران کورٹینی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ موجود تھے۔ولیم آف ٹائر
لکھتا ہے کہ "تمام نصرانی مرنے مارنے پر تلے ہوتے تھے۔ اور بڑے بڑے
سامان لے کر میدان میں آتے تھے۔ اس تمام لشکر کا افسرِ اعلےٰ
"گائی ڈی لوسگنن" تھا۔جو اپنے وقت کا سب سے جری اور تجربہ کار سردار
تھا۔عیسائیوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے کم نہ تھی"۔ سلطان کو جب اس عیسائی
لشکر کا علم ہوا تو بجلی کی طرح تڑپ کر ان پر آپڑا۔آمنے سامنے ہوتے ہی
دونوں لشکر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے۔وہ گھمسان کا رن
پڑا کہ تھوڑی ہی دیر بعد خون کی ندیاں بہنے لگیں۔
زرہ پوش صلیبی سردار دیوار آہنی کی طرح پرا جمائے کھڑے تھے۔
سلطان نے پانسو آزمودہ سواروں کو ان کی طرف بڑھایا۔ان مشتاقانِ
شہادت نے جانیں فدا کر دیں۔لیکن اس دیوار آہنی کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔
دوران جنگ میں اٹلی اور وینس کے سوداگر جو اپنے جہازوں میں تھے نصرانی
بھائیوں کی مدد کے لئے آگئے تھے۔لیکن ع

سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

لڑائی اسی طرح ہو رہی تھی کہ رات کی تاریکی نے طرفین کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔
اگلے روز عیسائیوں کو ہاتھ اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوا۔بلکہ گربہ مسکین کی طرح
خیموں میں دبے بیٹھے رہے۔پانچ دن اسی طرح گذر گئے۔مجاہدین نے

اِرد گرد کی پہاڑیوں پر قبضہ کر کے نصرانیوں کے وسائل آمدورفت پر قبضہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے نصرانیوں کو بہت جلد پانی اور خوراک کی قلت محسوس ہونے لگی۔ سلطان نے کئی کئی طرح سے ان کو جنگ پر آمادہ کرنا چاہا۔ لیکن کسی کو شیرِ اسلام کے سامنے کان پھڑکنے کی جُرأت نہ ہوئی۔

ولیم آف ٹائر خود اس بات کا اقبال کرتا ہے کہ سلطان نصرانی سرداروں کو للکارتا تھا۔ لیکن یہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوتے۔

آخر نصرانی چُپکے چُپکے بھاگنے لگے۔ عساکر اسلام نے تعاقب کیا تیروں اور برچھیوں سے چھید چھید کر مقابلہ پر اُبھارا۔ لیکن عیسائیوں کو زندگی راہ فرار ہی میں نظر آئی۔ قولہ کے مقام تک مسلمانوں نے ان بھگوڑوں کا تعاقب کیا۔ ایک ہفتہ کے بعد تمام نصرانی لشکر اور عالی مرتبت شہزادے [illegible] یہی پہلو مسلمانوں سے جان بچا کر صفوریہ میں پناہ گزین ہوئے۔

اس کامیابی کے بعد سلطان دمشق واپس آگیا۔ اور چند روز آرام کرنے کے بعد رگنلڈ چیٹیلان کو اس کی گستاخی اور دیدہ دلیری کی سزا دینے کے لئے "کرک" کی جانب بڑھا۔

مصر سے سلطان کا بھائی الملک العادل صلاح الدین کے دمشق سے چلنے سے پیشتر ہی "رگنلڈ چیٹیلان" کی گوشمالی کے لئے "کرک" کی طرف ایک زبردست فوج کے ساتھ بڑھا چلا آرہا تھا۔ مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر پاکر "رگنلڈ چیٹیلان" موش کوہی کی طرح اپنے بل میں گھس گیا۔ ساتھ ہی سلطان کو یہ خبر پہنچی کہ عیسائی مصر کا راستہ روکے پڑے ہیں اور کسی قافلہ کو ادھر سے [illegible] نہیں دیتے۔ وہ یہ خبر سن کر کرک سے ہٹ کر مصر کی طرف لوٹا اور

یلغار کرتا ہُوا ان صلیبی لٹیروں کے سر پر جا پہونچا اور ان کو بھگا کر راستہ صاف کر دیا۔

۱۴ اگست ۱۱۸۴ء کو پھر کرک کی طرف متوجہ ہوا سلطان کے حکم سے اس کا بھائی الملک العادل نورالدین بھی اپنے لشکریوں کے ساتھ آپہونچے۔ اور پہلے ہی حملہ میں شہر ربظ پر جو کرک کے مضافات میں سے ہے قبضہ کر لیا۔

ارنول مشہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ ان دنوں رگنلڈ چیٹیلان کی ہمشیرہ کی ہمفری شہزادہ ٹوران کے ساتھ شادی رچی ہوئی تھی۔ رگنلڈ اس موقع پر یہ چال چلا۔ کہ اس نے سلطان کے پاس تحائف اور بہت عمدہ عمدہ پھل بھیجکر اسے بھی شادی میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ سلطان نے پھل وغیرہ قبول کر لئے اور عساکر اسلامی کو قلعہ پر حملہ کرنیسے روک دیا۔ تاکہ شہزادی کی شادی بخیر و خوبی ہو جائے۔

سلطان تو شہر میں مقیم تھا اور اہل قلعہ شادی کی رسُومات کے پردے میں جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ آخر جب شہزادی رخصت ہو چکی تو پھر جنگ شروع ہوئی۔

شہر اور قلعہ کے درمیان ایک ساٹھ گز عمیق خندق تھی۔ ہر روز اس خندق پر نصرانی اور مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتے۔ دشمن قلعہ کی دیواروں پر سے محاصرین پر منجنیقوں کے ذریعے تیر اور پتھر پھینکتے تھے اور ساتھ ہی بادشاہ بالڈون کے پاس مدد کے لئے قاصد دوڑا رہے تھے۔ چنانچہ سلطان کے جاسوسوں نے اسے ایک روز ایک نصرانی لشکر کے آنے کی اطلاع دی۔ سلطان قلعہ سے محاصرہ اُٹھا کر عساکر اسلام کے ساتھ

بالڈون کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ نصرانی سلطان کی آمد آمد کی خبر سنکر مقابلہ سے ٹل گئے۔ دو روز تک سلطان ان کی پیشقدمی کا منتظر رہا۔ آخر تیسرے روز خود دشمن کی طرف فوج کو بڑھنے کا حکم دیا۔ اور دو تین منزل آگے بڑھکر بھی جب دشمن کا پتہ نہ ملا۔ تو سلطان نے اور آگے بڑھ کر شہر نابلس پر جو فلسطین میں ایک نہایت بارونق شہر تھا قبضہ کر لیا۔ مجاہدین اسلام نے نصرانیوں کی تادیب کے لئے شہر کے اکثر کوچہ و بازار کو جلا دیا۔ پھر نابلس سے چل کر شہر سبسطیہ پر جو دو منزل آگے تھا قبضہ کر لیا۔ اور ۱۶ ستمبر ۱۱۸۴ء کو عساکر اسلام فتح مندی کے شادیانے بجاتا ہوا دمشق کی طرف لوٹ گیا۔

ان فتوحات کے بعد سلطان اور نصرانیوں کے درمیان کچھ عرصہ تک ہنگامی صلح رہی۔ ۸۵-۱۱۸۴ء کے درمیان بالڈون بادشاہ یروشلم نے انتقال کیا۔ اور اس کا خورد سال بیٹا "بالڈون پنجم" کے لقب سے اس کا جانشین ہوا۔ اور کونٹ ریمانڈ والئے طرابلس "نائب السلطنت" مقرر ہوا۔ اس تقرر سے "گائی ڈی لوسگنن" کونٹ ریمانڈ کا حریف بن گیا۔

صلیبی محاربات کے بارے میں نصرانیوں میں اختلاف رائے تھا۔ بعض مسلمانوں سے لڑنے کے حق میں تھے اور بعض اس کے خلاف۔ تھے لیکن صلیبی سرداروں کے دو مشہور گروہ نائٹ ٹمپلرز اور نائٹ ہاسپٹلرز لڑائی پر تلے ہوئے تھے۔

آخر یہی فیصلہ ہوا۔ کہ سلطان سے عارضی طور پر صلح کر لی جائے اور اس اثنا میں جنگی فوجی تیاریاں مکمل کر لی جائیں۔ چنانچہ ایک عہدنامہ کی رو سے

چار سال کی ہنگامی صُلح فریقین کے درمیان ہو گئی۔
لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ صُلح بھی برائے نام ہی ثابت ہوئی کیونکہ نصرانی اپنی حرکتوں سے اَب بھی باز نہیں آتے تھے۔
یورپ میں مُسلمانوں کے خلاف لوگوں کو طرح طرح سے اُکسایا جا رہا تھا اور مسیح کا واسطہ دلا دلا کر تاجداروں سے مدد کی درخواست کی جاتی تھی۔ ادھر سرداران ٹمپلر اور ہاسپٹل مُلک میں دَورہ کر کے لوگوں کو جنگ پر اُبھار رہے تھے۔
جنگ و جدل کا کوہ آتش فشاں گو اس وقت خاموش تھا لیکن لاوا کی ہولناک موجیں اس کے سینہ میں ضرور تلاطم خیز تھیں جن کی وجہ سے گاہے گاہے خوفناک جھٹکے محسوس ہونے لگتے تھے۔ اور یہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ یہ پہاڑ کسی دن پھٹ کر مُلک میں تباہی اور بربادی کے دریا بہا دے گا۔
سُلطان نصرانیوں کی طرف سے غافل نہ تھا۔ وہ بھی مجاہدین اسلام کی تنظیم میں مشغول تھا۔ اور ساتھ ہی مُلک کے انتظام میں بھی لگا ہوا تھا۔ ہفتہ میں دو بار دربار کرتا اور دادخواہوں کی فریاد خود سُنتا۔ قاضی الفضل عماد الدین اور علامہ بہاؤ الدین جیسے فرزانہ روزگار آدمی اس کے مصاحب تھے۔
عماد الدین اصفہانی سلطان کا سکرٹری آف سٹیٹ تھا۔ یہ شخص علم و فضل اور سیاست میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ یہی عماد الدین تمام شامی سلطنت کا چانسلر (وزیر اعظم) اور کونسل آف سٹیٹ (مجلس مشاورت) کا صدر اعظم بھی تھا۔

نصرانیوں سے کھُلے طور پر تو بدعہدی کی اُمید نہ تھی۔ لیکن موصل کا سیاسی مطلع کچھ عرصہ سے مکدّر ہو رہا تھا۔ اور اَب مجبوراً سُلطان کو

موصل کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا۔ ۱۲ محرم ۵۸۱ھ میں سُلطان نے سیف الدین کی سرکردگی میں ایک لشکر کو موصل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اور خود حرآن کے علاقہ کی طرف بڑھا۔ مظفرالدین والئے حرآن سُلطان کو ہمیشہ موصل پر فوجکشی کرنے کی ترغیب دیتا رہتا تھا اور اخراجات جنگ کے لئے بہت سا روپیہ پیش کرنے کا وعدہ بھی کرتا تھا۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو وہ ایفائے وعدہ نہ کرسکا۔ اس سے سُلطان کو کچھ شُبہ پیدا ہوا۔ سلطان نے حرآن پر قبضہ کرکے مظفرالدین کو زیر حراست کرلیا۔ حرآن وہ قدیمی شہر تھا جو طوفان نوحؑ کے بعد سب سے پہلے آباد ہوا تھا۔ تحقیقات سے مظفرالدین جب بے گناہ ثابت ہوا۔ تو سُلطان نے اسے خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ اور اس کا مُلک اس کے حوالے کردیا۔

حرآن میں ایک دو روز قیام فرمانے کے بعد سلطان موصل کی طرف بڑھا۔ موصل کے اتابک نے سلطان کی آمد کی خبر پاکر اپنی والدہ اور چچیری بہن یعنی سلطان نورالدین زنگی کی اُس صاحبزادی کو جس کے کہنے پر سلطان نے قلعہ اعزاز واپس دیا تھا اپنی سفارش کے لئے سلطان کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان نے ان کا بڑی عزت و احترام سے استقبال کیا۔ ممکن تھا کہ ان کی سفارش کارگر ہوتی۔ اور سلطان موصل سے واپس لوٹ جاتا۔ لیکن اس موقع پر ارکین دربار نے مخالفت کی۔ اور ایک منچلے صاف گو آدمی نے تو یہ بھی کہدیا کہ ایک عورت کے کہنے پر موصل سے بیشتر دو دفعہ دستبردار ہو جانا خلاف مصلحت ہوگا۔ چنانچہ سلطان اپنے رفقا اور اُمرا کے مشورے سے مجبور ہوکر ان عالی نسب شہزادیوں کو بہت قیمتی تحائف دے کر بڑی عزت و احترام کے ساتھ واپس بھیجا دیا اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔

موصل کے لوگ جب مایوس ہوئے تو بڑی بہادری سے مادرِ وطن پر جانیں قربان کرنے لگے۔ سلطان گو محاصرہ پر جما ہوا تھا۔ لیکن دل میں اس بات سے نادم بھی تھا کہ اس نے اپنے ولی نعمت کی بیٹی کو یوں بے نیل و مرام واپس بھیج دیا ہے۔ وہ موصل سے واپس چلے جانیکی ترکیب تو سوچتا تھا۔ لیکن کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

اسی اثنا میں آرمینیا کے تاجدار کے انتقال کی خبر پہونچی۔ سلطان نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ارباب شوریٰ سے مشورہ کر کے موصل سے محاصرہ اٹھا کر اخلاط کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے ناصر الدین بن شیرکوہ کو اخلاط کی طرف بطور ہراول بڑھنے کا حکم دیا۔ اور خود باقی ماندہ لشکر کے ساتھ میافارقین کے راستہ سے اخلاط کی طرف پیشقدمی شروع کر دی۔ اور چند ایک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں پر میافارقین پر قبضہ کر لیا۔

گرمی کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ اور بارشیں کثرت سے ہونے لگی تھیں۔ موسم کے تغیر کے ساتھ ہی سلطان بیمار ہو گیا۔ بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ دشمن کو ادھر ہی چھوڑ کر شاہی اطبا کے مشورے سے وہ تبدیل آب و ہوا کے لئے حران چلا گیا۔ اور اپنے ایک دوست کے ہاں مہمان ہوا۔

سلطان کی بیماری کی خبر پا کر مصر سے اس کا بھائی "ملک العادل" بڑے تجربہ کار اور حاذق طبیب ساتھ لے کر اس کے پاس پہونچ گیا۔ بہت دنوں کے علاج کے بعد سلطان کی طبیعت سنبھلی۔

فروری ۱۱۸۶ء میں موصلی سفرا باریاب ہوئے۔ یہ پہلا دن تھا کہ زہنی مدت کے بعد غسل کر کے سلطان دربار میں آیا تھا۔ موصلی سفرا پیغام صلح لے کر حاضر ہوئے تھے۔ کچھ گفتگو کے بعد اس شرط پر صلح ہو گئی

کہ عزالدین اپنے تمام مفتوحہ ممالک میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھوائے۔ اور سکّہ بھی اسی کے نام سے ضرب ہو۔

اس کے علاوہ بطور تاوان جنگ شہرزور اور ولایت زابلی سلطانی مقبوضات میں شامل کر دی جائیں۔ ۳ مارچ ۱۱۸۶ء کو سلطان نے اس عہدنامہ پر دستخط کر دیئے۔ اور اس عہدنامہ کی رُو سے تمام شمالی عراق اور کُردستان کا کچھ حصّہ سلطان کے قبضہ میں آ گیا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر صلاح الدین یوسف آہستہ آہستہ سفر کرتا ہُوا حرّان سے چل کر دمشق آ گیا۔

سُلطان کی علالت کی خبر سُنکر اہل دمشق بہت پریشان تھے۔ اس کے آنے پر اہل شہر نے بڑی دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا اور مساجد میں اس کے لئے دُعائیں مانگی گئیں اور رات کو شہر میں چراغاں کیا گیا۔

جہاد

گو ہنگامی صلح کی میعاد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن نصرانی کُھلے بندوں مخالفت پر تُلے ہوئے نظر آتے تھے۔ سُلطان صلاح الدین کو ان کی گیدڑ بھبھکیوں کا کچھ خوف نہ تھا۔ شمال کی جانب سے میدان بالکل صاف ہو چکا تھا۔ اور تمام تاجدار سُلطان کا لوہا مانتے تھے۔ اور کسی نہ کسی صورت میں خراج ادا کرتے تھے۔ دمشق اور مصر کے علاوہ اب عراق سے بھی کمکی فوجیں طلب کی جا سکتی تھیں۔ اسی طرح تاجدار موصل۔ والئے سنجار۔

والئے جزیرہ۔ والئے اربل اور حکمرانِ حران کے علاوہ دریائے دجلہ کے اس پار رہنے والی کُرد اقوام سلطان کی صدا پر لبیک کہنے کو تیار رہتے۔
سُلطان کی رگ و پے میں جہاد کا شوق بھرا ہوا تھا۔ لیکن وہ کبھی پیشقدمی اور سبقت نہیں کرتا تھا۔ بلا وجہ کسی دُشمن پر یورش کرنا اس کے اصول کے خلاف تھا۔ یہ صرف دستِ قدرت تھا جو ایسے اسباب مُہیا کر دیتا تھا کہ سلطان کو اس طرف متوجہ ہونا پڑتا۔
کونٹ رگنلڈ چیتیلان والئے کرک نے جس کی سرشت میں بدعہدی۔ دغابازی اور مکر و فریب تھا باوجود عہد و پیمان کے حجاج کے ایک قافلہ کو جب اس کے مقبوضات کے قرب و جوار سے گذر رہا تھا۔ گرفتار کر لیا یہ ۱۱۷۹ء کا واقعہ ہے۔
سُلطان اس وقت مصلحت سمجھکر خاموش رہا۔ اور یہ دیکھنے کیلئے کہ باقی نصرانی تاجدار کونٹ کے اس فعل پر کیا عمل کرتے ہیں۔ عیسائی مؤرخ یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک قافلہ اس کے قلعہ کے قرب و جوار میں سفر کی درماندگی دُور کرنے کے لئے قیام پذیر تھا۔ رگنلڈ نے بدعہدی کر کے قافلہ کا مال و اسباب لُوٹ لیا۔ اور اہل قافلہ کو قید کر لیا۔ تقریباً دو لاکھ اشرفیاں چھین لیں۔
یروشلم کے بادشاہ بالڈون کو جب کونٹ کی اس حرکت کا عِلم ہُوا تو اُس نے اپنا سفیر اس کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ وہ اہل قافلہ کو آزاد کر دے۔ اور تمام مال و اسباب اور نقد روپیہ واپس کر دے۔ رگنلڈ نے بادشاہ کے سفیروں کو دربار سے رُسوا کر کے نکلوا دیا۔
۱۱۸۲ء میں رگنلڈ نے ایک اور بھی قبیح حرکت کی اور وہ یہ تھی کہ سرزمین

پاکِ حجاز کی تسخیر کے لئے چڑھ دوڑا۔ لیکن ۱۱۸۶ء میں جب نصرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو گئی اور مسلمانوں کے قافلے بلا خوف خطر مصر اور شام میں سفر کرنے لگے۔ تو کچھ عرصہ تو امن وامان سے گذر گیا۔ لیکن اسکے بعد ایک موقع پر کونٹ رگنلڈ نے مسلمانوں کا ایک بہت مالدار قافلہ جو اس کے مقبوضات کے پاس سے گذر رہا تھا لوٹ لیا۔ اس قافلہ میں سلطان کی ایک ہمشیرہ بھی سفر کر رہی تھی۔ قافلہ والوں نے کونٹ کی بہت منت سماجت کی۔ لیکن اس بدبخت نے جواب میں کہا بھی تو یہ کہا۔

"جاؤ اپنے اللہ اور محمدؐ کو مدد کے لئے بلاؤ"

سلطان کو جب اس گستاخانہ جواب اور اپنے خویش واقارب کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی رسوائی کی خبر پہونچی تو اس نے سر دربار حلف اُٹھا کر یہ عہد کیا کہ وہ اس بیباک نصرانی کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔

نصرانی مورخوں کا بیان ہے کہ کونٹ رگنلڈ کی یہ حرکت یروشلم کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔ سلطان پہلے بھی کئی بار کونٹ کے دارالخلافہ کرک پر حملہ کر چکا تھا۔ لیکن ہمیشہ ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ لیکن اب سلطان نے ایشیا کی تمام نصرانی سلطنت پر حملہ کرنے کی نیت کر لی۔ چنانچہ اپنے بھائی "الملک الفضل" کو مصر سے بلا کر دمشق کا انتظام اس کے سپرد کیا۔ اور مملکت مصر کا انتظام ملک العادل اور ملک العزیز کے سپرد کیا۔ یہ دونوں اس وقت حلب میں تھے۔ اور ایک جرار لشکر کی تیاری کی تاکید کر کے مصر بھیج دیا۔ اسی طرح حلب کی حکومت پر الملک الظاہر کو مامور فرما کر ایک فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ مکمل انتظامات سے۔

فارغ ہو کر مارچ ۱۱۸۷ء میں سلطان نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ اور مفتوحہ ممالک کے گورنروں۔ والیوں اور واتسراؤں کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے لشکروں کے ہمراہ علم سلطانی کے نیچے جمع ہو جائیں۔ اس فرمان کے پہنچتے ہی ہر طرف سے مجاہدین اسلام کی فوجیں دمشق کی طرف روانہ ہونے لگیں۔
سلطان نے تمام ملکی لشکر کی کمان "افسر الملک الفضل" کے سپرد کر کے اسے نصرانی سرحد کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اور خود مجاہدین اسلام کی ایک زبردست جمعیت کے ساتھ کرک کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔
اس موقع پر حجاج کا کارواں عساکر سلطانی کی موجودگی کے باعث کرک کی سرحد پر سے بلا خوف و خطر گذر گیا۔ مجاہدین اسلام نے کونٹ رگنلڈ کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ لیکن کونٹ اپنے قلعہ سے مقابلہ کے لئے باہر نہ آیا۔ سلطان عشاطرہ کے مقام پر خیمہ زن ہو کر اس لشکر کا جو مصر کی جانب سے آ رہا تھا انتظار کرنے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نصرانی خانگی جھگڑوں میں الجھ رہے تھے۔ یروشلم کا خوردسال بادشاہ بالڈون پنجم کچھ عرصہ بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔
بادشاہ کے مرنے کے بعد کونٹ جوسیلن والئے کورٹنی اور کونٹ رگنلڈ چیٹیلان والئے کرک نے سردارانِ ٹمپلر کے سردار اعظم سے جسے ماسٹر آف دی ٹمپلر کہتے تھے الملک کی بڑی بیٹی شہزادی سبیلا کو یروشلم کے تخت پر بٹھلا دیا۔ شہزادی سبیلا کی شادی کونٹ "گائی لوسگنن" سے ہوئی تھی۔ شہزادی نے امرائے دولت کے مشورہ سے تاج اپنے خاوند کو پہنا دیا۔ اور دیگر باجگزار شہزادوں نے بھی اسے تاجدار تسلیم کر لیا۔

لیکن کونٹ ریمانڈ والئے طرابلس نے جس کی ان دونوں سلطان سے صلح تھی اور دونوں میں یہ عہد و پیمان ہو چکا تھا کہ بحالتِ جنگ ایک دوسرے کی فوج سے مدد کریں گے "گائی لوسگنن" کی مخالفت کی اور بادۂ المرک کی چھوٹی شہزادی کے شوہر کونٹ ہمفری والئے ٹوران کو تخت پر قبضہ کر لینے کی ترغیب دی۔ کونٹ ریمانڈ کی یہ تجویز کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ ہمفری نے گائی لوسگنن کو تاجدار تسلیم کر لیا۔ ادھر کونٹ ریمانڈ اور کونٹ بالڈون والئے رملا دونوں نے گائی کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مشہور سوانح نگار ابو شامہ۔ عماد الدین اور عیسائی مورخ ارنول لکھتے ہیں کہ سبیلا اور گائی لوسگنن نے کونٹ ریمانڈ کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے طرابلس پر چڑھائی کر دی۔ سلطان نے حسب وعدہ ایک زبردست فوج کونٹ ریمانڈ کی مدد کے لئے بھیجدی۔ لیکن لڑائی تک نوبت نہ پہونچی اور یہ خانگی قضیہ یوں ہی رفع دفع ہو گیا۔

سلطان جہاد کے لئے تمام انتظامات درست کر چکا تھا۔ اب سلطان نے اپنے بڑے بیٹے الملک الفضل کو طبریہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ابھی کونٹ ریمانڈ اور گائی کے تعلقات ویسے ہی کشیدہ تھے کہ "الملک الفضل" نے کونٹ ریمانڈ سے دریائے جارڈان عبور کرکے نصرانی علاقہ میں گھومنے کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ کسی کے جان و مال کو نقصان نہیں پہونچایا جائیگا۔

کونٹ نے جو اپنی ریاست کی سلامتی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی کا راز

سُلطان کی دوستی میں مضر سمجھتا تھا بخوشی اجازت دیدی لیکن اِس شرط پر کہ ایک روز کی سیر و شکار کے بعد مُسلمان واپس آجاویں۔ کونٹ طے نے نصرانیوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔

شامی سردار اور ان کے لشکری اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے کہ اچانک سردار اعظم ٹمپلر (ماسٹر آف دی ٹمپلرز) اور سردار اعظم (گرینڈ ماسٹر آف ہاسپٹل ہاسپٹلرز) اپنے صلیبی بہادروں کی ایک جمعیت سے آنمودار ہوئے۔

آرنول لکھتا ہے کہ کونٹ طے سے اجازت لیکر "الملک الفضل" خود تو دریا کے کنارے خیمہ زن ہوا لیکن والئے حرّان کو دو اور نامی گرامی سرداروں کے ساتھ سات ہزار سوار دیکر دُشمن کا پتہ لگانے کیلئے بھیجدیا۔ یہ لوگ اِدھر اُدھر مزے سے گھوم رہے تھے کہ اچانک نصرانیوں کی فوج سے جس میں اکثر سرداران ٹمپلر اور ہاسپٹلر تھے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی۔

دراصل نصرانی سرداروں کو مُسلمانوں کے اس علاقہ میں گھومنے کی کسی طرح اِطلاع مل گئی تھی۔ ان لوگوں نے ریمانڈ کے وعدہ کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور جھٹ مُسلمانوں سے گتھم گتھا ہوگئے۔ اِس زور کا رَن پڑا کہ میدان تھوڑی ہی دیر میں لاشوں سے بھر گیا۔ نصرانی مُسلمانوں کے ہاتھوں سے اِس جنگ میں بُری طرح مارے گئے۔

آخر مُسلمان آہستہ آہستہ دریائے جارڈن کی طرف واپس لوٹے اور حسب وعدہ راستہ میں نہ تو کسی گاؤں کے باشندوں کو لوٹا اور نہ ہی مکانات کو جلایا۔

فرانسیسی مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں سے صرف تین نصرانی زندہ بچ کر بھاگ گئے۔ مشہور عیسائی مؤرخ ارنول لکھتا ہے کہ بہت سے نصرانی ہلاک ہو گئے اور جو بچے وہ اسیر کر لئے گئے۔ مقتولوں میں گرینڈ ماسٹر آف دی ہاسپٹلرز (یعنی فرقہ ہاسپٹلرز کا سردار اعظم) بھی تھا۔

قیدیوں میں چالیس نامی گرامی صلیبی سردار (نائٹ کروسیڈرز) تھے۔ مجاہدین مقتول سرداروں کے سر نیزوں پر چڑھائے ہوئے شہر میں سے چپ چاپ نکل گئے۔

اس واقع کی خبر جب نصرانی تاجداروں کو پہونچی تو سب کونٹ ریمانڈ کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ کونٹ نے بھی اس نقصان کی تلافی کے طور پر خطا ہر آ گائی ہو سکتی ہے صلح کر کے اسے تاجدار تسلیم کر لیا۔ کونٹ ریمانڈ و گائی ہنگین دونوں جب تمام لشکر کے ساتھ ایک ... سے پہلے بغلگیر ہوئے اور اب مل کر عساکر سلطانی کی روک تھام کی تدبیر

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ صفوریہ کے چشموں کے گرد و نواح میں تمام نصرانی لشکر جمع کر لیا جائے۔ اسی طرح ہنری شاہ انگلستان نے صلیبی محاربات کیلئے جو رقم انگلستان سے بھیجی تھی۔ اس سے ایک علیحدہ جمعیت فراہم کی گئی۔ اس لشکر کا فوجی نشان انگلستان کا قومی جھنڈا تھا۔

بارہ سو بڑے نامی گرامی صلیبی سردار بمع اپنے لاؤ لشکر کے اور اٹھارہ ہزار قواعد دان فوج اور اسی قدر سوار سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے ہوئے بنے سلطان کا راستہ روک کر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس موقع پر نصرانی لشکر کی تعداد پچاس ہزار سے کم نہ تھی۔

ادھر سلطان بھی جنگی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ حلب۔ موصل اور

دیگر باجگذار والیانِ مُلک سُلطان کے ہمرکاب تھے۔ علاوہ مجاہدین اِسلام کے ایک زبردست لشکر جواِسلام کے نام پر سر کٹوانا باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔ بارہ ہزار سوار جن میں سے ہرایک رستم واسفندیار کے نام کو زِندہ کرتا تھا خود سُلطان کی زیر کمان تھے۔

سُلطان نے تاسل کے مقام پر مجاہدین اسلام کا معائنہ کیا۔ اور گک بری والئے حرّان اور تقی الدین اپنے برادر زادہ کو دائیں بائیں کی کمان پر مامور کیا۔ اور باقی ماندہ سرداروں کے ہمراہ اپنے بارہ ہزار سواروں کے ساتھ لشکر کے قلب میں رہ کر ۲۶ جون ۱۱۸۷ء کو پیشقدمی شروع کی۔

عساکرِ اسلام پہلی شب جھیل گلیلی کے جنوبی کنارے پر خیمہ زن ہُوا۔ یہاں جاسوسوں نے سُلطان کو اطلاع دی۔ کہ صفوریہ کے میدان میں نصرانی لشکر مجاہدین اِسلام کا راستہ روکے پڑے ہے۔ یہ خبر پاکر سُلطان نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور یہ صلاح ٹھہری کہ خود آگے بڑھکر دُشمن پر حملہ کرنا چاہیئے۔ مجاہدین اسلام نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے دریائے جارڈن کو عبور کرکے صبیرہ کے مقام پر جا خیمہ زن ہوئے۔ اور سپیدۂ سحر کے نمودار ہوتے ہی اِس سلسلہ کوہستان کی ڈھلوانوں اور چوٹیوں پر جو شہر طبیرہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر تھیں متعین کر دیا۔ اور بذات خود سواروں کا ایک زبردست دستہ ہمراہ لیکر کونٹ ریمانڈ کے شہر پر بعد نماز صبح بادل کی طرح گرجتا ہُوا جا پہونچا۔ قلعہ میں کونٹ کی بیگم موجود تھی اس نے "گائی لوسگنن" کے پاس مدد کے لئے قاصد دوڑائے اور قلعہ کی فوج کو مقابلہ کے لئے اُبھارا۔ لیکن سُلطان کا نام سُنکر نصرانیوں کو گھروں سے اور سپاہ کو قلعہ سے سر نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مجاہدین نے شہر میں

گھس کر کونٹ کی عہد شکنی کی سزا میں شہر کے بڑے بڑے بازاروں کو آگ لگا دی۔ اور تمام شہر لوٹ لیا۔

بقول فرانسیسی مؤرخوں کے سلطان خود قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھا اور گرز مار مار کر اسے توڑ ڈالا۔ قلعہ میں داخل ہونے سے پیشتر سلطان نے اعلان کر دیا تھا کہ کونٹ ریمانڈ کی بیگم بچوں اور اس کے ذاتی مال و اسباب کو ہرگز نقصان نہ پہونچایا جائے۔

اسی اثنا میں سلطان کو گائی لوسگنن" اور اس کے نصرانی لشکر کی آمد آمد کی اطلاع ملی۔ سلطان نے کچھ مجاہدین شہر کی حفاظت کیلئے وہیں چھوڑ دیئے۔ اور خود باقی ماندہ لشکریوں کے ساتھ اپنے لشکر میں آگیا۔ اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔

صفوریہ جہاں گائی لوسگنن" کا لشکر پڑا تھا۔ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ شہر کے گرد کوئی فصیل نہ تھی۔ ایک عالیشان گرجا آبادی کے وسط میں تھا۔ اور شہر سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر "چشمہ صفوریہ" تھا۔ اس چشمہ کا پانی میٹھا اور بہت سرد تھا۔ آس پاس کی آبادیوں سے نصرانی لشکر کو سامان خورونوش بخوبی مل سکتا تھا۔ چشمہ کے پاس سے ہی صاف اور میٹھے پانی کی ایک چھوٹی سی ندی وادیوں سے نکل کر دور تک قصبات کو سیراب کرتی چلی جاتی تھی۔

سلطانی لشکر اس جگہ سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ایک کھلے میدان میں خیمہ زن تھا۔ جنوب میں حطین کا چھوٹا سا قصبہ تھا۔ یہ شہر بہت سرسبز اور یہاں کی زمین بڑی زرخیز تھی۔ عساکر اسلام کے آس پاس میوہ دار اشجار کے باغات بکثرت تھے۔ اور تمام ملک ندی نالوں سے سیراب ہو رہا تھا۔

اسی جگہ سے جانب عکہ ایک شہر ایک لق ودق میدان میں سے راستہ جاتا تھا۔ اس میدان میں پانی کا نام ونشان نہ تھا اور یہی میدان دونوں لشکروں کو جدا کئے ہوئے تھا۔

موسم بہت گرم تھا اور پیدل فوجوں کا نقل وحرکت کرنا بہت دشوار تھا۔ کوہ حطین کی سب سے اونچی چوٹی سے سترہ سو فٹ نیچے جھیل گلیلی کا پانی آئینہ کی طرح چمکتا نظر آتا تھا۔ اور دور فاصلہ پر کوہستان کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی نظر آتی تھیں۔

یہ مقام فوجی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں کے لئے خطرناک تھا مجاہدین تو پہاڑیوں پر مورچے لگائے بیٹھے تھے اور نصرانی تین طرفوں سے ہجوم کئے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے عقب میں نصرانیوں کا اپنا ملک تھا۔ سامنے جھیل تھی۔ لیکن نصرانیوں کو بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک صحرا سے گذر کر آنا تھا۔ اور یہاں پینے کو ایک پانی کا قطرہ بھی نہ ملتا تھا۔

اس میدان کو عبور کرنا تو دشوار تھا ہی۔ لیکن سب سے زیادہ نصرانیوں کو حراساں کرنے والا خود سلطان کا میدان جنگ میں موجود ہونا تھا۔ "گائی لوسگنن" کے بہت سے رفیق تو سلطان کا نام سن کر ہی پریشان ہو رہے تھے اور اپنے لشکر کی سلامتی اس میں دیکھتے تھے کہ کسی محفوظ جگہ مورچہ لگا کر سلطان کے حملے کو روکیں "گائی لوسگنن" اور اس کے مشیر یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح عقب سے سلطان کا راستہ روک لیں لیکن اس قسم کی جرأت کا حوصلہ کسی کو نہیں پڑتا تھا۔

گرینڈ ماسٹر آف دی ٹمپلر (ٹمپلر سرداروں کا سردار اعظم) اس تمام رائے کے خلاف تھا وہ چاہتا تھا کہ طبیرہ کی طرف بڑھ کر سلطان پر

حملہ کیا جائے۔ لیکن کونٹ ریمانڈ اس تجویز کے خلاف تھا۔ کونٹ نے فوجی کونسل میں صاف صاف یہ کہدیا کہ مجھے اپنے ملک کی تباہی اور اپنے حرم کی گرفتاری کی کچھ پرواہ نہیں۔ لیکن میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ محض میری خاطر نصرانی لشکر تباہ کیا جاوے۔ اگر ہم طبیرہ کی طرف بڑھے تو پھر سلطان سے جان بچا کر بھاگنا مشکل ہوگا۔

لیکن "گائی لوسگنن" نے سردار اعظم ٹمپلر سے ہی اتفاق رائے کیا۔ اور جمعہ کے روز مورخہ ۳ جولائی کو نصرانی لشکر صلیبی جھنڈے لہراتا ہوا صفوریہ سے طبیرہ کی طرف بڑھنے لگا۔

ابھی نصرانی تھوڑی دور ہی آگے بڑھے تھے کہ مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اِدھر اُدھر سے نکل کر راستہ ہی میں ان کو پریشان کرنے لگیں۔ اور سلطانی رسالہ کے سوار بلائے بے درماں کی طرح اِدھر اُدھر سے ان پر آپڑتے۔ اس موقع پر نصرانی سرداروں کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں مسلمان ان کے لشکر کو دو حصوں میں نہ پھاڑ دیں۔

سرداران ٹمپلرز فوج کے عقب میں چلے آتے تھے "گائی لوسگنن" نے تمام لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ کونٹ ریمانڈ نے جو بطور ہراول اپنی فوج کے ساتھ تمام لشکر کے آگے آگے چلتا تھا اس مقام پر شب باش ہونیکی مخالفت کی اور کہا کہ جس طرح بھی ہو کسی ندی نالے کے پاس پہونچکر قیام کرنا چاہیئے۔ کئی ایک تجربہ کار صلیبی بہادر کونٹ ریمانڈ کے ہم خیال تھے لیکن "گائی" نے یہاں ہی قیام کرنے کا حکم دیدیا۔

نصرانی ابھی سے پیاس محسوس کرنے لگے تھے۔ سرداروں کو یقین تھا

کہ "گائی" کی ہٹ آج صلیب کی رُسوائی اور پیروان مسیح کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔ گاہے گاہے نعرۂ تکبیر فضا میں گونجتا جو سنائی دیتا تو اس سے لوگوں کے حوصلے اور بھی پست ہونے لگتے۔

مجاہدین نے موقع پاکر نصرانیوں کے گھاس کے ذخیرہ کو آگ لگا دی۔ یہ مصیبت بجائے خود کچھ کم نہ تھی۔ صبح ہوتے ہی صلیبی بہادر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رات کی تاریکی میں سلطان نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دے لیا تھا۔

عماد الدین لکھتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کا ترکش تیروں سے بھرا ہوا تھا۔ ستّر اونٹ تیروں سے لدے لشکر میں تیر تقسیم کرنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اور دیگر سامان جنگ سے چار سو اونٹ لدے ہوئے اور موجود تھے۔

شہسوار مشرق کے اپنی آتشیں رتھ پر سوار ہو کر نکلتے ہی ہلال و صلیب کے پرچم ہوا میں لہرا لہرا کر سپاہیوں کی رگِ حمیّت کو جوش میں لانے لگے۔ غلامانِ رسُول عربی صلے اللہ علیہ وسلم اور پیروانِ مسیح حطین کے میدان میں اپنے اپنے مذہب کی آن پر اور مادرِ وطن کی آبرو پر گلا کٹوانے کے لئے تیار ہو گئے۔

آخر دونوں جانب سے دادِ شجاعت ملنے لگی۔ لیکن "گائی لوسگنن" ایک ہی معرکے کے بعد چند جاں نثاروں کو ساتھ لے کر مقام صُور کی طرف نکل گیا۔ مجاہدین نے کچھ دُور تک تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔

عساکرِ اسلام نصرانیوں پر تیروں کی بارش اس کثرت سے کر رہے تھے کہ

آسمان سے ایک ٹڈی دَل کے اُترنے کا گمان ہوتا تھا۔ اب دونوں طرف کے بہادر صفوں کو چیر کر آگے بڑھے اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ سر کٹ کٹ کر زمین پر گرتے تھے لیکن پاؤں اپنی جگہ سے نہ ہلتے تھے۔

سُلطان ادہر اُدہر گھوڑا اُڑائے پھر رہا تھا۔ جہاں ضرورت دیکھتا خود آگے بڑھکر جاں نثارانِ اسلام کو حوصلہ اور غیرت دلاتا۔ اور جنّت کا وعدہ یاد دلا دلا کر جنگ پر اُبھارتا۔

ادہر صلیبی سردار ایک دیوار آہنی کی طرح جم کر کھڑے تھے۔ اور پہلے درجہ کی شجاعت اور دلاوری سے مجاہدین اسلام کے ریلے کو روکتے تھے۔

علّامہ بہاؤالدین جو خود جنگ میں موجود تھا لکھتا ہے :-

"صلیبی بہادر شجاعت اور بہادری کے حیرت انگیز جوہر دکھلا رہے تھے سَر کٹواتے تھے۔ لیکن قدم جگہ سے نہ ہٹتا تھا۔ مجاہدینِ اسلام ایک موجِ طوفان خیز کی طرح ان زرہ پوش سرداروں پر اُچھل اُچھل کر پڑتے تھے۔ لیکن جس طرح سمندر کی لہریں پہاڑوں سے ٹکر ٹکرا کر پیچھے لوٹتی ہیں۔ اسی طرح مُسلمان بھی حملہ کرنے کے بعد واپس لوٹتے اور پھر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھتے"

نصرانی چاہتے تھے کہ کسی طرح چشموں کی طرف نکل جائیں۔ لیکن یہ راستہ باتدبیر اور بہادر صلاح الدین خود روکے کھڑا تھا۔ سُلطان قلبِ لشکر میں آکر گاہے گاہے نعرۂ تکبیر بلند کرتا۔ نصرانی راہب اور مذھبی پیشوا بھی اس کا جواب دیتے۔ لیکن شیرِ اسلام کی گرج سُن کر جری سے جری بھی حوصلہ ہارنے لگے تھے۔

نصرانی بھی اپنے سرداروں کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے سَرفروشانہ

طور پر مسلمانوں کی صفوں پر گرتے تھے۔ لیکن جن لوگوں کو دشمن کی تلواریں جنت نظر آتی ہو۔ وہ ان حملوں کو کب خاطر میں لاتے تھے۔ نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھ بڑھ کر تلواریں مارتے تھے اور جامِ شہادت پیتے تھے۔

نصرانی راہب اور پادری "صلیب صلبوت" یعنی سولی کی وہ لکڑی جس پر مسیح علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے دکھا دکھا کر اور پکار پکار کر یہ کہکر جنگ پر آمادہ کرتے تھے "بہادرو آگے بڑھو۔ آج خدا کا بیٹا دونوں ہاتھ پھیلائے تمہیں گلے لگانے کے لئے بیتاب ہو رہا ہے اور آسمان کی بادشاہت کے دروازے تمہارے منتظر ہیں"۔

صلیبی بہادر اپنی جمعیت کی کثرت کے بل پر برابر میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ نصرانی "العطش العطش" (پیاس) پکارتے تھے لیکن میدان سے بھاگنے کا نام نہ لیتے تھے۔ سرداران اسلام اپنی صفوں سے نکل کر صلیبی سرداروں کو نام سے پکار پکار مقابلہ کیلئے للکارتے اور مردانہ وار اپنے سپاہیوں سے آگے نکل کر لڑتے۔ خون کے ندی نالے ہر طرف بہنے لگتے تھے۔ تمازت آفتاب سے میدان لوہے کی طرح تپ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آج دونوں لشکر اسی مقام پر کٹ جائیں گے۔ لڑائی کا یہی ڈھنگ تھا کہ اچانک نصرانیوں کے پاؤں اکھڑتے نظر آنے لگے۔ یہ دیکھ کر مسلمان سرداروں نے اپنے سپاہیوں کو للکارا۔ اور ہر طرف سے نہایت شدت سے ہلہ بول دیا۔ نصرانی اس عام حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ہتھیار پھینک پھینک کر امان طلب کرنے لگے۔

شہرۂ آفاق سرداران ٹمپلر اور ہاسپٹلر اب ہمت ہار چکے تھے۔ خود ان کا تاجدار بڑے اضطراب میں تھا۔ جب کوئی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہ آئی

اور میدان کا نقشہ پلٹتا نظر آنے لگا تو اس نے کونٹ ریمانڈ کو پاس بُلا کر کہا کہ چونکہ میدان جنگ کا نقشہ تمہارے مقبوضات میں ہے۔ اِس لئے مَیں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ لشکر کو جس ڈھنگ پر چاہو لڑاؤ۔
کونٹ نے اپنا نشان بلند کر کے اپنے سرداروں کو اکٹھا کر لیا اور سُلطان پر حملہ کرنے کی نیّت سے آگے بڑھا۔ لیکن سُلطان کا برادرزادہ تقی الدین اس کے ارادے کو تاڑ گیا اور سواروں کا ایک دستہ لیکر کونٹ کا راستہ روک لیا۔ اور نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے ایسا سرفروشانہ حملہ کیا کہ کونٹ کی جمعیت اس حملہ کی تاب نہ لاکر منتشر ہو گئی۔ یہ موقع نصرانی تاجدار کے لئے بہت خطرناک تھا۔ ایک سو پچاس نامی گرامی صلیبی سرداروں نے اپنے تاجدار کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔ اب نصرانیوں کو بہادری اور پامردی دکھلانے کا یہ آخری موقع تھا۔

علّامہ ابن اثیر بیان کرتا ہے کہ اس معرکہ میں سُلطان کا سب سے چھوٹا بیٹا افضل بھی موجود تھا۔ شہزادہ اس وقت سولہ سال کا تھا۔ شہزادہ فضل نے نصرانیوں کے اس آخری حملہ کا حال اِس طرح بیان کیا ہے:۔

"مَیں اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ نصرانی تاجدار اپنے لشکر سے کچھ ہٹ کر ایک پہاڑی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس کے سرداروں نے ہمارے سپاہیوں پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ یہ ہٹتے ہٹتے سُلطان کے قریب پہونچ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر سُلطان کا چہرہ جوش سے سُرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے شُعلے نکلنے لگے۔ وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنے سپاہیوں کی پہلی صف میں جا پہونچا اور نعرۂ توحید بلند کرتا ہوا نصرانی سرداروں پر جا پڑا۔ سُلطان کی

آواز سنتے ہی مسلمان آگے بڑھے اور نصرانیوں پر تلواریں برسنے لگیں نصرانی پیچھے ہٹنے لگے۔ اس وقت خوشی سے میری زبان سے نکلا۔ وہ کافر مارلئے۔ لیکن عین اس وقت نصرانی سواروں کی ایک زرہ پوش جماعت مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی۔ مسلمان پھر پیچھے ہٹنے لگے۔ سلطان مسلمانوں کو آگے بڑھا کر خود اپنے مرکز میں آکھڑا ہوا تھا۔ مجاہدین کو مقابلہ سے ہٹتے دیکھ کر پھر آگے بڑھا۔ نصرانیوں نے سلطان کو پہچان کر ایک سرفروشانہ حملہ کیا۔ لیکن اس وقت اور بہت سے سردار سلطان کے پاس پہونچ چکے تھے۔ نصرانی اس مجاہد اعظم کے سامنے نہ رک سکے اور پہاڑی کی جانب جہاں ان کا تاجدار کھڑا تھا پسپا ہونے لگے۔

ساتھ ہی ہر طرف سے نصرانی بھاگتے نظر آنے لگے۔ عیسائی تاجدار کا خیمہ پہاڑ پر نصب تھا۔ "صلیب صلبوت" کا جھنڈا ہوا میں لہرا رہا تھا۔ مجاہدین کی ایک جماعت مقابلہ کرتی ہوئی پہاڑی پر چڑھ گئی۔ شاہی خیمہ گرادیا گیا۔ "صلیب صلبوت" عاقہ کے پادری کے ہاتھ میں تھی۔ یہ پادری زرہ لگائے تلوار ہاتھ میں پکڑے بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

"صلیب صلبوت" مسلمانوں نے چھین لی۔ مجاہدین نے یورپ اور ایشیا کے بڑے بڑے نامی گرامی سرداروں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان لوگوں سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ غلامی اور قید کی رسوائی سے بچنے کے لئے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے گردنیں کٹواتے۔ مسلمانوں کا ہجوم دیکھ کر بڑے بڑے سردار گھوڑوں سے اُتر کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اور اپنے اسلحہ اُتار اُتار کر مسلمانوں کے سامنے پھینکنے لگے۔

یہ دیکھ کر سلطان بھی گھوڑے سے اُترا اور قبلہ رُو سربسجود ہو کر

مالک کون و مکان کے حضور میں عاجزی کے ساتھ فتح کا شکرانہ
ادا کرنے لگا۔"

اسیروں میں نصرانی تاجدار اور اس کا بھائی۔ کونٹ رگنلڈ چیٹیلان۔
کونٹ جوسیلین۔ کونٹ ہمفری۔ گرینڈ ماسٹر آف دی ٹمپلر اور ہاسپیٹلرز کا
سردار اعظم۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نامی گرامی صلیبی بہادر تھے۔
کونٹ ریمانڈ نصرانی تاجدار کو اسیر دیکھ کر اسلامی لشکر کو چیرتا ہوا
میدان سے نکل گیا۔ اور عیسائیوں کی اس خوفناک تباہی پر غم کھا کھا کر
کچھ عرصہ بعد مر گیا۔

کونٹ بلین والئے ابلین" اور حکمران سیڈان یہ دونوں سردار بھی
جان بچا کر بھاگ گئے۔ نصرانی لشکر میں سے جو بھاگ سکے وہ تو بچ گئے باقی سب
اسیر کر لئے گئے۔

عماد الدین اور ابو شامہ لکھتا ہے کہ مقتولوں اور مجروحوں کا شمار کرنا
ناممکن تھا۔ میدان جنگ بہادروں کے خون سے لالہ زار بنا ہوا تھا۔
جدھر نگاہ اٹھتی کٹے ہوئے سر۔ ہاتھ پاؤں۔ انسان اور حیوان دونوں کے
جسم پڑے نظر آتے تھے۔

فتح کے بعد سلطانی خیمہ میدان جنگ میں نصب کیا گیا۔ اور قیدی
یکے بعد دیگرے پیش ہونے لگے۔ سلطان نے حکم دیا کہ زخمیوں اور قیدیوں
کو پانی پلایا جائے۔

قیدیوں میں سب سے پہلے نصرانی تاجدار اور کونٹ چیٹیلان
پیش کئے گئے۔ سلطان نے یروشلم کے تاجدار کو عزت سے مسند کے پاس

بٹھلالیا۔ اور اپنے ہاتھ سے برف میں لگے ہوئے پانی کا پیالہ پینے کیلئے دیا۔
گائی تو سگنن نے خود پانی پی کر پیالہ رگنلڈ چیٹیلان والئے کرک کو جو سامنے
کھڑا تھا دیا۔ جب رگنلڈ پانی پی چکا تو سلطان اپنی جگہ سے اُٹھا اور
رگنلڈ کے سامنے کھڑے ہو کر مترجم کے ذریعہ کہا:۔

"میں نے دو بار تم کو قتل کرنے کا عہد کیا تھا۔ ایک تو اُس وقت
جب تم نے خاک پاک حجاز کی بے حرمتی کی۔ دوسرے اُس وقت
جب تم نے بے گناہ مسلمانوں کے قافلہ کو لوٹ کر اسیروں کو تنگ کیا۔
لیکن اس وقت اگر تم اسلام قبول کرلو تو ابھی آزاد کر دوں گا۔"

چیٹیلان نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔
سلطان پھر اسے مخاطب کر کے بولا:۔

"جب مسلمانوں نے نہایت عاجزی سے تم سے رحم کی درخواست کی
تھی تو تم نے اُن کو جواب دیا تھا کہ جاؤ اپنے اللہ اور محمدؐ کو مدد کے لئے بلاؤ۔
بدبخت خبردار ہو جا۔ آج حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا
ایک ادنےٰ غلام اپنے بھائیوں کی مدد کرتا ہے۔"

یہ کہکر سلطان نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ چیٹیلان کی گردن کٹ کر
سر پشت کی جانب لٹکنے لگا۔ شاہی خدام نے آگے بڑھکر سر تن سے جدا
کر دیا اور لاش کھینچکر خیمہ سے باہر لے گئے۔

چیٹیلان کا حشر دیکھ کر بادشاہ اور دیگر اُمرا خوف سے کانپنے لگے۔
لیکن سلطان نے ان سب کو تسلی دی اور کہا کہ بادشاہ بادشاہوں کو
قتل نہیں کیا کرتے۔ رگنلڈ اس سزا کا سزاوار تھا۔ اور پھر نصرانی
سرداروں کی طرف دیکھ کر کہا:۔

"یاد رکھو جو حضور رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریگا اُس کا یہی حشر ہوگا"۔

اکثر صلیبی سردار خصوصیت سے فرقہ ٹمپلر اور فرقہ ہاسپیٹلرز کے سردار جو مسلمانوں کو گرفتار کر کے اذیت دے کر قتل کر ڈالتے تھے۔ اِس جرم کی پاداش میں قتل کروا دیئے گئے۔ اور تاجدار یروشلم اور اس کے خاص خاص اُمراء سے شاہانہ سلوک کیا گیا۔ اور باقی اسیروں کے متعلق بھی یہ حکم دیکر کہ ہر ایک کی خاطر اس کے مرتبہ کے مطابق کی جائے سب کو دمشق کی طرف بھیج دیا۔

بقول عماد الدین دمشق میں ایک ایک نصرانی تین تین دینار کو فروخت ہُوا۔ عیسائی مؤرخین کے قول کے مطابق اس جنگ میں جسے جنگ حطین کہتے ہیں کم و بیش تیس ہزار نصرانی مارے گئے۔ لڑائی کے ایک سال بعد تک بھی میدان میں مقتولوں کی لاشوں کے ڈھانچے ملتے تھے۔

فتح بیت المقدس

بیت المقدس کو ایلیا اور یروشلم بھی کہتے ہیں۔ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں سب کے لئے مقدس رہا ہے اور مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں سے بھی زیادہ اس کا احترام کرتے ہیں۔ چونکہ عیسائی اور یہودی یہاں باہمی آویزش رکھتے تھے اس لئے مسلمانوں کی حکومت اس مقام کا احترام کرانے کے لئے گویا ایک خدائی فرمان تھا۔

سب سے پہلے فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالے عنہ کے

عہد گردوں عہد میں بیت المقدس مسلمانوں نے فتح کیا۔ مجاہدین اسلام فتحیاب ہو کر جس شان سے شہر میں داخل ہوئے اوراق تاریخ اس کے شاہد ہیں۔ فاروق اعظم نے عساکر اسلام کو جو حکم دیا تھا وہ یہ تھا:۔

"کسی غیر مصافی کا خون نہ گرایا جائے۔ کوئی عمارت جلا کر یا مسمار کر کے خراب نہ کی جائے۔ عورتوں بچوں اور بوڑھوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ جو لوگ فدیہ ادا کر دیں اُن کو آزاد کر دیا جائے۔ سختی اور ظلم سے پرہیز کی جائے"۔

یہ وہ احکام تھے جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین دوم نے اپنی فوج کو صادر کئے اور تاریخ شاہد ہے کہ فاتح و منصور مسلمانوں نے کس سختی سے ان کی تعمیل کی۔ چار سو ساٹھ سال تک پرچم ہلال بیت المقدس پر لہرا لہرا کر توحید کی عظمت کا سکہ مخالفین کے دلوں پر بٹھاتا رہا۔ اس تمام عرصہ میں شاید ہی کوئی ایسی مثال ڈھونڈے سے ملے جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں نے غیر اقوام پر اس جگہ کبھی سختی یا ظلم وستم کیا ہو۔

لیکن باوجود ہر قسم کی آسائش اور آرام اور مذہبی آزادی کے پھر بھی عیسائی اقوام کے دل میں بیت المقدس پر مسلمانوں کا حکمران ہونا ایک خار کی طرح کھٹک رہا تھا۔ اور یہ لوگ ایک مدت سے چپکے چپکے مسلمانوں کو یہاں سے نکالنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔ آخر چار صدیوں سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے بعد مخالفین کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ اور بیت المقدس کے در و دیوار پر پھر ایک بار صلیب کا نشان نظر آنے لگا۔

پیروان مسیح نے فتحمند ہو کر مسلم اور غیر مسلم اقوام پر جو جو ظلم و ستم روا رکھے ان کی کیفیت دیکھنے کے لئے کسی مسلمان مورخ کی کوئی کتاب دیکھنے کی

ضرورت نہیں۔ انصاف پسند عیسائی مؤرخوں نے ان مظالم کو خود بڑی تفصیل سے سپردِ قلم کیا ہے۔ (یہ خونچکاں داستان پہلی صلیبی جنگ کے بیان میں موجود ہے) مسلمانوں پر عیسائیوں نے جو مظالم کئے ان کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور پھر جب سلطان صلاح الدین اعظم نے دوبارہ بیت المقدس پر قبضہ کر کے اسے نصرانی حکمرانوں سے آزاد کیا اور جو سلوک ان سفاک صلیبی ہزاروں سے کیا جنہوں نے اپنے عملوں سے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ مسیح علیہ السّلام کی بھیڑیں نہیں بلکہ خونخوار بھیڑیئے ہیں۔ وہ ہم ان اوراق میں بیان کریں گے۔

فتح حطین کے بعد مجاہدینِ اسلام سربسجود ہو کر درگاہ ایزدی میں شکرانۂ فتح بجا لائے۔ تمام شب فاتح لشکر کے خیموں میں سے نعرۂ توحید جوش و خروش سے بلند ہوتا رہا۔ یروشلم پر نصرانی قبضہ کو دس سال کم سو سال ہو چکے تھے۔ اور یہ تمام زمانہ مسلمانوں سے لڑتے بھڑتے گذرا تھا۔ لیکن جس قدر نقصان دشمن کو جنگ حطین میں اٹھانا پڑا اس سے پہلے اس کی نظیر نہ ملتی تھی۔

اس فتح سے دو ماہ بعد شمال میں بیروت اور جنوب میں غاضا تک یعنی سوائے چند ایک نصرانی قلعوں اور چھاؤنیوں کے تمام فلسطین پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ عیسائیوں کی صرف دو سلطنتیں اس وقت مطلق العنان تھیں جن میں سے ایک تو یروشلم کی سلطنت تھی اور دوسری حکومت طائر۔

حطین کے میدان میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سلطان ایک زبردست جمعیت کے ساتھ طبیرہ کی جانب بڑھا۔ اور ۵ رجولائی ۱۱۸۷ء بروز شنبہ قلعہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

لیکن کونٹ ریمانڈ کی بیگم نے بلا شرط قلعہ حوالے کر دیا۔ سلطان نے بھی بیگم سے اس کے مرتبہ سے زیادہ اسکی عزت کی اور اسے اپنے مال و اسباب۔ خدام اور عزیز و اقارب کے ساتھ اپنے خاوند کے پاس چلے جانے کی اجازت دیدی۔

بیگم کے چلے جانے کے بعد سلطان قلعہ پر قابض ہو گیا اور لشکر کو ملک میں پھیلا دیا۔ مجاہدین اسلام جدہر باگ پھیرتے فتح و نصرت آکر قدم لیتی۔ جس شہر پر سے گذر ہوتا۔ اہل شہر دروازے کھول دیتے اور رحم کے طالب ہوتے۔ کہیں کہیں بہت زیادہ کشت و خون نہ ہوتا۔

سلطان خود ۸ رجولائی ۱۱۸۷ء کے روز مجاہدین کا ایک زبردست لشکر ساتھ لے کر عکہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اہل شہر پر اس قدر ہیبت چھائی کہ "الامان الامان" کہتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے۔ سلطان نے ان لوگوں کو امان دی۔

عیسائیوں نے سلطان سے شہر سے نکل جانے کی درخواست کی۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور یہ لوگ جس قدر مال و اسباب اُٹھا کر لے جا سکتے تھے ساتھ لے کر شہر سے نکل گئے۔ سلطان نے شہر میں داخل ہو کر چار ہزار مسلمانوں کو جو ایک عرصہ سے قید کی کڑیاں جھیل رہے تھے آزادی کا مژدہ سنایا۔

عکہ یا عکا سواحل شام پر ایک بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ اور طبریہ سے

چوبیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ شہر کی وُسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی شہر پناہ بارہ میل لمبی تھی جُمعہ کے روز سُلطان اپنے اُمرا کے ساتھ عکہ کی مشہور مسجد میں جو تین نسلوں سے کلیسا بنی ہوئی تھی فریضۂ نماز ادا کیا۔
اس جگہ سے بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہُوا۔ پارچات۔ جواہرات۔ سیم وزر اور سامانِ جنگ سب ہی قسم کی چیزیں تھیں۔ دریادل اور فیاض سلطان نے تمام مال واسباب مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔
عکہ میں اطمینان سے بیٹھ کر سُلطان نے لشکر کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر دیا اور مصر سے اپنے بھائی العادل کو تسخیر فلسطین میں مدد دینے کے لئے طلب کیا۔
ملک العادل قاہرہ سے ایک زبردست مصری جمعیت کے ساتھ چلا اور قلعہ مجدل اور یافا کو تاخت وتاراج کرتا ہُوا آگے بڑھا۔
اس عرصہ میں سُلطان نے فوج کو بڑھا کر تُوران کا محاصرہ کر لیا۔ اور چھٹے روز یعنی ۲۶ جولائی کو شہر پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ اگست کے پہلے ہی عشرہ میں مجاہدین اسلام نے ساحل کی طرف پیشقدمی کر کے سرفندا۔ صیدا۔ بیروت اور جبیل پر قبضہ کر لیا۔
ہر ایک جگہ عیسائیوں سے نہایت فیاضانہ سلوک ہوتا رہا۔ ایک بیروت کے محاصرہ میں پُورا ایک ہفتہ صرف ہُوا۔ دو چار بار تلوار بھی چلی لیکن آخر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ ان معرکوں کے بعد سلطان عسقلان کی طرف متوجہ ہُوا۔
عسقلان برلبِ دریا ایک عظیم الشان شہر تھا۔ اہل شام عسقلان کو عروس الشام کہا کرتے تھے۔ عسقلان کی فتح بیت المقدس کی تسخیر کا پیش خیمہ

تھی۔ جس روز سلطان مجاہدین اسلام کے ساتھ عسقلان پہونچا۔ اتفاق سے اُسی روز دُوسری جانب سے اس کا بھائی الملک العادل مصری افواج لے کر پہونچ گیا۔

۲۳ اگست ۱۱۸۷ء کو شہر کا محاصرہ کرلیا گیا۔ اور شہر پناہ مسمار کرنے کے لئے منجنیقیں لگادی گئیں۔ ظہر کے وقت مجاہدین اسلام نے آگے بڑھکر حملہ کیا۔ شہر کی محافظ فوج بھی جواب ترکی بہ ترکی دینے لگی۔ پندرہ روز تک یہی صُورت رہی۔ نہ تو مجاہدین کا جوش کم ہوتا اور نہ ہی اہل شہر ہمت ہارتے نظر آتے۔

اگلے روز مسلمانوں نے قلعہ کی بیرونی دیوار میں ایک سُوراخ کرلیا۔ اور یورش کر کے اسی راستہ سے شہر میں داخل ہوگئے۔ مجاہدین کے شہر میں داخل ہوتے ہی عیسائی فوج نے ہتھیار ڈالدیئے اور شہر کے باشندے رحم کے طالب ہوئے۔

حسب معمول ان لوگوں کو امان بھی دی گئی اور شہر سے باآرام نکلنے کی اجازت بھی عطا ہوئی۔ یہ لوگ عسقلان چھوڑ کر یروشلم کی طرف چلے گئے۔ ۴ ستمبر ۱۱۸۷ء کے روز عسقلان کی دیواروں پر پرچم ہلالی اُڑتا نظر آنے لگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سُلطان نے جو مخلوق خدا کا ناحق خُون بہانا پسند نہیں کرتا تھا، دمشق سے تاجدار یروشلم اور گرینڈ ماسٹر آف دی ٹمپرز کو بلوایا اور کہا کہ اگر تم اہل شہر کو اطاعت پر آمادہ کردو۔ تو تم کو آزاد کر دوں گا۔

گائی لوسگنن اور اس کے رفیق سردار اعظم نے اس معاملہ میں جس قدر کوشش کی اور جو نتیجہ نکلا اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن سلطان نے شہر فتح ہو جانے کے بعد اپنا وعدہ پورا کیا اور ان دو نوں کو آزاد کر دیا۔

اور پھر موسم گرما میں اور نصرانی سردار بھی چند شرائط کے ساتھ آزاد کر دیئے گئے۔

ارنول مشہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ جس روز عسقلان پر مسلمان قابض ہوئے۔ اسی روز سورج گہن میں آیا اور ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔
عسقلان کی فتح کے بعد سلطانی لشکر الناصرہ۔ قیساریہ۔ حیفا۔ زیب۔ معلیا۔ اسکندرونہ۔ عور۔ ارعین۔ دیوریہ۔ لجون۔ اریحا۔ سنبل۔ تل صافیہ۔ تا احمر۔ جبل الجلیل۔ لابیا۔ تونیہ وغیرہ وغیرہ مقامات پر قابض ہو گیا۔

اہل یروشلم کو عسقلان کی فتح کا حال معلوم ہوا تو وہاں کے چند معززین ایک وفد کی صورت میں سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر طالب امان ہوئے۔ سلطان ... ان لوگوں سے بڑی مروت اور مہربانی سے پیش آیا اور کہا کہ یروشلم جس طرح عیسائیوں کیلئے مقدس شہر ہے۔ اسی طرح کلمہ گو بھی اسے باحرمت شہر سمجھتے ہیں۔ اگر تم لوگ یہ وعدہ کرو کہ یروشلم پر حملہ کے وقت اہل شہر نصرانی فوج کی مدد نہیں کریں گے اور جب تم لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ نصرانی فوج مجاہدین کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو پھر تم شہر کے دروازے کھول دو گے تاکہ محاصرہ کی نوبت نہ پہونچے تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمام نصرانی باشندوں کو عیسائی مملکت میں با آرام پہونچانے کا انتظام کر دوں گا۔

لیکن ان لوگوں نے یہ شرائط منظور نہ کیں اور عرض کیا کہ ہم اس مقدس شہر کو جہاں ہمارے نجات دہندہ کو سولی دی گئی تھی اپنا خون بہائے بغیر تو مسلمانوں کے حوالے نہ کریں گے۔

اہل دربار یہ گستاخانہ جواب سنکر غصّہ سے دانت پیسنے لگے۔ لیکن بہادر سلطان مسیحی سردار کے جذبہ اور جرأت پر بہت خوش ہوا اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ بھی بیت المقدس میں صرف تلوار کے زور سے داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔ کسی سے ساز باز یا اسی قسم کی کوئی تدبیر اختیار نہ کرے گا۔

اس وقت یروشلم میں کم و بیش ایک لاکھ نفوس آباد تھے اور شہر کی حفاظت اُن صلیبی بہادروں کے سپرد تھی جو جنگ حطین میں زک اُٹھاکر یہاں آگئے تھے۔ ان میں سے اکثر سرداروں نے جنگ حطین میں شامل ہونے سے پیشتر اپنے اہل و عیال یروشلم بھیجدیئے تھے۔ کونٹ بالیان ولئے آیلن کو جو حطین کے میدان سے بھاگ کر ٹائر چلا گیا تھا جب سلطان کے عزم بیت المقدس کا علم ہوا تو اُس نے اپنے سفیر سلطان کے حضور میں بھیج کر اپنے اہل و عیال کو یروشلم سے واپس لے آنے کی درخواست کی۔ سلطان نے کونٹ کی درخواست قبول کرلی۔ لیکن اس شرط پر کہ کونٹ ایک شب سے زیادہ یروشلم میں نہ ٹھہرے۔

کونٹ بالیان جب یروشلم گیا تو اہل شہر نے اس کی بہت آؤبھگت کی اور شہر کی محافظ فوج کی کمان پیش کی۔ لیکن کونٹ نے لوگوں سے کہا کہ وہ سلطان سے صرف ایک شب یروشلم میں قیام کرنے کا عہد کرکے آیا ہے اس لئے وہ کسی فوجی کارروائی میں شامل نہیں ہوسکتا۔ لیکن یروشلم کے "پطرس اعظم" نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے

شہر کی حفاظت کا کام سنبھالنے پر مجبور کر دیا جب سلطان کو بالیان کے سپہ سالار مقرر ہونے کی اطلاع ملی تو وہ خاموش ہو رہا۔

لیکن پھر جب جنگ اٹل نظر آئی تو کونٹ بالیان نے اپنے سفیر سلطان کے پاس بھیج کر جو اس وقت عسقلان میں تھا اپنی مجبوری اور ندامت کا اظہار کیا اور اہل و عیال کو طرابلس کی طرف بھیجنے کی اجازت مانگی۔ سلطان نے اپنے لشکر میں سے پچاس سوار کونٹ کے پاس بھیج دیئے اور ان کو حکم دیا کہ کونٹ کے اہل و عیال کو جہاں کونٹ چاہے بحفاظت پہونچا دیں۔

مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۱۸۷ء کو مجاہدین اسلام نعرہ توحید بلند کرتے ہوئے بیت المقدس کے سامنے جا نمودار ہوئے۔ ساڑھے تین ماہ تک عساکر سلطانی گرد و نواح کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے رہے اور پھر بیت المقدس کی طرف جس کی آن اور حفاظت کے لئے نصرانی اپنا سر لٹوانا ثواب سمجھتے تھے متوجہ ہوئے۔

سلطان نے پہلے باب داؤد کی جانب اپنا کیمپ لگایا۔ لیکن بعد میں یہ جگہ سرفروشان اسلام کے لئے موزوں معلوم نہ ہوئی۔ کیونکہ نیر اعظم کی تیز تیز شعاعیں تمام دن حملہ آوروں کے سامنے ہی تھیں صلیبی سورما دل بادلوں کی طرح شہر کی دیواروں۔ برجوں اور اونچے اونچے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے تھے۔ حملہ شروع ہوتے ہی لشکر اسلام پر ہر مقام سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ بڑے بڑے انجنیئر دھوپ اور تپش کے باعث اپنے فرائض منصبی احسن طور پر انجام

نہ دے سکے۔ اس لئے سلطان نے اس جانب سے کیمپ اُٹھا لینے کا حکم دیا۔ اور مشرق کی جانب سے حملہ کرنے کی تجویز ٹھہری۔ اس نقل مکان میں پانچ روز لگ گئے۔ اہل شہر نے جب مسلمانوں کو ڈیرے خیمے اُکھاڑتے دیکھا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ گرجاؤں اور کلیساؤں میں گھڑیال اور ناقوس کی صدا بلند ہونے لگی اور لوگ خوشیاں منانے لگے لیکن چھٹے روز عساکر اسلام کو شہر کی دیواروں کے نیچے موجود پا کر اہل شہر حیران ہو گئے۔

طلوعِ سحر کے ساتھ ہی قلعہ شکن منجنیقیں شہر کی دیواروں پر پتھر برسانے لگیں اور سیال آتش" کی پچکاریاں جسے ان ایام میں "گریک فائر" کہتے تھے دیوار کے محافظوں کو پریشان کرنے لگیں۔

دونوں جانب سے تیروں کی بارش اس شدت سے ہو رہی تھی کہ بسا اوقات گنبدِ گردوں بھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتا۔ اہل شہر مذہبی جوش سے دیوانہ وار شہر سے باہر نکل کر حملہ کرتے تھے۔ لیکن وہ دس ہزار سوار جو سلطان نے دروازوں کے پاس جمار رکھے تھے ان کو ہر بار پسپا کر دیتے۔ سرفروشانِ اسلام نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے موج طوفان خیز کی طرح قلعہ کی دیواروں پر حملہ آور ہوتے۔ لیکن صلیبی بہادر اس استقلال اور پامردی سے حملوں کو روکتے۔ کہ مسلمانوں کے سردار بھی بے اختیار دادِ شجاعت دینے لگتے۔

دیوار پر اگر ایک گرتا تو دس اُس کی جگہ لینے کو بڑھتے۔ آخر لیلائے شب نے دونوں جانب کے بہادروں کو اپنی آغوش میں لے لیا لیکن پھر بھی اِدھر اُدھر اکثر سورما اپنی اپنی جگہ سے نکل کر دلاوری اور

بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔

دو دن کی لگاتار محنت کے بعد سلطانی انجینئروں نے دیواریں تیس ایک مقامات پر سرنگیں تیار کرلیں اور ان میں بارود بھر کر آگ لگادی۔ اس ترکیب سے دیوار میں ایک بہت بڑا اشگاف پیدا ہوگیا۔ صلیبی بہادر شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے ہوئے باہر نکل کر مسلمانوں کی جانب بڑھے۔ لیکن سلطانی رسالہ نے ان کو نیزوں پر رکھ لیا۔ بہت سے عیسائی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کٹ گئے۔ باقی جو بچے حواس باختہ ہو کر شہر کی طرف بھاگ گئے۔

شہر میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ راہب۔ پادری۔ مستورات۔ جوان۔ بوڑھے۔ الغرض سبھی قسم کے لوگ پکار پکار کر خدا کے بیٹے سے مدد مانگتے تھے۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ نصرانیوں نے جو مظالم آج سے برسوں پہلے اسی شہر میں بے گناہ پیروانِ رسولِ عربیؐ پر کئے تھے۔ ان کے باعث مسیح علیہ السّلام بھی ان لوگوں سے ناراض بیٹھے تھے۔

میدان سے پسپا ہو کر عیسائی دیوار کے شگاف پر آ جمے برابر کٹ رہے تھے۔ لیکن کیا مجال کہ قدم پیچھے ہٹے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اگلی صف میں کھڑا ہو کر مسلمانوں کی تلوار کا جواب دے۔ عیسائی بہادر شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے۔ لیکن ؎

برو تے بازوئے تقدیر تدبیریں نہیں چلتیں

ایک ہی دن میں عساکر اسلام نے اس شدت سے پے در پے حملے کئے کہ شہر کے باشندوں کے جی چھوٹ گئے۔ اور اکثر پکار پکار کر یہ کہنے لگے کہ یہ کشت و خون بے فائدہ ہے شہر مسلمانوں کے حوالے کردو۔

رات کے وقت تمام صلیبی سرداروں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ پو پھٹتے ہی شہر سے نکل کر مسلمانوں پر جا پڑیں۔ اور مسیح اور پاک مریمؑ کی حرمت پر جانیں لڑا دیں۔ لیکن "پطرس اعظم" نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ اور آخر بہت لے دے کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی جائے۔ شہر والے بھی اسی رائے کے حق میں تھے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی کونٹ بالیان سپید جھنڈا ہاتھ میں پکڑ کر شہر سے باہر نکلا اور سلطان کے سامنے حاضر ہو کر صلح کا پیغام دیا۔

سلطان اس کونٹ سے بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ لیکن اس کی درخواست کے جواب میں مسکرا کر کہا:۔

"مغلوب سے کون صلح کرتا ہے۔ اب تو میدان مار لیا۔"

علامہ ابن اثیر لکھتا ہے کہ یہ جواب سنکر کونٹ کچھ دیر تو خاموش رہا اور پھر کچھ سوچ کر بولا:۔

"اے فیاض اور بہادر سلطان! میں روح القدس کی سوگند اٹھا کر حضور کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں جو کچھ اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں میری کوئی ذاتی غرض مضمر نہیں ہے۔ مجھے صرف ایک تمنا ہے اور وہ یہ کہ بندگان خدا کا خون یوں ناحق نہ بہایا جائے۔

بیت المقدس میں جو لوگ میرے ہم مذہب اس وقت موجود ہیں مجھے خود ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ لیکن یہ تمام لوگ حضور کے رحم اور فیاضی کے منتظر بیٹھے ہیں اور ہتھیار ڈالنے کے لئے آمادہ ہیں

جس طرح اور شہروں کو امان دی گئی۔ ہمیں بھی امان عطا ہو۔ جس طرح حضور نے ہمارے اور بھائی بندوں پر رحم کیا۔ ہم پر بھی رحم کریں۔ فیاض اور رحمدل سلطان! اس شہر میں ہزاروں کمزور عورتیں اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ یہ سب موت کے خوفناک نام سے لرزاں و ترساں ہیں۔ ان کی بے کسی اور لاچاری پر رحم فرمائیے۔ لیکن اگر آج یہ عاجزانہ عرض کسی باعث منظور نہیں ہو سکتی۔ تو پھر قسم ہے رُوح القدس کی کہ پیشتر اس کے کہ سُلطانی لشکر شہر میں داخل ہو سکے ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو خود ہلاک کر ڈالیں گے۔ تمام مال و اسباب جلا کر خاک کر دیں گے۔ مسجد اقصٰی اور دیگر مقدس مقامات کو تباہ کر ڈالیں گے۔ اس وقت یروشلم کے اندر پانچ ہزار کلمہ گو موجود ہیں۔ ہم اُن سب کو قتل کر دیں گے۔ باربرداری کے جانور اور تمام مویشی ہلاک کر دیں گے۔ اور پھر شمشیر بکف میدان میں نکلیں گے۔ پھر فتح اُس کی ہے جسے زمین و آسمان کا بادشاہ نوازے۔ بہادر سُلطان! اگر آپ رحم کریں۔ تو شہر کے دروازے بھی کھول دیئے جائیں گے۔ اور مخلوق خدا آپ کی شکر گذار اور احسان مند ہو گی۔"

سُلطان کونٹ بالیان کی تقریر خاموش بیٹھا سُنتا رہا۔ سُلطان کو خاموش پا کر اس کے چند ایک جلیل القدر مصاحبوں نے بھی دبی زبان سے کونٹ کی سفارش کی۔ آخر سُلطان نے کونٹ کی طرف مُسکرا کر دیکھا اور کہا:۔

"بالیان تیری درخواست منظور ہے۔ اگر اہل شہر اطاعت کریں تو

امان ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ ہر ایک شخص اپنی آزادی کے لئے دس
اشرفیاں فدیہ ادا کرے۔ فی عورت پانچ اشرفی۔ اور لڑکا یا لڑکی صرف
دو دینار۔ اہل شہر زرِ فدیہ چالیس روز کے اندر اندر ادا کر دیں۔ اور
اپنا مال و اسباب جس قدر لیجا سکیں اور جہاں چاہیں لے جائیں۔
مسکین اور نادار جو اپنا فدیہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اُن کا فدیہ
تم اُس روپے سے ادا کر دو جو بادشاہ ہنری نے تم کو صلیبی محاربات
کے لئے بھیجا تھا۔ اس عرصہ کے بعد بیت المقدس میں جس قدر نصرانی
رہ جائیں گے۔ اُنہیں مسلمانوں کا غلام بن کر رہنا ہوگا۔"

کونٹ نے یہ تمام شرائط منظور کر لیں۔ اور سر جھکا کر سلطان کی نوازش
اور رحم دلی کا شکریہ بجا لایا۔

شب معراج کی مبارک شام کو پرچم ہلال پھر ایک بار بیت المقدس کی
دیواروں پر نصب کیا گیا۔ اور اسے دیکھ کر مجاہدین اسلام نے اس زور سے
نعرۂ توحید بلند کیا۔ کہ دشت و جبل گونج اُٹھے۔

جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے۔ تو سلطانی نقیب پکار پکار کر
"امان" کا اعلان کرنے لگے۔ مجاہدین اسلام جب بیت المقدس میں پہونچے
تو اپنے اُن مظلوم بھائیوں کی یاد سے جن کو آج سے سو سال پیشتر اسی جگہ
نہایت سفاکی اور پرلے درجہ کی بے رحمی سے ہلاک کیا گیا تھا۔ ان کا خون
جوش کھانے لگا۔ لیکن سلطان کا دریائے رحم زوروں پر تھا۔ اور کسی کی
مجال نہ تھی۔ کہ کسی نصرانی یا یہودی پر ہاتھ اُٹھا سکے۔

جب سلاطین یورپ نے سلطان کی فیاضی اور رحم دلی کی داستان
سُنی۔ تو ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ تاریخ عالم میں فیاضی اور

بر خمدلی کی ایسی نادر مثال ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔

شہر پناہ کے دروازہ پر ایک معتمد زرِ فدیہ وصول کرنے کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ سب سے پہلے کونٹ بالیان نے اپنا اور اپنے لواحقین کا زرِ فدیہ ادا کیا۔ اور پھر تیس ہزار دینار اپنی جیب سے دے کر اٹھارہ ہزار نادار نصرانیوں کو آزاد کرایا۔ سات ہزار محتاج نصرانی اس روپے سے آزاد ہوئے۔ جو بادشاہ ہنری نے یورپ سے بھیجا تھا۔ اسی طرح امرائے شہر اپنے عزیز و اقارب کا فدیہ ادا کر کے شہر سے رخصت ہونے لگے۔

مسلمان مجاہدوں اور شامی سوداگروں نے عیسائیوں کا تمام مال و اسباب نقد روپیہ دے دے کر اس لئے خرید لیا۔ کہ عیسائی اسی روپیہ سے اپنا زرِ فدیہ ادا کر سکیں۔ اس لین دین میں بھی مسلمانوں نے ہر پہلو سے عالی ظرفی کا ثبوت دیا۔ اور ہمیشہ اصل قیمت سے کچھ زیادہ دام ہی ادا کئے۔ "ملک بری" نے اپنی گرہ سے ایک ہزار ارمنیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ اسی طرح اکثر نصرانی امراء اور اہلِ ثروت لوگوں نے محتاجوں کا زرِ فدیہ ادا کر کے انہیں آزادی دلوائی۔ لیکن افسوس کہ نصرانی اس موقع پر بھی فریب اور دھوکہ کرنے سے باز نہ آئے۔ بہت سے آدمی مسلمانوں کا بھیس بدل کر شہر سے نکل گئے۔ اور کوئی شخص اس راز سے واقف نہ ہو سکا۔ اسی طرح "بطریق اعظم" نے اپنی تنگ دلی اور کم ظرفی کا ثبوت دیا۔ اس شخص کے پاس لاکھوں روپے تھے۔ یہ سب کچھ لاد کر ساتھ لے گیا۔ لیکن ایک محتاج بھی اپنی گرہ سے فدیہ ادا کر کے آزاد نہ کرایا۔ چالیس روز تک لوگ شہر سے نکلتے رہے۔ اس میعاد کے بعد جب

سُلطان نے باقاعدہ طور پر زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو ابھی ایسے ہزاروں عیسائی شہر میں موجود تھے جو زرِ فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے پہلے سُلطان کے بھائی "الملک العادل" نے ایک ہزار نصرانی سُلطان سے سفارش کر کے آزاد کرا دیئے۔ پھر اپنے بیٹوں اور دیگر عزیزوں کی درخواست پر بھی سُلطان نے بہت سے لوگ آزاد کئے۔ سُلطان کی فیاضی دیکھ کر کونٹ بالیان اور پطرس اعظم جو آزاد ہو جانے کے بعد سُلطان کی اجازت سے شہر میں مقیم تھے اس کے حضور میں حاضر ہوئے اور سفارش کر کے بہت سے نصرانی بلا زرِ فدیہ آزاد کراتے۔

مشہور عیسائی مؤرخ ارنول جو اس موقع پر بیت المقدس میں موجود تھا لکھتا ہے کہ "جب سب لوگ اپنے اپنے طور پر نصرانیوں کو آزاد کرا چکے تو سُلطان نے اپنی جانب سے یہ اعلان کیا۔ کہ چوبیس گھنٹے میں جس قدر نصرانی شہر سے نکل سکیں بلا زرِ فدیہ نکل جائیں۔ یہ لوگ اللہ کے نام پر آزاد کئے گئے۔ اور ان کو بھی اپنا مال و اسباب ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی۔ ایک دن اور ایک رات کے لئے شہر کے تمام دروازے کھول دیئے گئے اور نصرانی اپنا مال و اسباب ساتھ لے کر برابر شہر سے نکلتے رہے۔ لیکن جب یہ لوگ بیت المقدس سے نکل کر طرابلس پہونچے۔ تو وہاں کے حکمران نے اپنے دینی بھائیوں کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور ان کو شہر میں داخل بھی نہ ہونے دیا۔"

ابھی پندرہ ہزار سے زیادہ نصرانی شہر میں ایسے موجود تھے۔ جو اپنا زرِ فدیہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے۔ اس سلسلہ کے ختم ہو جانے کے بعد ان نصرانی سرداروں

اور امرا کی بہو بیٹیاں جو اپنے عزیز و اقارب کے میدان میں مارے جانے یا قید میں ہونے کے باعث بیت المقدس میں پناہ گزین تھیں سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر رحم کی طالب ہوئیں۔ سلطان ان عورتوں سے بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور وہ خواتین جن کے شوہر یا بھائی یا بیٹے قید تھے، ان کو اجازت دی۔ کہ جہاں کہیں بھی وہ قید ہیں خود ان کے پاس جائیں، اور انہیں آزادی کی خوش خبری دیں۔

ارنول لکھتا ہے کہ سلطان کے رحم کی بدولت تمام صلیبی بہادر جہاں کہیں بھی قید تھے سب آزاد ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔

پھر وہ خواتین پیش ہوئیں جن کے عزیز جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ سلطان نے بیت المال سے ان عورتوں کو اتنا کچھ دیا۔ اور اس قدر مروت سے پیش آیا۔ کہ یہ عورتیں بیت المقدس سے نکل یورپ یا ایشیا میں جہاں کہیں بھی گئیں۔ سلطان کی فیاضی اور رحم دلی کی دھوم مچا دی۔

"پطرس اعظم" جب لاکھوں روپے کا مال و اسباب اونٹوں اور گدھوں پر لاد کر شہر سے نکلا۔ تو بعض امرا نے سلطان کو ادھر توجہ دلائی۔ لیکن سلطان نے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور فرمایا کہ مسلمان وہی ہے جو اپنا وعدہ پورا کرے۔

تھوڑی سی مدت کے بعد ہی بیت المقدس کے گلی کوچوں میں پھر مسلمانوں کی چہل پہل نظر آنے لگی۔ لیکن پورے ایک سو سال کے بعد مسجد اقصیٰ کے میناروں پر سے صدائے اللہ اکبر دن بھر میں پھر پانچ دفعہ گونجنے لگی۔

سلطان نے مسجد اقصیٰ میں سے وہ تمام چیزیں اٹھوا دیں۔ جو عیسائیوں نے وہاں بنا رکھی تھیں۔ اور ۹ اکتوبر کے روز سلطان نے عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس خانۂ خدا میں نماز ادا کی۔ اور بعد از نماز

بہت دیر تک مالک حقیقی کے حضور میں سربسجود رہا۔

ایک دو روز کے عرصہ ہی میں امام۔ مؤذن خطیب اور خدام مسجد کے لئے مقرر کر دیئے گئے۔

اس وقت سے بیس سال پیشتر سلطان نورالدین زنگی عرش آشیاں نے دمشق کے بڑے بڑے کاریگروں کو بلا کر دو سال کی لگاتار محنت سے ایک نہایت خوبصورت منبر اس نیت سے بنوایا تھا۔ کہ اسے مسجد اقصیٰ میں رکھے گا سلطان نے وہی منبر حلب سے منگوا کر مسجد اقصیٰ میں رکھوا دیا۔

شہر کے بندوبست کے بعد سرائیں۔ مدرسے۔ شفاخانے تعمیر کرانے کا حکم دیا گیا۔ اور ان کے اخراجات کے لئے باغات۔ اراضیات۔ محلات اور مکانات وقف کر دیئے۔ علماء و فضلاء اور طلباء کے آرام اور اخراجات کے لئے معقول مشاہرے مقرر کر دیئے۔

سلطان نے متواتر جمعہ کی چار نمازیں اس مقدس شہر میں ادا کیں اور پھر ایک بار نعرہ توحید بلند کرتا ہوا دشمنان دین مبین کی سرکوبی کو نکلا۔

بلادِ نصاریٰ اور عساکرِ اسلام

پرچم ہلال عسقلان اور بیت المقدس کی دیواروں پر سے لہرا لہرا کر عالم بدا ... توحید اور غلامان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرفروشی اور اسلام کی عظمت کا پتہ دے رہا تھا۔ اور اب صرف کرک۔ صور اور طبریہ کے جنوب کی جانب کے قلعے نصرانیوں کے قبضہ میں رہ گئے تھے۔

صور ان سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ بیت المقدس سے جس قدر

نصرانی آزاد ہو کر نکلے تھے وہ زیادہ تر اسی جگہ آکر آباد ہوئے تھے صلیبی سردار بھی خاص تعداد میں اس شہر میں موجود تھے۔ اور بڑی مستعدی سے فوج کی تنظیم میں مشغول تھے اور شہر میں چھپکے بیٹھے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔
جب سلطان کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے یکم نومبر ۱۱۸۷ء کو مجاہدین اسلام کو صور کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ان ایام میں مرکیش نام ایک بڑا نامی گرامی عیسائی سردار صور پر حکمران تھا۔ اسے جب عساکر اسلام کی پیشقدمی کی خبر ملی۔ تو اس نے شہر کے گرد و نواح میں بہت عمیق خندقیں کھدوائیں۔ اور صور کے قرب و جوار میں جو دو دریا بہتے تھے۔ ان کو ایک نہر کھود کر آپس میں ملا دیا۔ اس ترکیب سے شہر صور کی حفاظت کے لئے ایک تو یہ خندقیں تھیں۔ اور تین جانب سے دریا تھا۔ چیدہ چیدہ مقامات پر نصرانی اس طرح متعین تھے جیسے خانۂ زنبور۔

سلطان جب شہر کے متصل پہونچا تو اس مقام پر جہاں سے دونوں دریا آپس میں ملتے تھے خیمہ زن ہوا۔ لشکر کو مختلف سرداروں کے زیر کمان تقسیم کر دیا۔ اور خود نعرۂ تکبیر بلند کر کے حملہ کا حکم دیا۔ پہلے ہی حملہ میں خود سلطان۔ اس کا بیٹا فضل اور ظاہر۔ الملک العادل سلطان کا بھائی برادر زادہ تقی الدین عمر وغیرہم نے حصہ لیا۔ مجاہدین یا تو خندقوں کی جانب سے یا اس مقام سے جہاں سے نہر دونوں دریاؤں کو ملاتی تھی حملہ کر سکتے تھے۔ لیکن ان مقامات پر نصرانی قطار در قطار پرے جمائے کھڑے تھے۔ قلعہ کی دیواروں سے تیر اور پتھر اور دریا کی جانب سے کشتیوں میں سے تیر مسلمانوں پر برس رہے تھے۔ شام تک جنگ کی یہی کیفیت تھی۔ آخر عروس شب سیاہ بادلوں کا گھونگھٹ نکالے آئی اور آتے ہی میدان جنگ پر۔

ایک تاریک قبا ڈالدی۔ سُلطان نے راتوں رات وہ مصری جہاز جو عکہ میں لنگر انداز تھے منگوانے کے لئے ہادِ باہر کار دوڑادیئے سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی اللہ والوں نے قبلہ رُو ہوکر جبینِ نیاز مالک حقیقی کے حضور میں جُھکادی اور ادھر نصرانی بھی کلیساؤں میں گھڑیال اور ناقوس بجا بجاکر رُوح القدس اور پاک مریمؑ سے دُعائیں ملنگنے لگے۔ عبادت سے فارغ ہوکر نصرانی جنگ کے لئے اپنے مقامات پر آکھڑے ہوئے۔ لیکن مُسلمان آج آرام سے خیموں میں پڑے رہے۔ عیسائی شام تک منتظر رہکر چوکی پہرے بٹھاکر گھروں کو رُخصت ہوگئے۔

اگلے روز مجرِدِم امیرالبحر عبدالسّلام سُلطانی بیڑا لیکر آپہونچا بیڑے کے پہونچتے ہی مجاہدین کمربستہ ہوکر خیموں سے نکلے اور خشکی اور تری دونوں جانب سے حملہ کر دیا۔ اسلامی بیڑے کی موجودگی کی وجہ سے نصرانی آج کشتیوں میں سوار ہوکر مقابلہ کے لئے نہ نکل سکے۔ رات کی سیاہی پھیلنے تک لڑائی ایک ہی طور پر ہوتی رہی۔ اندھیرا ہوتے ہی جانبین اپنے اپنے ڈیروں کو لوٹ گئے۔

رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھاکر بہت سے عیسائی دلاور اپنی جنگی کشتیوں پر سوار ہوکر سُلطانی بیڑے پر اچانک حملہ آور ہوئے۔ مجاہدین دِن بھر کی تکان سے پڑے سوتے تھے۔ بہت سے حالت خواب ہی میں شہید ہوگئے۔ کچھ دریا میں کُود پڑے۔ لیکن اندھیرے کے باعث بہت سے ڈوُب کر مرگئے۔ اور کچھ بچ کر لشکر میں آملے۔

سُلطان نے یہ حالت دیکھ کر باقی ماندہ پانچ جنگی کشتیاں جو نصرانیوں کے مقابلہ کے قابل نہ تھیں بیروت کی جانب واپس بھیجدیں۔

جب یہ کشتیاں لنگر اٹھا کر چلیں تو مرکیش اپنی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر آپہونچا اور بہت سے مجاہدین کو شہید کر دیا۔
خشکی پر عیسائیوں کی کچھ پیش نہ چلتی تھی۔ اب دسمبر کا مہینہ تھا۔ شدت کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ گاہے گاہے برف بھی پڑتی اور اکثر بارش ہوتی رہتی۔ جا بجا دلدل ہوگیا۔ اور آمد و رفت میں بہت دقت محسوس ہونے لگی۔
سلطان نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس وقت محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جانا چاہیئے۔ بے فائدہ بندگان خدا کا خون بہانا اچھا نہیں۔ آخر محاصرہ اٹھا لیا گیا اور مجاہدین کو اپنے اپنے گھروں میں سردیوں کا موسم بسر کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ اور سلطان خود اپنی باقاعدہ فوج کے ساتھ عکہ کی طرف واپس لوٹ آیا۔

اس زمانہ کے مؤرخین نے مختلف پہلوؤں سے "صور" سے محاصرہ اٹھا لینے پر بحث کی ہے۔ علامہ ابن اثیر ان عیسائی مؤرخین سے متفق ہے۔ جن کا یہ خیال ہے کہ اگر سلطان "صور" سے محاصرہ اٹھا کر نہ چلا آتا۔ اور شہر فتح کر لیتا۔ تو تیسری صلیبی جنگ کی کبھی نوبت ہی نہ آتی۔ علامہ موصوف ایک الزام سلطان پر یہ بھی عائد کرتا ہے کہ سلطان ضرورت سے زیادہ رحمدل اور حلیم الطبع تھا۔ فوجی نقطۂ خیال سے اسیران جنگ کو امان دیکر آزاد کر دینے کی پالیسی مصلحت کے خلاف تھی بلکہ ایسے قیدیوں کو دور دراز علاقوں میں نظر بند کرنا ضروری تھا۔
"صور" کا فتح ہونا مشکل نہ تھا۔ لیکن جس وقت عساکر اسلام "صور" پر

حملہ آور ہوئے۔ اس وقت یہاں بڑے نامی گرامی صلیبی سردار اور بے شمار نصرانی سپاہ موجود تھی۔ سلطان کے "صور" سے لوٹ جانیسے ان لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دیگر شکست خوردہ نصرانیوں کو پھر ایک بار سلطان کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی جرأت ہونے لگی۔

"صور" سے ہٹ کر سلطان "ٹرپولی" کی جانب متوجہ ہوا۔ یہاں کونٹ ریمانڈ کا بیٹا اس وقت حکمران تھا۔ یہی وہ نصرانی حکمران تھا جس نے "بیت المقدس" سے نکلے ہوئے نصرانیوں کو اپنے علاقہ میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ جس وقت سلطان "صور" کا محاصرہ کئے تھا اُس وقت حاکم "ٹرپولی" نے محاصرین کی امداد کے لئے کمکی کشتیاں بھیجی تھیں۔ لیکن طوفانِ بادنے ان کو منزل مقصود تک نہ پہونچنے دیا۔ اور یہ راستہ ہی سے واپس لوٹ آئیں۔ جاڑے کا تمام موسم سلطان نے عکہ میں بسر کیا۔

اسی عرصہ میں "کوکب" سے خبر آئی کہ "ہاسپٹلر فرقہ" کے سرداروں نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو رات کی تاریکی میں سفاکی سے شہید کر ڈالا ہے۔ مظلوموں کی داستان سنکر سلطان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ چنانچہ اسی وقت سرفروشانِ اسلام کی ایک جماعت ان ظالم لوگوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کردی گئی۔ "عکہ" کی شہر پناہ کو مضبوط کرنے کے لئے وہاں کے گورنر عزالدین جرتیک کو حکم دیا۔ اور جاڑا نکلتے ہی سلطان خود "کوکب" کی طرف چل دیا۔ اور فوج کا معائنہ کرنیکے بعد "کوکب" کی مہم پر قایماز نجمی کو مقرر کرکے خود دمشق لوٹ آیا۔

ابھی سُلطان کو دمشق میں آئے تھوڑا عرصہ ہی ہُوا تھا کہ بلاد "جنبیل" کی جانب عیسائیوں کے اجتماع کی خبر آئی۔ گو اس وقت سُلطان جنگ کی صعوبت برداشت کرنے کے قابل نہ تھا۔ تاہم جہاد کا شوق اس قدر تھا کہ یہ خبر پاتے ہی مجاہدین کا ایک زبردست لشکر ساتھ لے کر دمشق سے چل نکلا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ "جنبیل" کی جانب روانہ ہونا محض دکھلاوا تھا۔ اصل مقصود "ٹریپولی" پر فوج کشی تھی۔

بہرکیف جب عیسائیوں کو سُلطان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو یہ لوگ خوف زدہ ہو کر جدھر کسی کے سینگ سمائے بھاگ گئے۔ اس جگہ سے عیسائیوں کے مُنتشر ہو جانے کے بعد سلطان "ٹریپولی" کی طرف بڑھا۔ قلعہ "حصن اکراد" پر ٹمپلر سردار قابض تھے۔ یہ قلعہ "حمص" کے مغرب میں ایک بلند پہاڑ پر بنا ہوا ہے۔ اور اس زمانے میں ناقابل تسخیر تصوّر ہوتا تھا۔

ابن خلکان لکھتا ہے کہ ابھی بہ نفس نفیس قلعہ "حصن اکراد" پر نہ پہونچا تھا کہ عمادالدین والئے سنجار حمص کے مقام پر اپنے لشکر سے سُلطان کے ساتھ آملا۔

سُلطان "حصن اکراد" کے مشرقی جانب خیمہ زن ہوا۔ اور یکم جولائی جُمعہ کے روز قلعہ پر حملہ کا حکم دیا۔

میمنہ پر عمادالدین زنگی اور میسرہ پر مظفرالدین کو مقرر کیا گیا۔ اور باقی تمام لشکر اپنے ماتحت رکھ کر فوج کو پیش قدمی کا حکم ملا۔ مجاہدین اسلام جدھر مُنہ کرتے فتح و نصرت قدم چومنے کو حاضر ہوتی۔ سب سے پیشتر قلعہ "انطراسوس" پر حملہ کرکے اسے فتح کیا گیا۔ اس قلعہ میں دو سنگلاخ

برُج تھے۔ ان دونوں بُرجوں میں بڑے بڑے نامور صلیبی سردار اپنے اپنے رفیقوں سے موجود تھے۔ ایک برُج تو تھوڑی سی کشمکش سے سر ہو گیا۔ لیکن دُوسرا جس میں "ہاسپٹلر" سردار تھے وہاں بہت دیر تک تلوار چلتی رہی۔ چنانچہ اس کی تسخیر کا کام سُلطان نے "مظفر الدین" کے سپرُد کیا۔ اور خود باقی ماندہ لشکر کے ساتھ "مرقیہ" کی جانب بڑھا لیکن سُلطانی لشکر کے خوف سے اہل شہر مجاہدین کے آنے سے پیشتر ہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے "مرقیہ" پر قبضہ کر کے سُلطان نے نماز ظہر اسی جگہ ادا کی۔ اور پھر لشکر کو "جبلہ" کی جانب بڑھنے کا حُکم دیا۔ مورخہ ۱۵ جولائی کو شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اور اہل شہر کو حسب معمول امان دیدی گئی۔

چند روز آرام کر لینے کے بعد عساکرِ اسلام "لاذقیہ" کی طرف متوجہ ہُوا۔ لاذقیہ" سمندر کے ساحِل پر آباد تھا۔ بڑا خوبصُورت شہر تھا۔ اپنی عالیشان عمارات کے لئے مشہور تھا۔ اور ساحِل کے تمام دیگر شہروں سے زیادہ بارونق تھا۔ "لاذقیہ" کی بندرگاہ جہازوں کے لئے بہت موزوں مقام پر بنی ہوئی تھی۔

گو شہر پناہ نہیں تھی۔ تاہم بیرونی حملوں سے حفاظت کے لئے ایک پہاڑی پر دو قلعے بنے ہوئے تھے۔ ایک مختصر سی جھڑپ کے بعد اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے اور امان کے طالب ہوئے۔ سُلطان نے لاذقیہ پر قابض ہو کر اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اور پرچم ہلال اُڑاتا ہوُا "قلعۂ صیہون" کی طرف روانہ ہوُا۔

"صیہون" دریا کے کنارے ایک خوبصورت سا شہر تھا۔ شہر پناہ اور قلعہ بہت مضبوط تھے۔ قلعہ کے چاروں طرف خندقیں کھودی ہوئی تھیں اور "فرقۂ ہاسپٹلر" کے اکثر نامی گرامی سردار یہاں مقیم تھے۔ سُلطانی لشکر کی آمد آمد کی خبر سُنکر لوگوں نے قلعہ کی حفاظت کا سب انتظام مکمل کر لیا ہُوا تھا۔

علامہ عبداللہ لکھتا ہے کہ جس وقت سُلطانی لشکر نمودار ہُوا۔ "صیہون" پر صلیبی پھریرا لہرا رہا تھا۔ لیکن مُسلمانوں کے قلعہ کے سامنے آتے ہی کسی باعث یہ جھنڈا اپنی جگہ سے گر پڑا۔ صلیبی سرداروں نے اسے منحوس اور مجاہدین نے اپنے لئے اسے نیک فال تصور کیا۔

ایک ہی شب کے اندر اندر قلعہ کے سامنے منجنیقیں سنگباری کیلئے لگادی گئیں اور صبح ہوتے ہی حملہ کر دیا گیا۔ اس روز کی جنگ میں ملک الظاہر نے خوب ہی دادِ مردانگی دی۔ اور شجاعت کے عجیب جوہر دکھلائے۔ اگلے روز سُلطان فوج کو ساتھ لے کر خود قلعہ پر حملہ آور ہُوا۔ اور دوپہر سے پیشتر ہی مجاہدین اسلام نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے شہر میں گھس گئے۔ گو قلعہ پر سے تیروں کی بارش برابر جاری رہی لیکن مُسلمانوں کی تلواروں نے کُفار کے ایسے دانت کھٹے کئے کہ ہر طرف سے "الامان" کی آوازیں آنے لگیں۔ سُلطان نے جن شرائط پر "بیت المقدس" کے عیسائیوں کو امان دی تھی۔ انہی شرائط سے اہلِ "صیہون" کو بھی امان دی گئی۔

ابوشامہ لکھتا ہے کہ شہر کی حفاظت کے لئے پانچ دیواریں یکے بعد دیگرے بنی ہوئی تھیں۔ ان دیواروں کے درمیان جو فاصلہ تھا یہاں ریچھ اور شیر حملہ آوروں کو روکنے کے لئے چھوڑ رکھے تھے۔ فتح کے بعد سُلطان

چار پانچ روز تک یہیں قیام فرمار ہا۔ اس عرصہ میں مجاہدین نے "بلاطینس" "عید" "بیلحہ" وغیرہ وغیرہ قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ عیسائی ان قلعوں کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ لیکن غلامانِ رسولِ عربی ؐ کے سامنے کسی کی کچھ پیش نہ گئی۔

اِن فتوحات کے بعد سُلطان صلاح الدین غازی قلعہ "بکادل" کی تسخیر کی نیّت سے "صیہون" سے نکلا۔ بلادِ نصاریٰ میں یہ قلعہ سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم خیال کیا جاتا تھا۔ اور عیسائیوں کو اس قلعہ پر بہت گھمنڈ تھا قلعہ سے شہر میں جانے کے لئے ایک چھوٹا سا پُل بنا ہوا تھا۔ مُسلمانوں کے آنے کی خبر سُنکر عیسائیوں نے پُل توڑ دیا۔ سُلطان نماز فجر کے بعد قلعہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور فوج کو آگے بڑھایا۔ اور منجنیقوں سے سنگ باری ہونے لگی۔

تین روز تک اسی ڈھنگ سے لڑائی ہوتی رہی۔ چوتھے روز ناگہاں نصرانیوں کا ایک قاصد سُلطان کے حضور میں حاضر ہُوا اور کہا کہ اگر اہلِ شہر کو تین دِن کی مُہلت عطا ہو تو شہر حوالے کر دیا جائیگا۔ سُلطان نے تین دِن کی مُہلت دیدی اور حملہ آوروں کو شہر پر سنگ باری کرنے سے روک دیا گیا۔ تین دِن گذر جانے کے بعد ۲۳ اگست کو شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور مجاہدین اسلام نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے اس قدر مالِ غنیمت مُسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ کہ سب مالا مال ہو گئے۔

علّامہ ابنِ اثیر بیان کرتا ہے کہ سیاسی لحاظ سے شہر کی آبادی میں سے کچھ لوگ قید کر لئے گئے۔ ان اسیروں میں ایک میاں بیوی بھی تھے۔

ان کی شادی ہوئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے۔ سُلطان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے دونوں کو آزاد کردیا۔ اور انعام دے کر شہر سے رُخصت کیا۔

اس فتح کے بعد سُلطان نے قلعہ "صیہون" اور "بکاس" اور ان کے مضافات کی حکومت امیر ناصر الدین کو عطا کی۔ اور خود قلعہ "برزیہ" کی تسخیر کے ارادے سے فوج لے کر آگے بڑھا۔ دُوسری جانب اس کا جواں بخت اور بہادر بیٹا ملک الظاہر قلعہ "نہر مینہ" کے اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کی سرکوبی کے لئے لشکر لے کر روانہ ہُوا۔ بلاد "انطاکیہ" میں یہ قلعہ بہت مستحکم اور مضبوط متصور ہوتا تھا۔ لیکن ملک الظاہر کے بے پناہ حملوں کے آگے کسی کی کچھ پیش نہ گئی اور چند روز بعد ہی جُمعہ کے روز اہل قلعہ نے اطاعت قبول کر کے زرِ فدیہ ادا کر دیا۔ اس جگہ بہت سے مُسلمان ایک مُدت سے اسیر تھے ان سب کو آزاد کر دیا گیا۔ اور اسماعیلی لوگوں کی شرارتوں کی سزا میں ملک الظاہر نے قلعہ مسمار کرنے کا حکم دیدیا اور پھر کوچ کرتا ہُوا اپنے فتحمند باپ سُلطان صلاح الدین سے جا ملا۔

سُلطان اس وقت قلعہ "برزیہ" کی دیواریں پانسو ستر گز بلند تھیں۔ چاروں طرف بہت عمیق نہر تھی۔ ساحل شام پر اس سے زیادہ اور کوئی مضبوط فوجی مقام نہ تھا۔ ایک طرف سنگلاخ اور دُشوار گذار پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ قلعہ والے آتے جاتے ادھر سے گذرنے والے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اور مُسلمانوں کے تو خُون کے پیاسے تھے۔ اسلامی لشکر جانب غرب خیمہ زن تھا۔ بہت غور و فکر کے بعد سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی قلعہ پر

حملہ کر دیا گیا۔ اور منجنیقوں سے سنگ باری شروع کی مشینوں کو بیکار کر ڈالا۔
تیسرے روز سُلطان نے لڑائی کا ڈھنگ اس طرح بدل دیا کہ لشکر کو تین حصّوں پر تقسیم کر دیا۔ ایک حصّہ عمادالدین زنگی کی کمان میں دیا گیا۔ اور دُوسرے حصّہ کا کماندار ملک الظاہر مقرر ہُوا۔ اور تیسرا حصّہ خود سُلطان نے اپنی زیر کمان رکھا۔ سب سے پہلے عمادالدین زنگی اپنی جماعت کے ساتھ نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتا ہُوا اس شدّت سے حملہ آور ہُوا کہ مُسلمان دیواروں کے نیچے جا کھڑے ہوتے۔ عیسائی بلندی پر سے تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے۔ زنگی کے اکثر بہادروں نے کئی بار ایک دو بلند مقامات پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔
مُسلمانوں کی ایک جماعت اور اس کے سردار کی بہادری دیکھ کر سُلطان کا خُون جوش مارنے لگا۔ گو اس وقت گرمی کی تپش اور لُو بدن کو جُھلس رہی تھی لیکن بہادر سُلطان نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہُوا بجلی کی تڑپ کی طرح حملہ آوروں کے پاس پہونچ گیا۔ اور بہادر زنگی کو حکم دیا کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ واپس جا کر آرام کرے۔ پھر تلوار کھینچ کر اپنے ساتھ کے مجاہدین کو للکارا اور نصرانیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اور دیکھتے دیکھتے کئی ایک مقامات سے ان کو ہٹا دیا۔ ظہر کے وقت ملک الظاہر اپنی جماعت کو ہمراہ لے کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہُوا باپ کی مدد کو آ پہونچا۔ ملک ظاہر کو آگے بڑھتے دیکھ کر فدائے اسلام بہادر زنگی سے رہا نہ گیا تلوار کھینچ کر "الجہاد" کا نعرہ مارتا ہُوا اپنی جمعیت کے ساتھ بادل کی طرح گرجتا ہُوا حملہ آوروں سے آملا۔ دو گھنٹہ تک تلوار چلتی رہی۔ اور ہر طرف خُون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ایک طرف

مجروحین کی چیخ و پکار۔ دوسری جانب نعرۂ تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے محشر کا نقشہ نظر آنے لگا۔ آخر کار عیسائی مسلمانوں کے اس خوفناک حملہ کی تاب نہ لا سکے اور سراسیمہ ہو کر میدان چھوڑ کر قلعہ کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے بھگوڑوں کو تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اور اتنی مہلت بھی نہ دی کہ قلعہ کا دروازہ بند کر سکیں۔ عیسائیوں کے ساتھ ہی مسلمان بھی تکبیریں پڑھتے ہوئے قلعہ میں گھس گئے۔ قلعہ میں پہونچکر مسلمانوں نے پھر ایک بار زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہاں ایک مدت سے بہت سے مسلمان اسیر تھے۔ ان اسیروں نے بھی یک زبان ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ نصرانی صدائے اللہ اکبر سن کر سہم گئے۔ اور ہتھیار پھینک پھینک کر امان کے طالب ہوئے۔ سلطان نے۔ فدیہ لیکر سب کو آزاد کر دیا۔ اور نصرانی سرداروں سے ان کے مراتب کے مطابق شاہانہ سلوک کیا۔

دن بھر کے خونی نظارے سے متاثر ہو کر آفتاب بھی خونی قبا پہن چکا تھا۔ اور شفق کی سرخی بھی میدان جنگ کی طرح نمایاں ہو رہی تھی۔ قلعہ کے بلند ترین مقام پر پرچم ہلال نام لیوان توحید کی فتح کی خوشی میں لہرا رہا تھا۔

قلعہ "برزید" پر تسلط ہو جانے کے بعد سلطانی لشکر قلعہ "دربساک" کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ قلعہ "انطاکیہ" کے مشہور قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ قلعہ "برزید" کے حملہ میں سلطان نے ایک قسم کی توپ جسے زنبور کہتے تھے استعمال کی۔ یک شنبہ سے قلعہ پر منجنیقوں سے سنگ باری اور زنبور سے آتش باری ہونے لگی۔ اور مجاہدین مٹی کے دمدموں پر

کھڑے ہو کر تیر برسانے لگے۔ فوجی انجینئر منجنیقوں اور توپوں کی پناہ لے کر سرنگیں تیار کرنے لگے۔ ظہر کی نماز سے پیشتر ہی قلعہ کی ایک دیوار ٹوٹ گئی۔ ادھر انجینئروں نے بھی سرنگ اڑا کر ایک اور مقام پر ایک اور شگاف بنا لیا۔ نصرانیوں نے ان دونوں مقامات پر دلاوری کے خوب جوہر دکھلائے اور مسلمانوں کو دو روز تک پاس نہ پھٹکنے دیا۔ تیسرے روز سلطان خود آگے بڑھا۔ جہاں سے دیوار شکست ہوئی تھی یہ شگاف اس قدر چھوٹا تھا کہ بمشکل دو آدمی شانہ بہ شانہ اس میں سے گزر سکتے تھے۔ سلطان نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہوا شمشیر بکف ان نصرانیوں پر پل پڑا جو یہاں حفاظت پر متعین تھے۔ نصرانی اس غازیٔ اعظم کے توڑ بہ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکے۔ سلطان ان کو راستہ سے ہٹا کر سوراخ کے راستہ اندر داخل ہو گیا اور اچانک دیوار پر نمودار ہو کر عیسائیوں کا ستھراؤ کرنے لگا۔ مسلمان اپنے بہادر سلطان کو دیکھ کر تکبیریں پڑھتے ہوئے دیوانہ وار آگے بڑھے اور ہجوم کر کے دونوں راستوں سے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ غازیوں کی تلواریں متواتر دو گھنٹہ تک اس کفرستان میں چمک چمک کر مخالفین اسلام کو پیامِ فنا دیتی رہیں۔ آخر قلعہ والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ سلطان نے ان لوگوں کو اس شرط پر آزاد کر دیا کہ چپ چاپ کوئی چیز ساتھ لئے بغیر شہر سے نکل جائیں۔ اس قلعہ کی حکومت علم الدین سلیمان کو عطا کی گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر سلطان قلعہ "بغراس" کی تسخیر پر آمادہ ہوا۔ گو یہاں بہت سی نصرانی فوج اور صلیبی بہادر موجود تھے۔ لیکن سلطان کی پیہم فتوحات نے ان لوگوں کو اس قدر

خوفزدہ کر دیا تھا کہ سُلطانی لشکر کے نمودار ہوتے ہی نصرانیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اور تلوار نیام سے نکالے بغیر مُسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے۔

آب صرف "انطاکیہ" ہی باقی رہ گیا تھا۔ لیکن انطاکیہ کا حکمران مُسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتا تھا۔ اس نے فوراً صُلح کی درخواست کی۔ سُلطان نے ایک عارضی صُلح اس شرط پر منظور کی کہ "انطاکیہ" میں جس قدر مُسلمان اسیر ہیں اُن کو آزاد کر دیا جائے۔ تاجدارِ "انطاکیہ" نے یہ شرط منظور کر کے سب اسیروں کو آزاد کر دیا۔ یکم اکتوبر کے روز سُلطان صلاح الدین یوسف نے خود صُلحنامہ پر اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ اس صلح نامہ کی رُو سے مُسلمانوں نے یہ عہد کیا کہ وہ آٹھ ماہ تک حدودِ "انطاکیہ" کی طرف پیشقدمی نہ کریں گے۔

اِن شاندار فتوحات کے بعد سُلطان صلاح الدین غازیؒ اسلام اپنے بیٹے ملک الظاہر کی درخواست پر حلب میں رونق پذیر ہوا۔ بہادر بیٹے نے فتح مند اور فیاض باپ کا نہایت شاندار استقبال کیا اور ایک بڑی پُر تکلف دعوت دی اور جان نثارانِ اسلام کو انعامات سے مالامال کر دیا۔

حلب سے سُلطان اپنے بھانجے تقی الدین عمر بن شیرکوہ کی درخواست پر حماۃ میں جلوہ افروز ہوا۔ بھانجے نے فیاض چچا کی اس کی شان کے مُطابق مہمان نوازی کی۔ حماۃ سے چل کر سُلطان نے "بعلبک" کی سیر کی اور مورخہ ۲۰ اکتوبر کو دمشق کو اپنے قدوم

میمنت لزوم سے مشرف کیا:
دمشق میں آکر سلطان نے حسب عادت مفتوحہ ممالک پر اپنے شہزادوں اور جرنیلوں اور مصاحبوں کو سرفراز فرمایا۔ اور مجاہدین اسلام کو اتنا کچھ دیا کہ سب نہال ہو گئے۔
رمضان مبارک آپہونچا تھا۔ سلطان نے اپنے بہادر سرداروں کو جمع کیا اور چند روز اپنے اہل وعیال کے پاس قیام فرما کر پھر لشکر اسلام لیکر گھر سے نکلا۔ اور قلعہ ہائے "کوکب" اور "صعد و کرک" پر جو ابھی تک فرانسیسی بہادروں کے قبضہ میں تھے بادل کی طرح گرجتا ہوا جا پڑا۔ اپنے ساتھیوں کی ایک منتخب جماعت کے ساتھ خود قلعہ "صعد" کی جانب جہاں ٹمپلر سردار بکثرت موجود تھے متوجہ ہوا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اور رات دشمنوں کے بخت سیاہ کی طرح تاریک تھی۔ سلطان تمام رات گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کو مختلف مقامات پر مامور کرتا رہا۔ اور قلعہ شکن توپیں مناسب مقامات پر لگواتا رہا۔ دن چڑھتے ہی لڑائی شروع ہو گئی۔ پورے ایک ماہ تک محاصرہ رہا۔ آخر نصرانیوں نے تنگ آکر ۱۲ دسمبر کو قلعہ سلطان کے حوالے کر دیا۔ فیاض اور بہادر سلطان نے تمام نصرانی سرداروں کو فدیہ لئے بغیر آزاد کر دیا اور قلعہ صور کی جانب جانے کی اجازت دیدی۔ تاکہ ان کے دل میں قسمت آزمائی کا ارمان باقی نہ رہے۔
"صعد" کی تسخیر کے بعد سلطان "کوکب" کی طرف متوجہ ہوا۔ اس قلعہ میں مشہور صلیبی سرداران ہاسپٹلر خاصی تعداد میں موجود تھے۔ اور ایک مدت سے مجاہدین اسلام سے لڑنے کا ارمان دل میں

لئے بیٹھے تھے۔

ابوشامہ لکھتا ہے کہ اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اچانک رات کے وقت حملہ نہ کردیں عیسائی نہایت خونخوار کتے رات کے وقت چھوڑ دیتے تھے۔ اور قلعہ کے اندر دیواروں کی حفاظت کے لئے بہت سے ریچھ رکھے ہوئے تھے۔

لگاتار بارشوں کے باعث کوسوں تک دلدل ہوگئی تھی۔ شدت کی سردی پڑتی تھی جس وقت مجاہدین اسلام قلعہ کے سامنے نمودار ہوئے اُس وقت تیز جھکڑ چل رہا تھا۔ اور بادل کی گرج اور رعد کی کڑک سے دل سینوں میں دہل دہل جاتے تھے۔ مسلمانوں کے آتے ہی لڑائی شروع ہوگئی۔ ہاسپٹلر سرداروں کا عزم اور بہادری اس معرکہ میں بھی نام لیوا اِن رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بازی نہ لے جاسکی۔ اور آخر مؤرخہ ۵ر جنوری ۱۱۸۹ء کو ان عیسائی سرداروں نے اطاعت قبول کر لی۔

اگلے روز قلعہ "کرک" کی فتح کی خبر بھی سلطان کو قاصد نے آکر دی۔ قلعہ "کرک" پر سلطان کا بھائی ملک العادل حملہ آور ہوا تھا۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ اہل "کرک" نے محاصرہ کی صعوبتوں اور مسلمانوں کے حملوں سے تنگ آکر عورتوں اور بچوں کو قلعہ سے باہر نکال دیا اور پھر خود مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اُس نے ان تمام بے یار و مددگار عورتوں کو انعام سے سرفراز فرما کر بڑی عزت اور آرام سے مسیحی مملکت میں بھجوا دیا۔

ہلال و صلیب

ایک مدت سے یورپ اور ایشیا کے عیسائیوں کے سینوں میں بیت المقدس کو ایک بار پھر مسلمانوں سے واپس لینے کی آگ سلگ رہی تھی۔ ممکن تھا کہ سرزمین فلسطین کے عیسائی اپنے مغربی بھائیوں کی آمد کے انتظار میں خاموش بیٹھے رہتے اور مجاہدین سے لڑ بھڑ کر اپنی قوت اور شیرازہ کو درہم برہم نہ کرتے۔ لیکن ان میں بعض طبیعتیں ایسی بھی تھیں۔ جو مسلمانوں سے خواہ مخواہ الجھتے رہنا اپنا مقدس مذہبی فرض سمجھتی تھیں۔ انہی لوگوں کی شرارتوں سے تنگ آکر سلطان صلاح الدین غازی ان کے استیصال کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پھر تلوار اس وقت نیام میں کی جب سرزمین فلسطین پر سطوت توحید پوری طرح مسلط ہو گئی۔

بیت المقدس کے عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل جانے کی جب یورپ میں خبر پہونچی۔ تو گھر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ سلاطین نے اپنے جھنڈے نگوں کر دیئے۔ "آرک بشپ آف ٹائر" نے یورپ میں جا کر عیسائیوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے برانگیختہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ گھر گھر میں یہی چرچے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو فلسطین سے خارج کیا جائے۔ مشہور عیسائی مورخ ٹی۔ اے آرچر اپنی کتاب الموسوم بہ "کروسیڈز" میں رقمطراز ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ آجانے سے ایشیا میں مسیحی نور ہدایت کا چراغ گل ہو گیا تھا۔ پرانی عیسوی تہذیب اور مقدس انجیل کی تمام روایات خواب و خیال ہو گئی تھیں۔ سرزمین فلسطین قدیمی مسیحی تہذیب۔ تمدن اور مسیحی روایات کا گہوارہ تھی۔

مسلمانوں کا سرزمین فلسطین پر قابض ہونا عیسائی خلقت کے لئے ایک

عذابِ الٰہی تھا۔ بیت المقدس مسیحی علم و ادب کا سرچشمہ تھا۔ مشرق میں حکومت لاطینی کے لئے یہ ملک مایۂ ناز و صد فخر تھا۔ یہ بیت المقدس وہی شہر تھا جس کو پہلی صلیبی جنگ میں پیروانِ مسیح علیہ السّلام نے اپنا خون بہا بہا کر مسلمانوں سے چھینا تھا۔ اس وقت ان صلیبی سرفروشوں کی ہڈیاں اپنی قبروں میں بیتاب ہو رہی تھیں۔

جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ اہل یورپ کے سینوں میں یہ جوش جنون کی صورت پکڑتا گیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی خاندان۔ منچلے سپاہی۔ کونٹ شہزادے اور عوام دیوانہ وار بیت المقدس کو سلطان صلاح الدین سے چھیننے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آخر پوپ نے ایک فرمان صادر کیا۔ اور تمام عیسائیوں کو حکم دیا۔ کہ اگر وہ اپنی نجات کے آرزومند ہیں۔ تو سرزمین فلسطین کی طرف جانے کی تیاریاں کریں۔ اور اپنے خون سے اپنی ندامت کے داغ مٹائیں۔ "آرک بشپ آف ٹائر" کے پند و واعظ سے متاثر ہو کر رچرڈ شیر دل شاہ انگلستان نے سب سے پہلے صلیبی جھنڈا بلند کیا۔ اور سرزمین فلسطین کی طرف جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

فرانس اور انگلستان میں جو ایک مدت سے کشمکش چلی آتی تھی۔ وہ اس مذہبی فرض کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ مدت کے لئے بالائے طاق رکھدی گئی۔ اس جنگ کے واسطے چونکہ بے شمار روپیہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے سرزمین یورپ میں خاص کر اور انگلستان اور فرانس میں تمام لوگوں پر ایک ٹیکس لگا دیا گیا۔ اس ٹیکس کو "صلاح الدین ٹیکس" کہتے تھے۔ اور خصوصاً اُن لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ جو بذات خود اس مذہبی جنگ میں شریک ہونے کے لئے فلسطین نہ جا سکتے تھے۔

"آرک بشپ آف ٹائر" انگلستان اور فرانس میں کامیابی حاصل کرنیکے بعد جرمنی میں چلا گیا۔ شہنشاہ جرمنی نے ٹائر کے مشورہ سے سلطان صلاح الدین کو ایک خط لکھا۔ اور اس میں اُسے دھمکی دی۔ کہ اگر سلطان ایک سال کے اندر اندر سرزمین فلسطین کو خالی کردے تو بہتر ورنہ اس پر تمام یورپ فوج کشی کریگا۔ اور ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائیگا۔

سلطان نے اس خط کا جواب صرف اس قدر دیا۔ کہ اگر یورپ کو اپنی قوت اور ہمت پر اتنا ہی ناز ہے تو پھر وہ بھی بہادرانِ صلیب کا استقبال کرنے کو تیار ہے۔ اور انشاء اللہ وہ اُسے ہر وقت تیار اور مستعد پائیں گے۔

کچھ عرصہ بعد شہنشاہ جرمنی ایک لاکھ فوج لیکر مُلک سے نکلا۔ اور اسی طرح شاہانِ انگلستان و فرانس بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ سرزمین فلسطین کی طرف بڑے ٹھاٹھ سے روانہ ہوئے۔ اسی طرح جینوا۔ وینس اور اٹلی سے بھی خلقت کا ایک اژدھام بڑے ساز و سامان سے اپنے ایشیائی مسیحی بھائیوں کی مدد کے واسطے نکلا۔

لیکن پیشتر اس کے کہ سلطان کو ان واقعات کا علم ہو۔ ملکہ اسیلا نے سلطان صلاح الدین کے پاس حاضر ہوکر عرض کی۔ کہ سلطان حسب وعدہ جو اس نے عسقلان کے مقام پر کیا تھا پورا کرے۔ سلطان نے اُسی وقت ملکہ اسیلا کے خاوند بادشاہ "گائی لوسگنن" اور اس کے مشہور مشہور دس صلیبی سرداروں کو دمشق سے طلب فرمایا۔

عیسائی مؤرخ آرنول بیان کرتا ہے کہ یہ دس صلیبی سردار وہ بڑے بڑے نامور نصرانی تاجدار تھے جو جنگ حطین میں قید ہو گئے تھے سلطان صلاح الدین نے

ان سے قسم لی۔ کہ وہ آئندہ کبھی اس کے خلاف تلوار نہیں اُٹھائیں گے۔ سب سرداروں نے حلف اُٹھایا۔ اور سلطان نے شاہانہ تحائف دے کر ان سب کو آزاد کر دیا چنانچہ مارکوئس مانٹ فراٹ اپنے بیٹے کے پاس مقام صور چلا گیا۔ ہمفری والئے تورآن اپنی ماں کے پاس جو رگنلڈ چیٹیلان کی بیوہ تھی چلا گیا۔ بادشاہ گائی۔ اس کا بھائی اور ٹمپلرز کا سردار اعظم (گرینڈ ماسٹر) ملکہ اسیلا کے ساتھ شامل ہو کر سلطان کی نیکی کے بدلے برائی کا بیج بونے کے لئے انطاکیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

عیسائی پادریوں نے ان کو اس حلف سے جو ان احسان فراموش سرداروں نے سلطان کے حضور میں اُٹھا کر آزادی حاصل کی تھی سبکدوش کر دیا۔ اور نصیحت کی کہ اگر وہ ایک مسلمان سے عہد کرنے کے گناہ سے پاک ہونا چاہتے ہیں۔ تو پھر مسیح اور صلیب کی عزت کے لئے جنگ کی تیاری کریں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے صلیبی سردار اور سپاہی بادشاہ گائی کے جھنڈے نیچے جمع ہو گئے۔ اور یہ سب ٹریپولیس کی طرف جہاں پہلے بھی بہت سے نصرانی جمع ہو چکے تھے روانہ ہوئے۔ اس جگہ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بادشاہ گائی نے اپنے جنگی بیڑے کو حکم دیا کہ عکہ کی طرف روانہ ہو۔ اور خود بھی تمام لشکر ساتھ لے کر اگست ۱۱۸۹ء کو عکہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔

بقول ایک عیسائی مورخ کے اس وقت بادشاہ گائی کے جھنڈے نیچے علاوہ بے شمار بے قاعدہ اور باقاعدہ فوج کے سات سو بڑے نامی گرامی صلیبی سردار (زمانہ کروسیڈر) تھے۔ لیکن کچھ دن بعد پچاس جنگی جہاز اور ان کی کمک کے واسطے پہونچ گئے۔ اور بقول علامہ بہاؤالدین عیسائی لشکری اس کمکی فوج کے آنے سے تیس ہزار سپاہی اور دو ہزار صلیبی سرداروں پر مشتمل تھے۔ اور اس کے علاوہ ہر روز عیسائیوں کی ٹولیاں باہر سے آ آ کر لشکر میں شامل ہوتی جا رہی تھیں۔

عیسائی مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ سلطانی لشکر عیسائیوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا۔ لیکن کوئی ایک مؤرخ بھی اندازۃً تعداد نہیں بتلاتا۔
سلطان کو جس وقت عیسائیوں کے اجتماع کی خبر پہونچی تو اس نے اسی وقت اپنے سرداروں کے پاس قاصد بھیجکر حکم دیا۔ کہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے اس کے پاس پہونچ جائیں۔ اس وقت سلطان شقیف کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ لیکن ضرورت وقت سے مجبور ہوکر شقیف کے محاصرہ پر تھوڑی سی فوج چھوڑ کر خود عکہ کی طرف روانہ ہوگیا اور طبریہ کے راستہ سے ہوتا ہوا عکہ کے سامنے نمودار ہوا۔ اس اثنا میں تقی الدین اور مظفر الدین بھی اپنے اپنے لشکر لے کر سلطان کے حضور میں حاضر ہوگئے۔

اس وقت ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان نصرانیوں کی طرف سے اس قدر غافل کیوں رہا۔ اور ان کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ وہ عکا پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ فتح کوکب کے بعد سلطان اور اس کا بھائی ملک العادل بیت المقدس کی زیارت کے واسطے چلے گئے۔ عید الضحیٰ کی نماز بیت المقدس میں ادا کی۔ اور چند روز قیام کرنے کے بعد سلطان عسقلان سے ہوتا ہوا عکا آگیا۔ اور ماہ مارچ تک وہیں مقام کیا۔ رخصت کے وقت اپنے بڑے تجربہ کار سردار امیر "بہاؤالدین قراقوش" کو عکا کی حفاظت پر مامور کرکے مراجعت فرمائے دمشق ہوا۔ اس وقت اندرون ملک میں عیسائیوں کے پاس صرف ایک قلعہ باقی رہ گیا تھا۔ یہ قلعہ شقیف ارنون کہلاتا تھا اور ٹمپلر سرداروں کا اس پر قبضہ تھا۔ ان دنوں رگنلڈ والئے ایصدان یہاں حکومت کرتا تھا۔ رگنلڈ بڑا چالاک اور عیار آدمی تھا۔ عربی زبان میں خوب گفتگو کرتا تھا جب سلطان لشکر لے کر قلعہ کے سامنے نمودار ہوا

تورگنلڈ نے فوراً سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر نذر پیش کی اور بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ سلطان اسے تین ماہ کی مہلت عطا کرے تاکہ وہ اس عرصہ میں اپنے اہل و عیال صور سے واپس منگوالے۔ اس عرصہ کے گذرنے کے بعد وہ قلعہ سلطان کے حوالے کر دیگا۔ اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ دمشق میں باقی ماندہ ایام زندگی بطور ایک باجگذار سردار کے بسر کرے گا۔ سلطان نے یہ شرط منظور کر لی۔ رگنلڈ کو جب سلطان کی طرف سے کوئی خدشہ نہ رہا۔ تو پوشیدہ طور پر قلعہ کی دیواروں کو مستحکم کروانا شروع کر دیا۔ اور ہر طرف سے سامان حرب و خورد و نوش جس طرح بھی ہو سکا فراہم کرنے لگا۔ تین ماہ کی مہلت گذر جانے کے بعد یہ گنلڈ پھر سلطان کے پاس آیا اور مزید مہلت کی درخواست کی لیکن اس وقت سلطان کو اس کی عیاری اور دغابازی کی حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ سلطان نے اسے پا بہ زنجیر کر کے دمشق بھجوا دیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

اس تین ماہ کی مہلت سے عیسائیوں کو بہت فائدہ حاصل ہوا۔ ایک تو سلطان قلعہ کے قریب و جوار میں مہلت گزرنے کا منتظر رہا۔ دوسرے بادشاہ گائی اور اس کے مددگاروں کو مہلت مل گئی۔ اور وہ ہر سمت سے اکٹھے ہو کر عکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

صلاح الدین ابھی قلعہ شقیف ارنون پر ہی پڑا تھا۔ کہ اس کو عیسائیوں کی نقل و حرکت کی روزانہ خبریں ملنے لگیں۔ اوائل ماہ جولائی میں عیسائیوں کے ہراول اور سلطانی بیرونی چوکیوں کے دستوں میں کئی ایک موقعہ پر جھڑپیں بھی ہو گئیں۔ بقول علامہ بہاؤالدین" سلطان مرج عیون سے گھوڑے پر سوار ہو کر ساحل تک فوجوں کی نقل و حرکت کا معائنہ کرنے جایا کرتا تھا۔ ایک روز اچانک عکہ پر بھی جا پہونچا اور قلعہ کی حفاظت

وغیرہ کے لئے ضروری احکام دے کر واپس لوٹا۔ لیکن بذات خاص شقیف ارنون پر ہی پڑا رہا۔ حتیٰ کہ رگنالڈ والئے شقیف کی دغابازی کا اُسے علم ہو گیا۔ اور اُس نے ۲۷ اگست کو فوج کو عکہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

علامہ "بہاؤ الدین" لکھتا ہے۔ کہ سلطان نے مقام "مرج عیون" پر ایک فوجی کونسل منعقد کی۔ اور ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ عیسائیوں کے لشکر پر جو عکہ کی طرف آرہا تھا راستہ ہی میں حملہ کر دیا جائے لیکن فوج کے بڑے بڑے سردار اس تجویز کے مخالف تھے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ جب عیسائی لشکر عکہ کے سامنے پہونچکر خیمہ زن ہو۔ تو پھر اس پر حملہ کر دیا جائے۔

بہرکیف سلطانی لشکر عکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور تین دن کے شب و روز سفر کے بعد بہت سی فوج اور سامان خورد و نوش عکہ کی طرف پہونچ گیا۔

بادشاہ گائی سلطان کے آنے سے دو روز پیشتر عکہ کے قریب جوار میں اپنے لشکر کے ساتھ آپہونچا تھا۔ سلطان نے اپنا خیمہ "تل کسان" مقام پر نصب کرایا اور باقی ماندہ لشکر کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر کے مقامات عیاضیہ۔ نہر حلو اور صفوریا تک پھیلا دیا۔

نصرانی بادشاہ کا خیمہ "تل مصیلین" میں نصب کیا گیا۔ باقی ماندہ لشکر شہر کو چاروں طرف سے محاصرہ کئے تھا۔

عکہ اس وقت مضبوط ترین شہر تھا خشکی کی جانب پتھروں کی دیوار اور جا بجا برج شہر کی حفاظت کے لئے بنے ہوئے تھے۔ یہ دیوار مشرق سے شمال تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور باقی ماندہ حصہ شہر کی دیواروں

کے ساتھ سمندر سر ٹکراتا ہوا گزرتا تھا۔ ساحل کی طرف پانچ میل کے فاصلہ پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ اسی جانب سلطانی لشکر پڑا ہوا تھا۔ کئی روز تک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ..... ۱۵ ستمبر کے روز تقی الدین عمر" نے جس کی بہادری اور شجاعت کا زمانہ لوہا مانتا تھا شمالی جانب سے اس شدت سے عیسائیوں پر حملہ کیا۔ کہ ظہر کے وقت عیسائی اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ "تقی الدین" عیسائیوں کے مورچوں پر قبضہ کر کے جوش غضب میں بھرا ہوا آگے بڑھا اور سینکڑوں صلیبی سرداروں کو خاک و خون میں سلاتا ہوا عکہ کے دروازے پر جا پہونچا۔ اسی وقت سلطان صلاح الدین اپنے چند جرنیلوں کے ساتھ عکہ میں داخل ہوا۔ اور تمام فوجی مقامات کا ملاحظہ کیا۔

چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ بعض اوقات نہایت خوفناک منظر بھی دیکھنے میں آتے تھے۔ سلطانی لشکر میں جو بدو تھے وہ عیسائی سرداروں کے سر کاٹ کر سلطان کے سامنے پیش کر کے انعام مانگتے تھے۔ اسی طرح عیسائی مردود مسلمانوں کی لاشوں کو پاؤں سے پکڑ کر اپنے لشکر میں گھسیٹتے پھرتے تھے۔

عیسائی ان روزانہ جھپٹوں سے تنگ آ گئے تھے۔ بڑے بڑے جرار اور نامور صلیبی سردار ایک عام حملہ کرنے کے خواہشمند تھے۔ نصرانی بادشاہ نے ایک کونسل منعقد کر کے صورت حال سے سب سرداروں کو آگاہ کیا اور کہا۔ کہ ابھی پورا سلطانی لشکر فراہم نہیں ہوا۔ اگر مسلمانوں کی تمام فوجیں آ گئیں۔ تو پھر

صورت مقابلہ بگڑ جائیگی صلیبی سردار تو پہلے ہی ایک عام حملہ کے آرزومند تھے آخر یہ قرار پایا کہ صبح صادق ہوتے ہی عیسائی لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ چنانچہ مؤرخہ ۴ اکتوبر کو صبح ہوتے ہی نصرانی بادشاہ نے اپنے لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ نصرانی لشکر دو میل کی لائن میں پھیلا ہوا تھا۔ تیر انداز اور گرز مار سپاہی پہلی صف میں تھے۔ ان کے عقب میں تمام بڑے بڑے صلیبی بہادر اور پیادہ فوج تھی۔ تمام عیسائی لشکر چار صفوں میں ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ بادشاہ قلب فوج میں بطور کمانڈر انچیف کے تھا۔ اس کے آگے آگے چار پادری انجیل اُٹھا کر چلتے تھے۔ انجیل کا جلوس شان سے تھا کہ اطلس کا ایک شامیانہ سواروں نے پکڑا ہوا تھا۔ اس شامیانہ کے نیچے انجیل تھی۔ بائیں جانب فرقہ ٹمپلر کے صلیبی سردار تھے۔

مجاہدین اسلام ابھی اپنے خیموں ہی میں پڑے تھے کہ سامنے سے نصرانی لشکر نمودار ہوا۔ سلطان نے اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ اور اپنے دونوں بیٹوں فضل اور ظفر کے ساتھ فوج کے قلب میں لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ ابھی نصرانی لشکر کچھ فاصلہ پر ہی تھا کہ تقی الدین عمرؒ اور سیف الدین اپنی صفوں کو درست کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک فوج کی کمان قتیبہ علیسی کے پاس تھی۔ قلب کی فوج کے داہنی جانب موصل اور دیار بکر کے سپاہی تھے۔ بائیں جانب تقی الدین عمر اپنے جانبازوں کے ساتھ عیسائیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے سلطانی حکم کا منتظر کھڑا تھا۔ اسلامی لشکر کے صف بستہ ہوتے ہی سلطان صلاح الدین سپاہیوں کی صفوں میں پھر پھرا کر ان کو جنگ کیلئے اُبھارنے لگے۔

نقشہ جنگ دوسرے صفحہ پر ملاحظہ ہو
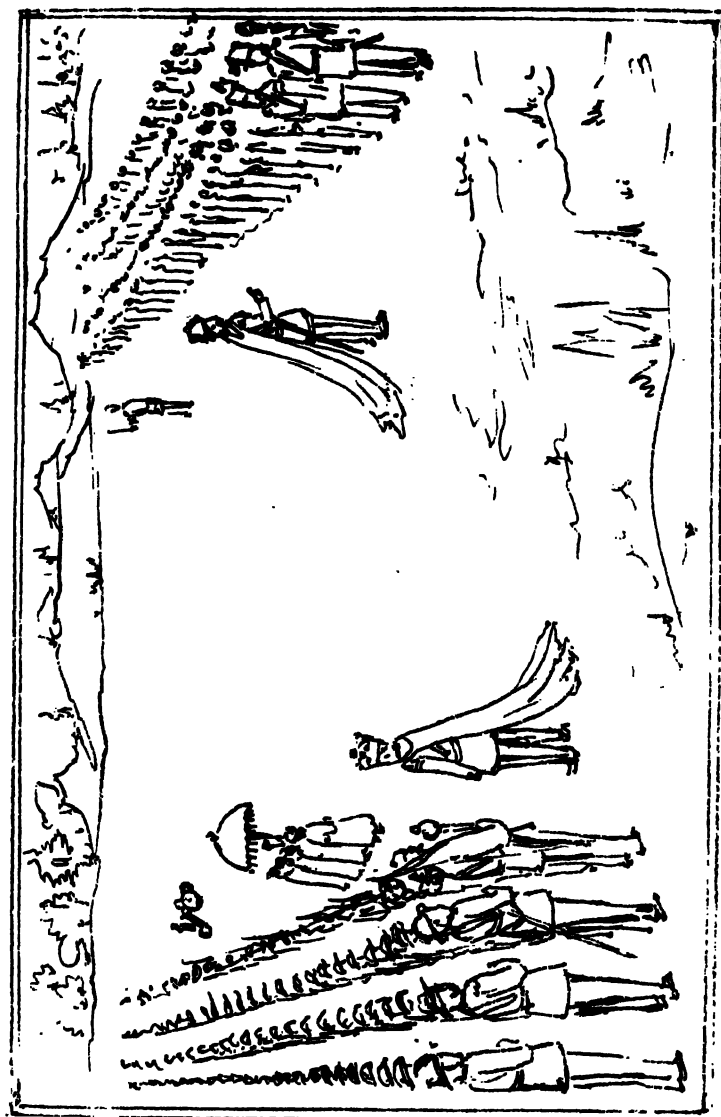
اگرچہ نصرانیوں کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں پر بے خبری کے عالم میں جا پڑیں۔ لیکن جب ان کے دیکھتے دیکھتے ہی اسلامی فوج ان کے مقابلہ میں آموجود ہوئی تو ان کو فوراً حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر دن چڑھے نصرانی لشکر نے مسلمانوں کے داہنی جانب جہاں تقی الدین عمر کمان کرتا تھا حملہ کر دیا۔ جب نصرانی لشکر آگے بڑھا۔ تو تقی الدین نے اپنے سپاہیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ تاکہ عیسائی مسلمانوں کے لشکر کے قریب آجائیں تو ان پر حملہ کرے۔ نصرانی سردار تقی الدین کی اس چال کو سمجھ نہ سکے۔ اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان دب کر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ آگے بڑھے چلے آئے صلاح الدین نے تقی الدین کی فوج کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر قلب میں سے کچھ فوج علیحدہ کر کے اس کی کمک کے لئے بھیجی۔ تقی الدین نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہوا عیسائیوں پر پل پڑا۔ اور دباتا ہوا دور لے گیا۔ اس وقت نصرانیوں کو اس بات کا علم ہو چکا تھا۔ کہ سلطان کا قلب کا لشکر کچھ کمزور ہے۔ چنانچہ باقی ماندہ نصرانی لشکر نے ہجوم کر کے قلب پر حملہ کر دیا۔ صلیبی سرداروں نے جنہوں نے سر سے پاؤں تک فولادی لباس پہنا ہوا تھا۔ دوش بدوش کھڑے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس آہنی دیوار کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ قطب الدین جس کے ماتحت دیار بکر کے سپاہی تھے مسلمانوں کی جماعت کو کمزور پا کر آگے بڑھا اور کچھ دیر کے لئے نصرانیوں کی پیشقدمی کو روک دیا۔ لیکن اس وقت نصرانی سوار صلیبی بہادروں کے عقب سے نکل کر مسلمانوں پر آپڑے۔ پیدل فوج اور سواروں کے حملہ کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور سپاہی میدان سے بھاگ نکلے۔ صلیبی سرداروں نے ان کا تعاقب کیا۔ اور مفروروں کو مارتے ہوئے اپنے باقی ماندہ لشکر سے دور آگے نکل آئے۔ اور سلطان کے کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان اس وقت بائیں جانب کی فوج میں تھا

کہ اس کو اس خوفناک واقعہ کا علم ہوا گھوڑا اٹھاتا ہوا اپنے قلب میں پہونچا۔ مسلمان اپنے سلطان کو دیکھ کر سنبھل گئے۔ سلطان اپنے سپاہیوں کو لے کر نصرانیوں کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔ جب نصرانی سردار سلطانی کیمپ کو لوٹ کر واپس لوٹے۔ تو سلطان حسب عادت نعرہ اللہ اکبر بلند کرتا ہوا ان پر حملہ آور ہوا۔ اور ساتھ ہی باقی ماندہ لشکر کو بھی تمام نصرانی لشکر پر عام حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں قلعہ عکہ سے محصورین نے نکل کر عقب کی جانب سے دشمنان دین مبین کو قتل کرنا شروع کردیا۔ عیسائی مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر بھاگ نکلے۔ مسلمان تعاقب کرتے ہوئے نہایت سختی کیساتھ دشمنان اسلام کا ستھراؤ کرنے لگے۔ نصرانی بادشاہ بڑی مشکل سے جان بچا کر میدان سے بھاگا۔ بڑے بڑے نامی گرامی صلیبی سردار قتل ہوئے۔ فرقہ ٹمپلر کا مشہور و معروف سردار اعظم (گرینڈ ماسٹر آف ٹمپلرز) جیرارڈ آف رائڈ فورڈ جو نصرانی لشکر کا روح رواں متصور ہوتا تھا لڑتا ہوا قتل ہوا۔

جنگ عکہ میں نصرانی عورتیں مردوں کے لباس میں لڑتی ہوئی گرفتار ہوئیں۔

علامہ بہاؤالدین جو اس لڑائی میں موجود تھا۔ لکھتا ہے۔ کہ جس افسر کو سلطان نے عیسائی مقتولوں کی لاشیں اٹھوا کر دریا میں پھینکنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق اکتالیس سو لاشیں تو صرف دریا ہی میں پھینکی گئیں۔ بقول عمادالدین عکہ کی لڑائی میں دس ہزار عیسائی مقتول ہوئے۔ مسلمانوں کی جانب سے دیار بکر کے سپاہی بہت مارے گئے۔ کچھ تو لوٹتے ہوئے شہید ہوئے اور کچھ بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ عیسائیوں کے بیان کے مطابق عکہ کے معرکہ میں ایک جرنیل اور ایک سو پچاس چھوٹے چھوٹے سردار اور تقریباً پندرہ سو

سپاہی کام آئے۔

اِس فتح کے بعد اگر سُلطان عیسائیوں کا تعاقب کرتا۔ تو ممکن تھا کہ تمام عیسائی فوج یا تو ہتھیار ڈال دیتی یا میدان سے بھاگ کر کسی اور مقام پر پناہ گزین ہوتی۔ لیکن کسی مصلحت سے بھگوڑے نصرانیوں کا تعاقب نہ کیا۔ چنانچہ نصرانی لشکر عکہ سے کچھ فاصلہ پر جا کر پھر مورچہ تیار کرنے لگا۔ اِس وقت اچانک سلطان کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ تاہم اِس نے اپنے اُمرا اور جرنیلوں کی ایک کونسل منعقد کی۔ اور بقول علامہ ابن اثیر یہ تقریر کی:۔

"برادران! مُسلمانو! دُشمنانِ دینِ مبین اللہ کی زمین پر کفر کی تاریکی پھیلانے میں تگ و دو کر رہے ہیں۔ خدائے عزوجل کا ہزار ہزار شُکر ہے۔ کہ اُس نے ہر میدان میں ہمیں فتح و نصرت عطا کی ہے۔ اِس وقت اگر تم لوگ ہمت کرو۔ تو یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے بیخ و بُنیاد سے اُکھیڑ پھینکا جاسکتا ہے۔ "ملک العادل" ہماری کمک کے لئے ایک جرار فوج لے کر آرہا ہے۔ اگر تم نے دُشمنوں کو مُہلت دیدی۔ تو پھر سمندر کا راستہ کھُلا ہے۔ یورپ اور ایشیا کے عیسائی جماعت در جماعت ان سے آملیں گے۔ میرے خیال میں ہمیں ان پر فوراً حملہ کر دینا چاہیئے۔"

سُلطان کی تقریر کے بعد کونسل میں بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ کچھ سردار اور جرنیل دُشمن پر فوراً حملہ کرنے کی رائے میں تھے۔ کچھ اس کے خلاف تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ تھکے ماندے مجاہدین کو کچھ عرصہ آرام کرنے کی مُہلت دی جائے۔ سُلطان کے طبیب جن کو سُلطان کی بیماری کا بہت خیال تھا۔ اسی گروہ کے ساتھ متفق الرائے تھے۔ ان لوگوں نے سلطان سے دست بستہ

عرض کی کہ جب تک اسے صحت نہ ہو جائے۔ مزید حملہ کا خیال ملتوی کر دیا جائے۔ پھر بھی آخر کار طبیبوں کی رائے غالب آئی۔ گو سلطان اس رائے کے خلاف تھا۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے۔ کہ دو سال سے سلطان کو کبھی مستقل طور پر چند روز بھی آرام نہ ملا تھا۔ جنگ و جدل کے موقع پر غذا کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ تمام دن گھوڑے پر سوار رہتا تھا۔ اور ہر موقع پر میدان جنگ میں سپاہیوں کی صف اوّل میں ہمیشہ موجود نظر آتا۔ گرمی ہو یا جاڑا اسکی مستعدی اور جوش اسلامی میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ آخر یہ بے قاعدگی اور غذا اور صحت کی طرف سے لاپروائی رنگ لائی اور سلطان کو مجبوراً اپنے اطبا کی رائے پر کاربند ہونا پڑا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس وقت عیسائیوں پر حملہ کر دیا جاتا تو مسلمانوں کو یقینی طور پر فتح حاصل ہوتی۔ کیونکہ اس وقت عیسائی قلعہ عکہ اور سلطانی افواج کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ صرف سمندر کا راستہ کھلا تھا۔ اگر اس وقت ان پر حملہ کیا جاتا۔ تو ایک بار پھر کارزار حطین ان کو یاد آجاتا۔

سلطان نے اپنی افواج کو میدان سے نکل کر کوہستان خروبہ پر خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ چند روز بعد بارشیں شروع ہو گئیں اور حملہ کا خیال بالکل ترک کر دیا گیا۔

بقول عماد الدین اور ابو شامہ سلطان کے کوہستان خروبہ کی طرف واپس چلے جانے سے عیسائیوں کی ہمت بندھ گئی۔ عیسائی لشکر نے عکہ کے گرد گھیرا ڈال کر خندقیں۔ دمدمے اور مورچے بنانے شروع کر دیئے۔ اور ہر طرح کے سامان حرب سے اپنے مورچوں کو مستحکم کر لیا۔ سلطان کو عیسائیوں کی تیاریوں کی

پیہم خبریں پہونچتی تھیں۔ لیکن علالت کے باعث وہ ان کی روک تھام کی طرف سے خاموش رہا۔

چند روز بعد ملک العادل سیف الدین مصری فوج اور بہت سا سامان حرب لے کر آ گیا۔ اور دریا کے راستہ امیر البحر حسام الدین لولوٗ پچاس جنگی جہاز سکندریہ سے لیکر عکہ پہونچ گیا۔ سلطان نے خروبہ سے اپنے ماتحت صوبوں کے گورنروں اور ان سرداروں کو جن سے عہد و پیمان تھا کمک بھیجنے کے لئے فرمان لکھے۔ "بہاؤ الدین" سلطان کا عریضہ لے کر بغداد پہونچا۔ خلیفہ نے بہت سا سامان حرب سلطان کی مدد کے واسطے بھیج دیا۔

اتنے میں سلطانی جاسوسوں نے اسے فریڈرک والیٔ باربروصہ کے ایشیائے کوچک کی طرف سے ایک جرار لشکر کے ہمراہ آنے کی خبر پہونچائی۔ اور ایک اور جرمن لشکر کے شام کی طرف بڑھنے کی خبر بھی پہونچی۔ سلطان نے اپنے لشکر میں سے چند فوجیں منتخب کر کے ان نصرانیوں کی روک تھام کے واسطے روانہ کر دیں۔

ان واقعات کے چند روز بعد ایک اور مشہور معروف صلیبی سردار ہنری دال شمپین دس ہزار جرار نصرانی سپاہی بہت سے صلیبی سردار (ناٹ کروسیڈر) اور بہت سا ساز و سامان لیکر عکہ پہونچ گیا۔ اس نصرانی لشکر کے آنے سے پہلے سلطانی افواج اور محصورین عکہ کے درمیان سلسلہ نامہ و پیام جاری تھا۔ بلکہ گاہے گاہے مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو جھڑپ موریچوں اور دمدموں پر ہو جاتی تھی۔ تو اس میں بھی مسلمان ہی غالب رہتے تھے۔ لیکن ہنری دال شمپین کے آ جانے سے صورت معاملہ بالکل بدل گئی۔

عیسائی لشکر نے جو عکہ کے سامنے ٹھہرا تھا لکڑی کے تین برج تیار کئے۔ ہر ایک برج ساٹھ گز بلند تھا۔ لکڑی پر اس قسم کا روغن لگایا گیا۔ کہ جس سے یہ برج

آتش سے محفوظ ہوں گے نصرانی لشکر ان بُرجوں کی آڑ میں شہر کی طرف بڑھے۔
اِسلامی لشکر میں ایک نوجوان سپاہی عریف نامی دمشق کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص کیمیا کے علم سے واقف تھا۔ عریف نے چند ایک ادویات فراہم کر کے ایک مصالحہ تیار کیا۔ اور حاکم شہر سے درخواست کی کہ مشینوں (منجنیقوں) کے ذریعے سے بُرجوں پر پھینک دیا جائے۔ قراقوش حاکم عکہ نے یہ مصالحہ مشینوں کے ذریعے سے ان چوبی بُرجوں پر پھنکوایا اور پھر آتش باری شروع کی گئی۔ دفعتہً ان بُرجوں کو آگ لگ گئی اور چشم زدن میں یہ تینوں جل کر راکھ ہو گئے۔ سُلطان کو جب اس واقع کا علم ہوُا۔ تو اس نے اس نوجوان کیمیا گر کو بہت سا اِنعام دینا چاہا۔ مگر اس نے یہ کہہ کر انعام لینے سے اِنکار کیا کہ اس نے عساکر اِسلام کی خدمت محض خدا اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کی ہے اِنعام کے لئے نہیں کی۔ اللہ سے اجر لوں گا۔ سُلطان یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوُا۔

اس اثنا میں سُلطانی فرمان کے صادر ہونے سے مختلف مقامات سے ماتحت صُوبے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ آ آ کر سُلطان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ سب سے پہلے عماد الدین زنگی والئے سنجار ایک زبردست فوج لے کر آیا۔ اور آتے ہی نصرانیوں سے دست وگریباں ہو گیا۔ ایک مختصر سی لڑائی میں بہت سے عیسائیوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر سُلطان کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ پھر سیف الدین غازی والئے جزیرہ ایک باقاعدہ لشکر لے کر "جہاد" کرنے کو آموجود ہوُا۔ موصل سے علاؤالدین بن عزیزالدین مسعود ایک لشکر لے کر آپہونچا۔

ماہ جون میں سکندریہ سے چند جہاز سامان خورد و نوش لیکر دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عکہ میں پہونچ گئے۔ مورخہ ۲۵ر جولائی کو مجاہدین اور پیروانِ مسیح علیہ السّلام میں ایک خونریز لڑائی ہوئی۔ اس جنگ میں بقول علامہ بہاؤالدین اور ابوشامہ دس ہزار عیسائی مارے گئے۔ لیکن عیسائی مورخ آرک بشپ صرف چار ہزار مقتول بتلاتا ہے۔ اس لڑائی کے بعد عساکر اسلامی جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رکھنے پر بالکل آمادہ تھے۔ لیکن نصرانیوں کو صف بستہ ہو کر مقابلہ کے لئے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ۲۷ر جولائی کو کونٹ ہنری جو اپنے زمانہ کا ایک بہت مشہور صلیبی سردار تھا آ پہونچا اور نصرانی لشکر کی کمان کرنے نکلا۔

دو چار روز بعد سلطان کو شہنشاہ جرمنی کے مرنے کی اطلاع پہونچی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا چالیس ہزار فوج کے ساتھ کوچ کرتا ہوا مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بڑھا چلا آتا تھا۔ فرانسیسی اس وقت تک ایک کثیر تعداد میں لشکر میں آ گئے تھے مسلمانوں کے جہاز وقتاً فوقتاً جس طرح بھی بن پڑتا سامان رسد برابر اہل عکہ کو پہونچاتے رہتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ سلطانی جہاز پر فرانسیسی جھنڈا بلند کر دیا جاتا۔ دشمن اسے اپنی طرف کا جہاز سمجھ کر تعرض نہ کرتے۔ اور یہ ان کے دیکھتے دیکھتے عکہ کے بندر میں داخل ہو جاتا اور عیسائی شور مچاتے رہ جاتے۔

عیسائیوں کو یہ یقین تھا۔ کہ جب تک اہل "عکہ" کو سامان رسد اور سامان حرب باہر سے پہونچے گا۔ محصورین کا قابو میں آنا ناممکن ہے۔ قلعہ "عکہ" میں ایک برج تھا جسے فلائی ٹاور یا "برج مگس" کہتے تھے۔ اس برج کی بدولت باہر سے آنے والے جہاز عیسائیوں کی آتش باری اور گزند سے محفوظ رہتے تھے۔ عیسائی انجنیروں نے اس برج کو جلانے کے واسطے چند جہازوں پر ایک مورچہ تیار کیا۔ اور ساتھ ہی خشکی کی

جانب سے گھاس پھوس مٹی اور کنکر فراہم کر کے ایک متحرک مورچہ بنالیا اور اسکی آڑ میں قلعہ کی طرف شب کی تاریکی میں بڑھے۔ جب قلعہ کے پاس پہونچے۔ تو جہازوں کو جن میں بارود اور بھک سے اُڑنے والا مصالحہ بھرا ہوا تھا آگ لگادی۔ اور ادہر چپکے سے "برج مگس" کے نیچے پہونچکر سیڑھیاں لگاکر دیوار پر چڑھنے لگے اس وقت اچانک مسلمان نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے ان پر آپڑے۔ اور سب عیسائیوں کو مار مار کر فصیل سے نیچے گرادیا۔ ادہر جب عیسائیوں نے اپنے جہازوں کو آگ لگائی۔ اچانک ہوا کا رُخ بدل گیا۔ بہت سے عیسائی اپنی ہی آگ میں جل مرے خشکی کی جانب سے اہل قلعہ نے شہر سے نکل کر بھاگتے ہوئے عیسائیوں کو مار مار کر ان کے لشکر تک پہونچا دیا۔ اس معرکہ میں تقریباً سات سو عیسائی قتل ہوئے اور جو جل کر فی النار والسقر ہوئے۔ ان کی تعداد معلوم نہیں۔

اوائل اکتوبر میں وہ جرمن لشکر جس کی ایک عرصہ سے آمد آمد کی افواہ گرم تھی فریڈرک ڈیوک آف سوابیا کی زیر کمان آپہونچا۔ اس لشکر میں کم و بیش پانچ ہزار سپاہی تھے۔ ڈیوک نے آتے ہی مسلمانوں سے چھیڑ شروع کر دی۔ آخر سلطان کے ہراول نے آگے بڑھکر موصلی لشکر کی مدد سے ڈیوک اور اس کے بہادروں کو ایک ایسی شکست دی کہ پھر دوبارہ فریڈرک کو عساکر سلطانی کی طرف رُخ کرنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ آخر عیسائیوں نے باہمی صلاح مشورہ سے یہ فیصلہ کیا۔ کہ شہر فتح کرنے کے لئے متفقہ طور پر کوشش کی جائے۔ چنانچہ شہر پناہ کو توڑنے کے واسطے ایک بہت بڑی مشین تیار کی گئی۔ ہزاروں روپے اس کی تیاری پر صرف ہوئے۔ اوائل اکتوبر میں نصرانیوں نے بڑے جوش سے اہل شہر پر حملہ کیا اور بڑھتے ہوئے قلعہ کی دیوار حل تک جا پہونچے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ یہ لوگ

دیواروں پر چڑھیں محصورین نے سیال آتش تیروں اور پتھروں کی ایسی بوچھاڑ شروع کی - کہ حملہ آور گھبرا کر پیچھے لوٹے ۔ مسلمانوں نے قلعہ سے نکل کر بھگوڑوں کا تعاقب کیا - اور سینکڑوں کو قتل کر ڈالا - قلعہ شکن مشین بھی مسلمانوں نے عیسائیوں سے چھین کر جلا ڈالی - ان شکستوں سے محاصرین دل شکستہ ہو کر بیٹھ گئے -

اِن واقعات کے چند روز بعد یورپ سے کمکی فوجیں اور عیسائی سرفروش اپنے ایشیائی بھائیوں کی مدد کو پہونچے - اور پھر چند یوم بعد بالڈون - ارک بشپ آف کنٹربری - ہیوبرٹ والٹر - بشپ آف سالسبری اور بڑے بڑے نامی گرامی نائٹ کروسیڈر الطائر میں بڑے ساز و سامان سے پہونچ گئے - اور مورخہ ۱۲ اکتوبر کو عکہ کے عیسائیوں کے ساتھ آکر شامل ہو گئے - اسی اثنا میں بادشاہ انگلستان رچرڈ اور شاہ فرانس کے یورپ سے چلنے کی خبر بھی آگئی - ان لوگوں کے آنے سے محاصرین میں پھر زندگی کے آثار نظر آنے لگے -

مشہور عیسائی مؤرخ آرچر اپنی کتاب الموسوم بہ "کروسیڈ آف رچرڈ دی فسٹ" میں لکھتا ہے :-

"یورپ سے کمکی سپاہ کے آنے سے پیشتر ہمارے صلیبی سردار جو ایک عرصہ سے عکہ کے سامنے خیمے ڈالے پڑے تھے - روز مرہ کی شکستوں سے سخت پریشان تھے اور یہاں تک نوبت پہونچ چکی تھی کہ مسلمان ان کے خیموں کے پاس آکر انہیں میدان میں نکلنے کے لئے للکارتے - لیکن یہ ٹس سے مس نہ ہوتے - ہمارا کیمپ بد اخلاقی - بد تہذیبی - نجاست اور ناپاکی کا ایک شرمناک منظر پیش کرتا تھا - وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کی عزت اور وقار برقرار رکھنے کے لئے

گھروں سے نکلے تھے خیموں میں بیٹھے نہایت شرمناک حرکات کرتے تھے
ان لوگوں کی حیا سوز بداخلاقی کی وجہ سے یسوع مسیح بھی ان سے
ناراض ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ چکے تھے ۔ مسلمان ہر طریق سے
ہمارے سپاہیوں کو لڑنے کی ترغیب دیتے تھے ۔ لیکن مسلمانوں کے
مقابلہ کی نسبت صلیبی سرفروش بے عزتی اور رسوائی کو ترجیح دیتے تھے"
آرک بشپ آف کنٹربری اور بشپ آف سالسبری نے لوگوں کو وعظ
اور پند و نصیحت سے راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور فتح کے وعدے
اور یسوع مسیح کی مدد کے بھروسہ پر پھر سلطان کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا ۔
۱۲ر نومبر کو عکہ کے جنوب میں شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر پھر ایک بار
پرچم ہلال صلیب کے نشان کے سامنے لہرانے لگا ۔ عیسائیوں کو آگے
بڑھتے دیکھ کر سلطان صلاح الدین کے ہراول نے ان پر حملہ کیا اور دشمنوں کی
پیشقدمی کو روک کر ہراول سلطان کی سپاہ مقام تل کسان کو لوٹ آئی ۔ اور
پھر اگلے روز یعنی مورخہ ۱۳ر نومبر کو مسلمانوں نے عیسائیوں کو جو آہستہ آہستہ
آگے بڑھ رہے تھے گھیر لیا ۔ سلطان کی بائیں جانب کی فوج سمندر سے لیکر
نہر النعیم تک پھیلی ہوئی تھی ۔ دائیں جانب کا لشکر پہاڑیوں اور دریا کے
درمیان پھیلا ہوا تھا ۔ قلب کا کمانڈر ملک افضل سلطان کا بیٹا تھا ۔ سلطان کا
خیمہ ایک چھوٹے سے ٹیلے پر ایسے مقام پر نصب تھا جہاں سے تمام میدان
جنگ پر نظر پڑتی تھی ۔ نصرانی لشکر کا دراصل مقصد یہ تھا ۔ کہ وہ ایک ایسے
مقام پر پہنچ جائے جہاں اسے سامان رسد بکثرت مل سکے ۔ لیکن اپنا راستہ
شامی لشکر سے رکا ہوا دیکھ کر یہ پھر پیچھے لوٹا ۔ مسلمانوں نے جہاں موقع ملا ۔
ان پر حملہ کر دیا ۔ مسلطان ٹیلہ پر بیٹھا تمام نظارہ دیکھ رہا تھا ۔ جہاں مدد کی

ضرورت ہوئی۔ فوراً تازہ دم فوج بھیجدیتا۔ نصرانی لشکر اس وقت نہر کے مغربی جانب پلٹ رہا تھا۔ شام ہو چلی تھی۔ اور مسلمان بڑھے آتے تھے کہ اتنے میں محفوظ نصرانی فوج میں سے گائی لوسگنن "تازہ دم عیسائی سپاہی لیکر اپنے ساتھیوں کی مدد کو آپہونچا۔ مسلمان جو تعاقب کرتے اور دشمنوں کو ہلاک کرتے بڑھے آرہے تھے تاریکی ہو جانے سے واپس لوٹ گئے۔ حملہ آور نصرانی لشکر کو نٹ ہنری اور بڑے بڑے صلیبی سرداروں کی سرکردگی میں آگے بڑھا تھا لیکن بہت سا نقصان جان برداشت کر کے واپس لوٹا۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ مقتولوں کی لاشوں کے سڑنے سے ہوا میں عفونت پھیل گئی تھی۔ اور وبا پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ سلطان کی طبیعت پھر بگڑنے لگی۔ لیکن لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

ایک شب مجاہدین اسلام کا ایک بہادر جتھہ قریب جوار کی پہاڑیوں میں دشمن پر حملہ کرنے کے لئے چھپا ہوا تھا۔ صبح ہوتے ہی مجاہدین نے پہاڑ سے نکل کر عیسائیوں کی ایک چوکی پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں چار سو عیسائی سوار مارے گئے۔ تھوڑے بہت سے جو گرفتار ہوئے۔ اُن میں چند ایک معزز صلیبی سردار تھے۔ سلطان ان قیدیوں سے بڑی مروت سے پیش آیا۔ اور ان سب کو دمشق کی طرف بھیجدیا۔

سنہ ۹۰-۱۱۹۱ء کا جاڑے کا موسم صلیبی سپاہیوں نے بڑی پریشانی اور بدحواسی کی حالت میں بسر کیا۔ بہت سے نصرانی سردار اس وقت تک مارے جا چکے تھے۔ ملکہ سبیلہ گوشہ لحد میں سو چکی تھی۔ انگریزی فوج میں سے ارل آف فیرر اور کلیر شکستوں کی پریشانی سے گھبرا کر راہئ مُلک عدم ہو چکے تھے۔ نومبر کے اختتام میں آرک بشپ آف کنٹربری مسیح علیہ السّلام کی اُمت کی بداخلاقیوں اور نازیبا اور شرمناک حرکات سے کڑھ کڑھ کر اپنے آقا کے حضور میں شکایت کرنے کے لئے دُنیا سے رخصت ہو چکا

تھا۔ لشکر میں بدانتظامی کے علاوہ قحط اور وبا پھیل رہی تھی۔ ایک انڈہ کی قیمت چھ دینار تک پہونچ چکی تھی۔ گندم کے ایک تھیلے کا دام ایک اشرفی تھا اہل لشکر گھوڑوں اور مردہ حیوانوں کے گوشت پر گذران کرتے تھے۔ سرداروں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ بہت سے لوگ بھوک کی شدت سے تنگ آکر مسلمان ہو گئے یا رشوت لے اور بھی ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے جاڑے کی شدت کم ہونے لگی دریا کا راستہ کھل گیا۔ اور محاصرین کے پاس اس قدر سامان رسد آپہونچا۔ کہ قحط کی مصیبت سے انہیں نجات مل گئی۔

سلطان صلاح الدین نے بھی جاڑے کے ایام میں اپنے سرداروں کو[1] لشکروں کے ساتھ گھروں کو واپس جانے کی اجازت عطا کر دی۔ اہل عکہ کو سامان خورد و نوش پہونچانے کے واسطے ملک العادل مقام حیفا پر موجود تھا۔ مصر سے جو غلہ دریا کے راستہ آتا تھا۔ ملک العادل کا لشکر اسے قلعہ میں پہونچا دیتا تھا۔ ماہ فروری میں سلطان نے شہر کی حفاظت کے لئے تازہ دم فوج بھیجدی۔

علامہ ابن اثیر لکھتا ہے کہ سلطان بذات خود اپنے جاں نثاروں کی جمعیت کے ساتھ عکہ کے باہر عیسائیوں کی روک تھام کے لئے موجود رہا۔ شہر کی حفاظت کے لئے تازہ دم فوج بھیجدی گئی۔ لیکن یہ سپاہی کچھ ایسے تجربہ کار نہ تھے اور ان کے افسر بھی نوجوان ہی تھے۔ فوجی نکتہ خیال سے سلطان کی یہ ایک مہلک غلطی تھی اس تمام عرصہ میں گاہے گاہے نصرانی اور سلطانی لشکر میں معرکہ آرائی بھی ہو جاتی اور کبھی کبھی اہل شہر میدان میں آکر عیسائیوں کو قتل بھی کر جاتے تھے۔ لیکن ان لڑائیوں سے کبھی کسی کو مستقل فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا۔

آخر جاڑے کا موسم گذرا۔ درختوں میں شگوفے نکل نکل کر بہار کی آمد کی خبر دینے لگے۔ ساتھ ہی یورپ سے رچرڈ بادشاہ انگلستان اور فلپ بادشا

شیر دل رچرڈ

فرانس کے ایشیا میں پہونچ جانے کی خبر اُڑنے لگی۔ اور دونوں طرف سے تیسری صلیبی جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

رچرڈ بادشاہ انگلستان

رچرڈ بادشاہ انگلستان اور فلپ شاہ فرانس ۱۱۹۰ء میں یورپ سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے کے لئے چلے لیکن ان کے ایشیا میں پہونچتے پہونچتے سلطان صلاح الدین نے عکہ کے میدان میں نصرانیوں کا ستھراؤ کر ڈالا۔ سب سے پہلے فلپ بادشاہ فرانس عکہ پہونچا۔ نصرانیوں نے بڑے جوش سے اس کا استقبال کیا۔ فلپ نے آتے ہی قلعہ عکہ کی تسخیر کی تدبیر شروع کردی۔ بڑی بڑی قلعہ شکن مشینیں قلعہ کے سامنے استادہ کر دی گئیں۔ ماہ مئی میں نصرانی لشکر پھر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ دن بھر فلپ کی تازہ دم فوج قلعہ پر یورش کرتی تھی۔ اور شب کی تاریکی میں قلعہ کی دیواریں اُڑانے کے لئے خندقیں بنانے میں لگی رہتی تھی۔

قاضی فضل اپنے ایک خط میں یوں شامہ کو لکھتا ہے "نصرانیوں نے اس زمانے میں جس قدر سامان حرب ایجاد ہو چکا تھا محصورین کے مقابلہ میں استعمال کیا۔ ان لوگوں نے اپنے صدر مقام کے پاس سے ایک دمدمہ تیار کرنا شروع کیا۔ اس دمدمے کی آڑ میں نصرانی سپاہی قلعہ کی دیواریں اُڑانے کے لئے سرنگیں کھودتے تھے۔ سرنگوں میں سے جس قدر مٹی نکلتی تھی وہ اسی دمدمہ پر ڈال کر اسے بلند کرتے جاتے تھے۔ اس دمدمہ پر ایک برج بھی تعمیر کیا گیا۔ اس برج کا پہلا حصہ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ ایک حصہ لوہے وغیرہ سے تیار کیا گیا تھا۔ ایک اور حصہ سنگ و خشت

سے تعمیر ہوا تھا۔ ہر ایک حصہ میں نصرانی لشکر کے چند نوجوان بکثرت موجود تھے اور یہ ایک ہی وقت میں اہل قلعہ پر آتش باری کرتے تھے"۔

فلپ بادشاہ فرانس کو رچرڈ بادشاہ انگلستان کا انتظار تھا۔ اور اسی لئے وہ عساکر سلطانی پر حملہ کرنے میں لیت ولعل کر رہا تھا۔ آخر رچرڈ کی آمد آمد کی افواہ پھیلنے لگی۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان کے عکہ پہونچنے کی کیفیت ہم ایک کتاب الموسوم بہ "ہسٹری آف رچرڈ" (جہانیان جہاں گشت رچرڈ کی سیاحت) سے جو اس کے بڑے مداح عیسائی مؤرخوں نے لکھی ہے نقل کرتے ہیں:۔

"یورپ سے نکل کر رچرڈ بجائے اس کے کہ وہ سیدھا بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑانے کیلئے سرزمین فلسطین کی طرف متوجہ ہوتا۔ وہ راستہ ہی میں مسینا اور سائپرس کی تسخیر کے لئے رک گیا۔ آخر ان ہر دو مقامات کو فتح کرکے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ عکہ سے دور ہی تھا کہ اسے یہ خبر ملی کہ فلپ شاہ فرانس کی فوج عنقریب قلعہ عکہ پر قبضہ کرنے والی ہے۔ یہ خبر سن کر وہ بہت بیقرار ہوا کیونکہ اسے اس بات کا بہت رنج تھا کہ عکہ کی فتح میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اس کا بیڑا بہت عظیم الشان تھا۔ سب سے آگے بادشاہ کا جہاز تھا۔ آخر خدا خدا کرکے بیت المقدس کے مینار دور فاصلہ پر اسے نظر آئے۔ ایک روز جب رچرڈ کا بیڑا الصیدان کے قریب جوار میں گذر رہا تھا۔ کہ بیروت کی جانب سے ایک بہت بڑا جہاز آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس جہاز میں بہت سے نوجوان ترک سوار تھے۔ جو سلطان صلاح الدین کی مدد کو آرہے تھے سمندر میں انگریزی بیڑا دیکھ کر یہ جہاز کنارے سے ہٹ کر سمندر میں چلا گیا: تاکہ موقع پاکر عکہ کی بندرگاہ میں داخل ہو جائے۔ رچرڈ کو اس جہاز کی بناوٹ سے کچھ شبہ سا پیدا ہوا۔ اور اس نے اپنے سرداروں سے پوچھا: کہ یہ کس کا جہاز ہے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کو دھوکا دینے کیلئے فرانسیسی

پھریرا اُڑ رہا تھا۔ اس کے امیرالبحر نے کہا کہ فلپ شاہ فرانس کا جہاز معلوم ہوتا ہے
لیکن رچرڈ کو یقین نہ آیا۔ اور اس نے ایک جنگی جہاز کے کپتان کو حکم دیا کہ
وہ خود اس جہاز کے قریب پہونچکر معلوم کرے کہ کون لوگ اس پر سوار ہیں۔
جونہی انگریزی جہاز نزدیک پہونچا۔ تو اسلامی جہاز پر سے تیروں کی بارش
ہونے لگی۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ انگلستان نے حملہ کا حکم دیدیا۔ انگریزی
جہازوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔ لیکن مسلمان بہادروں نے کسی جہاز کو
پاس نہ پھٹکنے دیا۔ رچرڈ کے سُورما ہمت ہار کر پیچھے ہٹنے لگے۔ اس پر رچرڈ نے
اعلان کر دیا۔ کہ اگر کوئی سپاہی تساہل سے کام لیگا۔ تو اُسے سُولی دیدی جائیگی
بادشاہ کا یہ حکم سُن کر بہت سے سپاہی جہازوں سے سمندر میں کُود پڑے اور بڑی
کشمکش سے مسلمانوں کے جہاز تک پہونچے لیکن جو شخص بھی جہاز پر ہاتھ رکھتا تھا
وہیں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو کر سمندر میں جا پڑتا تھا۔ رچرڈ نے تمام بیڑے کو
اس اکیلے جہاز پر تیر اندازی کرنیکا حکم دیا۔ آخر بہت سے جوانمرد عیسائی جہاز پر
چڑھ گئے اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ ترکوں نے سینکڑوں صلیبی بہادر
قتل کر ڈالے۔ باقی ماندہ اسلامی جہاز سے بھاگ کر اپنے جہازوں پر آ گئے۔ اب
رچرڈ نے اپنے بیڑے کو حکم دیا۔ کہ اسلامی جہاز کو جس طرح ہو بیکار کر دیں۔ آخر
اس تدبیر سے اسلامی جہاز میں شگاف ہو گیا۔ اور وہ ڈوبنے لگا۔
(علامہ بہاؤالدین لکھتا ہے کہ اس جہاز کا کپتان "یعقوب حلبی" تھا۔ اس نے
خود جہاز میں چھید کر کے ڈبو دیا تھا)
مسلمان سپاہی جو اس جہاز میں موجود تھے سب کے سب سمندر میں کود پڑے
کچھ تو ڈوب گئے۔ جو بچے وہ قتل کر ڈالے گئے۔ اس جہاز پر اسقدر سامان رسد
اور سامان حرب تھا۔ کہ اگر یہ عکہ میں پہونچ جاتا۔ تو پھر عیسائی ہرگز ہرگز

قلعہ پر قابض نہ ہو سکتے۔ اس جہاز کو تباہ کرنے کے بعد رچرڈ اپنا بیڑا لے کر عکہ کی طرف بڑھا جہاں بڑی بیتابی سے اس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ آخر عکہ کے مینار اور برج نظر آنے لگے۔ اور پھر میدان جنگ کا نقشہ بھی صاف صاف نظر آنے لگا۔ عکہ کے سامنے عیسائی لشکر پڑا تھا۔ ان سے کچھ فاصلہ پر سلطان صلاح الدین کا لشکر نظر آ رہا تھا۔ ایک اونچے ٹیلے پر ایک خیمہ نصب تھا اور پرچم ہلال ہوا میں لہرا رہا تھا یہ سلطان کا خیمہ تھا۔ خیمہ کے دروازے پر دو شیر زنجیروں سے بندھے تھے۔ سلطانی خیمہ کے پاس ہی اس کے بھائی ملک العادل کا خیمہ نصب تھا۔ اس کے دروازے کے سامنے بھی شیروں کی ایک جوڑی بندھی تھی۔ فوج کے قلب میں ایک جانب مشہور اسلامی بہادر تقی الدین عمر کا خیمہ نصب تھا۔

جب رچرڈ کا جہاز کنارے پر لگا۔ تو تمام نصرانی لشکر نے خوشی کا نعرہ بلند کیا عیسائی اسے اپنا نجات دہندہ کہتے تھے۔ بادشاہ فرانس اپنے تمام امراء اور بڑے بڑے نامی گرامی سرداروں کو ساتھ لیکر بادشاہ رچرڈ کے استقبال کو آیا۔ مؤرخہ ۸ جون کو رچرڈ نے سرزمین عکہ پر قدم رکھا۔ رات کو عیسائی لشکر نے روشنی کی۔ تمام دن اور رات گھڑیال بجتے رہے۔ اور پادری مناجات پڑھتے رہے۔"

---

۵ جون سے سلطان صلاح الدین نے پھر عیسائی لشکر سے چھیڑ چھاڑ شروع کر رکھی تھی۔ ادھر عیسائی محاصرہ پر زور ڈال رہے تھے۔ محصورین دن کے وقت تو عیسائیوں کے حملوں کا جواب دیتے اور رات کے وقت اپنی خندقوں کا انتظام کرتے۔ سلطانی لشکر ابھی تمام کا تمام فراہم نہ ہوا تھا۔ لیکن مصر اور عراق عرب سے کمکی فوج کے آنے کا انتظار تھا۔

رچرڈ اور فلپ دونوں نے مل کر شہر کو تسخیر کرنے کے لئے بڑے بڑے فوجی برج اور قلعہ شکن مشینیں جو رچرڈ جزیرہ قبرص ساتھ لایا تھا استادہ کر دیں۔ رچرڈ اور فلپ دونوں تمام دن فوجی مورچوں کے انتظام میں مشغول رہتے تھے۔ تمام دن دونوں طرف سے آتش باری اور سنگ باری کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جب عیسائی یورش کر کے قلعہ پر حملہ کرتے۔ تو قلعہ کے برجوں سے نقارے بجنے شروع ہو جاتے۔ نقاروں کی آواز سے سلطان آگاہ ہو کر عیسائی لشکر پر حملہ کرتا۔ تاکہ ان کو قلعہ کی جانب سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرے۔ لیکن عیسائیوں کو اپنی جمعیت کی کثرت پر ناز تھا۔ مؤرخہ ۱۴ اور ۱۷ جون کو جو حملے ہوئے اُن میں عیسائی لشکر کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔

سفر کی کوفت وغیرہ کے باعث شاہ انگلستان کچھ علیل ہو گیا۔ اور سلطان کے پاس اس کے بھائی ملک العادل کے توسل سے برف اور کچھ پھل کی درخواست کی۔ اور ساتھ ہی یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ کچھ عرصہ کے لئے لڑائی بند کر دی جائے۔ سلطان نے بہت سی برف اور تازہ پھل رچرڈ کے پاس بھجوا دیئے۔ لیکن آخری بات قبول نہ کی۔

مؤرخہ ۷ جولائی کو عیسائیوں نے خندقوں سے نکل کر شہر پر حملہ کر دیا۔ سلطان بھی نقاروں کی آواز سے مطلع ہو کر میدان میں نکلا۔ دونوں طرف سے تلوار چلنے لگی۔ لیکن لڑائی کا ڈھنگ نرالا ہی تھا۔ اثنائے جنگ میں نصرانی جتنے مسلمانوں کو قید کرتے وہ سب اسی جگہ تیل ڈال کر زندہ جلا دیئے جاتے۔ سلطان یہ ظلم دیکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی جو عیسائی قید ہو کر اس کے حضور میں لائے جاتے اُن کو پابہ زنجیر کر کے محفوظ مقامات میں پہونچا دیا جاتا۔ اس لڑائی میں فلپ بادشاہ فرانس بھی زخمی ہوا۔ اگلے روز رچرڈ نے چیدہ چیدہ جوانوں کی ایک فوج تیار کر کے ایک ایسے مقام پر کھڑی کر دی۔ کہ

جب سُلطان بذات خاص حملہ آور ہو تو اُسے روکیں جب سُلطان اور تقی الدین عمر شمشیر بکف میدان میں نکلے تو دونوں طرف کے بہادر حقِ شجاعت ادا کرنے لگے۔ مُسلمانوں کے جوش کا یہ حال تھا۔ کہ سوار گھوڑوں سے اُتر کر عیسائیوں میں جا گھُسے تھوڑی ہی دیر میں خُون کے ندی نالے بہنے لگے۔

ادھر وہ عیسائی فوج جو قلعہ عکہ پر حملہ کر رہی تھی۔ بڑی مردانگی سے لڑ رہی تھی محصورین بھی زیست سے مایوس ہو کر ان کے حملوں کا جواب دیتے تھے لیکن عیسائیوں کی کثرت کے باعث ان پر غالب نہ آ سکتے تھے۔

سُلطان کے بھائی ملک العادل نے آج کی لڑائی میں دو بار صلیبی سرداروں کی جماعت پر حملہ کیا۔ اور دونوں بار ان کو مارتا ہُوا دُور تک لے گیا۔ لیکن اپنی جمعیت کی قِلّت کے باعث کچھ فائدہ حاصِل نہ کر سکا۔

ایک روز عیسائیوں نے اپنے مقتول سپاہیوں اور حیوانوں کی لاشوں سے اُن خندقوں کو جو قلعہ کے سامنے تھیں لاشوں سے بھر دیا۔ اہل قلعہ نے رات کی تاریکی میں ان لاشوں کو نکال کر دریا میں پھینکدیا۔ اور صبح ہونے سے پیشتر ہی خندقوں کو صاف کر لیا۔ سات روز سے اہل قلعہ شب و روز عیسائیوں کے مقابلہ پر تُلے ہوئے تھے آخر ان لوگوں نے سلطان کے پاس آخری پیغام بھیج کر اس کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ سلطان نے محصورین کو کہلا بھیجا کہ وہ خدا کے فضل سے مایوس نہ ہوں۔ اور بہت جلد سامانِ رسد اور کمک بھیجنے کا وعدہ کیا۔

اہل شہر ان شبانہ روز جنگوں سے بالکل تنگ آ چکے تھے۔ سامان حرب کے علاوہ کھانے کو بھی کچھُ باقی نہیں رہا تھا۔ قلعہ کی دیواریں عیسائیوں کے جان توڑ حملوں اور بڑی بڑی مہیب مشینوں کی مار سے کمزور ہو چکی تھیں۔ آخر اہل قلعہ نے مایوس ہو کر

سُلطان کی اجازت لیے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیئے اور شہر حوالے کر دینے کا وعدہ کر لیا۔
عین اس وقت جب سلطان عیسائی لشکر پر ایک عام حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا اسے اہل قلعہ کے ہتھیار ڈال دینے کی خبر سُنائی گئی۔

رچرڈ کے حکم سے عیسائی لشکر میں اعلان کروا دیا۔ کہ کوئی شخص مسلمانوں سے تعرض نہ کرے۔ اہل شہر کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ چُپ چاپ شہر سے نکل جائیں۔ بڑے بڑے سردار اور امیر آدمی رچرڈ نے بطور یرغمال روک لئے۔

مشہور عیسائی مؤرخ ارنول لکھتا ہے کہ صرف فوج کو شہر چھوڑنے کی اجازت عطا کی گئی تھی۔ تمام اہل شہر بطور یرغمال روک لئے گئے تھے۔ اور یہ قرار پایا کہ جب سلطان تمام عیسائی قیدی آزاد کر دے گا۔ تو پھر اہل شہر کو آزادی ملے گی۔

شہر عکہ میں داخل ہو کر فلپ بادشاہ فرانس تو ٹمپلر سرداروں کے محل میں جا کر مقیم ہوا۔ اور شاہی محل میں خود رچرڈ اپنی دونوں بیگموں کے ساتھ رہنے لگا۔ تمام عیسائی لشکر کو آرام کرنے کی اجازت دی گئی۔

تیسری صلیبی جنگ

جب سے سُلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ ہمیشہ فتح اور نصرت اس کے ہم رکاب رہی تھی۔ اور یہ پہلا موقع تھا۔ کہ عکہ پر سلطانی افواج کی موجودگی میں نصرانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس وقت علاوہ گائی لوسگنن اور ایشیائی صلیبی سرداروں کے شاہان انگلستان و فرانس اور یورپ کے بڑے بڑے نامی گرامی صلیبی سردار متفق طور پر اس کے مقابلہ پر تھے۔ عکہ کے میدان میں عساکر اسلام عیسائیوں کو کئی بار شکست دے چکے تھے لیکن عیسائیوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے مورچوں کو

تسخیر کر کے اہلِ شہر تک نہ پہونچ سکتے تھے۔

عکہ کی تسخیر کے بعد سلطان کو عیسائیوں سے نامہ و پیام کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی لیکن سب سے پہلے خود رچرڈ بادشاہ انگلستان نے عکہ پہونچتے ہی اپنے سفیر سُلطان کے حضور میں بھیجے۔ اور مُلاقات کی درخواست کی۔

علامہ بہاؤالدین لکھتا ہے کہ سُلطان نے مُلاقات کرنے سے اِس بناء پر انکار کر دیا کہ جب دو بادشاہ آپس میں برسرِ پیکار ہوں۔ تو دوستانہ مُلاقاتیں منافقانہ سمجھی جائینگی۔ بادشاہ رچرڈ کے سفرا ناکام واپس چلے گئے۔

پھر جب آب و ہوا کی ناموافقت کے بعد رچرڈ بیمار ہو گیا۔ تو اُس نے پھر ایک بار مُلاقات کی درخواست کی۔ اِس دفعہ سُلطان نے اپنے بھائی ملک العادل کو بادشاہ انگلستان سے مُلاقات کرنے کی اجازت دی۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک جگہ مُلاقات کے لئے تجویز ہوئی۔ لیکن رچرڈ کی طبیعت زیادہ خراب ہو جانے سے مُلاقات مُلتوی کر دی گئی۔

یکم جولائی کو پھر بادشاہ رچرڈ کے سُفرا سُلطان کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بہاؤالدین لکھتا ہے کہ ان سفرا کے بار بار آنے کا صرف یہ مطلب تھا۔ کہ کسی طرح وہ ہمارے لشکر کی اصلی طاقت کا اندازہ لگا سکیں۔ پھر مورخہ ۴ر جولائی کو بادشاہ انگلستان کے سفیر حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کے لئے برف اور پھل مانگے۔ سُلطان نے بہت سی برف اور تازہ پھلوں کے ٹوکرے رچرڈ کے لئے بھیج دیئے۔ اگلے روز سینٹ جان کے صلیبی سرداروں کا سردارِ اعظم جو تمام عیسائی سرداروں میں سے معزز ترین شخص تھا تین اور نامی گرامی سرداروں کے ساتھ ملک العادل سے آکر ملا۔ ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ مورخہ ۸ر اور پھر ۱۱ر جولائی کو عیسائی سُفرا پھر ملک العادل سے ملے۔ اور صلح کے لئے گفتگو

ہوتی رہی لیکن فلپ اور رچرڈ نے جو شرائط پیش کیں سلطان حقارت سے رد کر دیں اور ایک فیصلہ کن جنگ کا پیغام دیا۔ لیکن نصرانی لشکر کو یہ ہمت نہ پڑی کہ میدان میں صف بستہ ہو کر عساکر اسلامی کا مقابلہ کریں۔ اگلے روز اچانک سلطان کو یہ خبر ملی۔ کہ محصورین نے عکہ عیسائیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اور یہ شرائط کر لی ہیں:۔

(۱) عکہ مع تمام سامان جنگ۔ سامان خوراک اور جنگی جہازوں کے عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے۔

(۲) اہل عکہ دو لاکھ اشرفی عیسائیوں کو نقد بطور تاوان ادا کریں۔

(۳) ایک ہزار پانسو عام سپاہی اور ایک سو نصرانی سردار آزاد کر دیئے جائیں۔

(۴) صلیب اعظم نصرانیوں کو واپس دیدی جائے۔

(۵) چار ہزار اشرفی مارکوئس والی صور کو ادا کی جائے۔

ان شرائط کے بدلے نصرانیوں نے یہ وعدہ کیا۔ کہ وہ اہل شہر کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ شہر سے با آرام نکل جانے دیں گے۔

سلطان یہ شرائط سن کر غصہ سے تلملا اٹھا چودہ سال کے عرصہ میں آج یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے سرداروں نے ایسی ذلیل شرائط پر صلح کر لی تھی۔ اس کے غصہ اور رنج کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے اپنے لشکر کو میدان جنگ چھوڑ کر "شفرامام" کے مقام پر خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ اور اسی جگہ نصرانی سفرا کا انتظار کرنے لگا۔ دونوں طرف سے سفیر آنے جانے لگے۔ اسلامی اور نصرانی لشکر ایک ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل پڑے رہے۔ مسلمان ایک روز جوش انتقام میں بھرے ہوئے عیسائیوں پر جا پڑے۔ سیف الدین اور عزیز الدین اسلامی حملہ آوروں کی کمان کرتے تھے۔ اس معرکہ میں بہت سے نصرانی قتل ہو گئے۔ اور پانچ ہزار کے قریب مجاہدین گرفتار کر کے لے گئے۔ باوجود اس شکست کے پھر بھی نصرانی سرداروں کو جوش

نہ ہوا۔ کہ وہ اسلامی لشکر پر حملہ کریں۔

رچرڈ بادشاہ انگلستان جس روز "عکہ" میں پہونچا۔ اُسی دن سے قلعہ کے مقامات اور چوکیوں کو مستحکم کرانے میں مشغول ہو گیا۔ آتش باری کرنے والی بڑی بڑی مشینیں منگوا کر دیوار پر مختلف مقامات پر نصب کروا دیں۔ اِس اثنا میں فلپ بادشاہ فرانس بیمار ہو گیا۔ جب اس کی طبیعت زیادہ بگڑی تو اپنی فوج کا ایک حصہ ڈیوک آف برگنڈی کے ماتحت "عکہ" میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

شرائط صلح کی تکمیل کے لئے جو مدت قرار پائی تھی۔ وہ یونہی گزر گئی۔ نہ تو عیسائی قیدی ہی دمشق سے واپس آئے۔ اور نہ ہی "صلیب اعظم" واپس ملی۔ صلیب اعظم معرکہ حطین میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے چھینی تھی۔ لکڑی پر سونے کا موٹا ورق چڑھا ہوا تھا۔ اور جواہرات سے مرصع تھی۔ سلطان نے پہلے مسلمانوں کو دکھانے کے لئے اسے دمشق بھیجا۔ پھر دمشق سے ۴ جون ۱۱۸۹ء کو خلیفہ نے اسے بغداد منگوایا۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے۔ کہ معرکہ عکہ کے وقت یہ صلیب سلطانی کیمپ میں موجود تھی۔ لیکن جب عیسائیوں اور سلطان کے درمیان صلح کی گفتگو کا سلسلہ بند ہو گیا تو سلطان نے پھر اسے دمشق بھیجدیا۔ اور مسجد کے دروازے کے سامنے رکھوا دیا۔

رچرڈ کی سوانح حیات قلمبند کرنے والے عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں۔ کہ ۱۱۹۲ء میں یہ صلیب بیت المقدس بھیجدی گئی۔ بشپ آف سالسبری نے سلطان کی خاص اجازت سے بیت المقدس جا کر اس کی زیارت کی۔

عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین دیدہ و دانستہ شرائط کی تکمیل میں لیت و لعل کرتا تھا جس سے اس کا غالباً یہ مدعا تھا۔ کہ وہ عیسائی قیدیوں کو

آزاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بہاؤالدین لکھتا ہے کہ مؤرخہ ۲ اگست کو بادشاہ رچرڈ کے انگریز سفیر پھر سلطان کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ بادشاہ انگلستان کو یہ شرائط منظور ہیں۔ ماہ بہ ماہ باقساط تاوان جنگ کی رقم (دو لاکھ اشرفی) اور قیدی آزاد ہو ہو کر نصرانی لشکر میں بھیجے جائیں۔ اور پہلی قسط اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں ادا کر دی جائے۔ لیکن اس فہرست میں چند ایک ممتاز نصرانی سرداروں کے نام نہ تھے اس پر بادشاہ انگلستان کے سفیروں نے اعتراض کیا۔ اور مؤرخہ ۱۱ اکتوبر کو حاضر ہو کر تمام شرائط کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے جواب دیا۔ کہ عکہ میں جس قدر مسلمان قیدی ہیں پہلے وہ آزاد کر دو۔ اور پہلی قسط کا روپیہ اور قیدی لے جاؤ۔ باقی شرائط کی تکمیل کے لئے ہم تم کو کچھ مسلمان بطور یرغمال دیدیں گے۔ اور اگر یہ منظور نہیں تو اُن مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جو قلعہ میں قید ہیں۔ ہمارے پاس اپنے چند سردار بطور یرغمال بھیجدو۔ اور جو کچھ ہم اس وقت ادا کر سکتے ہیں قبول کر لو۔ انگریزی سفرا نے جواب دیا۔ کہ وہ یہ شرط قبول نہیں کر سکتے۔ البتہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر سلطان پہلی قسط ادا کر دے۔ اور باقی اقساط باقاعدہ پہونچتی رہیں۔ تو مسلمان قیدیوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ یہ سُن کر سلطان نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ اسے عیسائیوں کی زبان پر اعتبار نہیں۔ کیونکہ متعدد بار اسے اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

لین پول صاحب اپنی کتاب الموسوم بہ "صلاح الدین اور فتح بیت المقدس" میں تحریر کرتے ہیں کہ رچرڈ کے پاس جب سلطان کا جواب پہونچا۔ تو اُس نے نہایت سختی سے کام لے کر اُن تمام مسلمانوں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جو شہر "عکہ" میں اسیر تھے۔ چند ایک معزز مسلمان سردار اس خیال سے اس جلادانہ حکم سے مستثنے کر دیئے گئے۔ کہ شاید سلطان ان کی خاطر تمام عیسائی قیدی آزاد کرنے پر مجبور

ہو جائیگا۔ بادشاہ رچرڈ کو مسلمانوں سے خاص کاوش تھی۔ اور جب کبھی اس کو موقع ملتا۔ وہ مسلمانوں کو قتل کرانے سے دریغ نہ کرتا۔

مورخہ ۱۶ اگست کو (لیکن بقول علامہ بہاؤ الدین، ۲۰ اگست) کو رچرڈ نے حکم دیا کہ دو ہزار سات سو مسلمان جو قلعہ میں اسیر ہیں پا بہ زنجیر شہر سے باہر لے جا کر قتل کر دیئے جائیں۔ عیسائی سپاہی بادشاہ کا حکم پاتے ہی مسلمانوں کو میدان میں لیجا کر قتل کرنے لگے۔"

جس وقت اسلامی لشکر کو اپنے بیکس بھائیوں کی نازک حالت کا علم ہوا۔ تو عساکر اسلامی میں سے مجاہدین نے آگے نکل کر ان کو بچانے کے لئے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ شام تک تلوار چلتی رہی۔ ہزاروں عیسائی قتل ہوئے لیکن مسلمان اپنے بھائیوں کو قتل ہونے سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ صرف چند ایک معزز لوگوں کو زندہ رہنے دیا گیا۔

مسٹر لین پول صاحب لکھتے ہیں :۔ "بوڑھے اور ناتوان مرد۔ لڑکے اور نوجوان عورتیں اور معصوم بچے۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان کے حکم سے بھیڑ اور بکری کی طرح ذبح کر ڈالے گئے۔ جس طرح سلطان صلاح الدین کے رحم اور فیاضی کی مثالیں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح کا یہ سفاکانہ حکم اور سلوک بھی قابل یادگار اور تعجب ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کو صلیبی جنگوں کی تاریخ پر عبور ہے ان کے لئے یہ واقعات کچھ نئی اور حیران کن باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ حصہ قدرتی طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ کہ صلیبی جنگوں کے ایام میں رحم۔ ہمدردی۔ تہذیب۔ صداقت۔ فیاضی۔ حلم۔ بہادری۔ شجاعت اور صبر صرف مسلمانوں ہی کا طرۂ امتیاز تھا۔" ان کے علاوہ جو کچھ بھی تھا۔ وہ پیروانِ مسیح علیہ السلام کے حصہ میں تھا۔ یہ لوگ جتنا بھی اس پر

ناز کریں کم ہے۔

اس سفاکانہ ظلم اور قتل عام کے بعد رچرڈ بادشاہ انگلستان جو عیسائی دُنیا کا مایہ ناز بادشاہ تھا عسقلان کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس کا ارادہ تھا کہ عسقلان کے راستے سے ہوتا ہوا بیت المقدس پہونچ جائے۔ یہ وہی بیت المقدس ہے جس پر عیسائیوں نے قبضہ کر کے ستّر ہزار مسلمان زن و مرد کو شہید کر ڈالا تھا۔ لیکن جب سُلطان صلاح الدین نے اسے فتح کیا۔ تو اس قدر فیاضی اور رحم سے کام لیا۔ کہ نصرانی زن و مرد یورپ اور ایشیا میں اس کے گیت گانے لگے۔

اس وقت رچرڈ کے پاس تین لاکھ سے کچھ زیادہ سپاہی موجود تھے عیسائیوں کو عکہ چھوڑنا ایک مصیبت معلوم ہوتا تھا۔ رچرڈ کے سوانح نگار لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے صلیبی سردار شغل شراب اور عیاشی میں اس قدر غرق تھے۔ کہ اپنا اصلی مقصد بھی بھول بیٹھے تھے۔ شب و روز ناچ و رنگ کی محفلیں گرم تھیں۔ جب بادشاہ رچرڈ نے یہ منادی کرادی۔ کہ کوئی عورت سوائے دھوبی عورتوں کے لشکر کے ساتھ نہیں جا سکتی تو ہمارے صلیبی سُورما بہت گھبرائے۔ اور لگے بہانے اور حیلے تلاش کرنے۔ تاکہ جس طرح بھی ہو سکے عکہ ہیں ٹھہرے رہیں۔ آخر رچرڈ نے ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی عسقلان کی طرف روانہ کر دیئے۔

عکہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد سُلطان صلاح الدین نے اپنے لشکر کو ایسے مقامات تقسیم کر دیا۔ جہاں سے ایک طرف سے طبریاس اور دمشق کو جانے والی سڑک کی حفاظت ہوتی تھی۔ اور دُوسری جانب سے جنوب مشرق کی جانب نظارت اور بیت المقدس کے راستہ کی حفاظت ہوتی تھی۔ اور کچھ فوج کو مقام شفرا امام پر مورچے لگانے کا حکم دیا۔

رچرڈ جس کی بہادری اور شجاعت کا سکہ تمام بلادِ یورپ پر بیٹھا ہوا تھا۔ باوجود تین لاکھ نصرانی لشکر کی موجودگی کے یہ جرأت نہ کر سکا کہ ان راستوں سے سفر کرے۔ جو سلطانی افواج کے قرب وجوار میں واقع تھے۔ اس لئے وہ پرانا راستہ سفر کے لئے اختیار کیا۔ جسے "رومن روڈ" کہتے ہیں۔ یہ راستہ سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے اس سے اسے دو فائدے حاصل ہوتے۔ ایک تو یہ کہ بائیں جانب ایک سلسلہ کوہستان تھا۔ جو اس کے لشکر کو عساکرِ اسلام سے جدا کرتا تھا۔ اور دوسری جانب سمندر تھا۔ اور انگریزی جنگی جہازوں کا بیڑا ہر وقت کمک کے لئے تیار رہتا۔ رچرڈ کا ارادہ تھا کہ جیفا اور عسقلان تک ساحل کے ساتھ ساتھ کوچ کرتا ہوا جائے اور پھر ایک مستقل فوجی چوکی قائم کرکے بیت المقدس کی طرف پیشقدمی کرے۔

جیفا عکہ سے بخطِ مستقیم ساٹھ میل تھا۔ راستہ میں آٹھ دریا عبور کرنے پڑتے تھے۔ اور سڑکیں اچھی حالت میں نہ تھیں۔ گرمی کا موسم تھا۔ راستہ کے دونوں جانب گھاس کا جنگل تھا جس میں جابجا سلطانی فوج کی چوکیاں تھیں۔ اگر مسلمانوں کے پاس میدانی توپیں ہوتیں تو عیسائیوں کا اس جانب سے سفر کرنا ناممکن تھا۔ رچرڈ اپنے تمام لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا تھا اور اسی ترکیب سے وہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ رہا۔

جمعہ مورخہ ۲۲ اگست عیسائی لشکر نے نہر نعیین کو عبور کرکے اس کے مشرقی کنارے پر جا ٹھہرا۔ دوشنبہ کے روز سلطان کو عیسائی لشکر کے اس مقام سے کوچ کرنے کا علم ہوا چنانچہ وہ اسی وقت ان کے تعاقب میں چل کھڑا ہوا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی۔ کہ عیسائی دریائے کشان کو عبور کرکے جیفا کے پاس پہنچے ہیں۔ سلطان نے ایک دستہ فوج کو دشمن کی نقل وحرکت کے واسطے چھوڑا۔ اگلے روز ایک جرار لشکر کو عیسائیوں کے قرب وجوار میں چھوڑ کر سلطان صلاح الدین بذاتِ خود

باقی ماندہ فوج کے ساتھ قیساریہ کی طرف رچرڈ کا راستہ روکنے کے لئے بڑھا اور اس مقام پر پہونچ کر ایک باقاعدہ لڑائی کے لئے تمام انتظام کر لئے شام تک سلطان گرد و نواح کے مقامات ملاحظہ کرتا رہا۔ شام کے بعد یہ اطلاع ملی کہ بادشاہ رچرڈ ابھی تک مقام حیفا پر ہی پڑا ہے۔ مجاہدین کے جوش اسلامی کا یہ حال تھا کہ بے گناہ مسلمانوں کے قتل کا انتقام لینے کے لئے دانت پیستے تھے۔ مورخہ ۲۷ کو سلطان پھر ساحل کی طرف سوار ہو گیا۔ کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی۔ کہ نصرانی لشکر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ واپس آکر سلطان نے اپنی فوج کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا جہاں سے قیساریہ کی بخوبی حفاظت ہو سکتی تھی۔ وہ فوج جسے سلطان رچرڈ کے لشکر کے قریب ہی چھوڑ آیا تھا۔ عیسائی لشکر کو گھیرے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے ایک مقام پر مسلمانوں نے اچانک عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ چار گھنٹہ تک تلوار چلی۔ خون کے ندی نالے بہنے لگے۔

علامہ بہاؤالدین جو اس وقت سلطان کے ہمرکاب تھا۔ پہلی لڑائی کا حال یوں لکھتا ہے:-

"عیسائی پیدل فوج کے ہراول کے سپاہی لوہے کے لباس میں ملبوس تھے۔ اور ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑے ہوئے ایک دیوار آہنی معلوم ہوتے تھے۔ مسلمان تیر انداز تیروں کی بارش کرتے تھے۔ لیکن عیسائیوں کا نقصان کم ہوتا تھا۔ یہ زرہ پوش عیسائی بھالوں اور کلہاڑوں سے مسلح تھے۔ رچرڈ کی فوج کا وہ حصہ جو ساحل کے قرب و جوار میں تھا مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ تھا تھوڑی تھوڑی دیر بعد تازہ دم عیسائی فوج آکر جنگ میں شامل ہو جاتی تھی۔ رچرڈ نے تمام نامی گرامی صلیبی سرداروں کو فوج کے مرکز میں کھڑا کیا ہوا تھا۔ اور حکم دیدیا تھا۔ کہ جب تک وہ اجازت نہ دیں یہ سردار حملہ نہ کریں۔ عیسائی لڑائی کرتے جاتے تھے اور بائیں جانب آگے بھی بڑھتے جاتے تھے۔

مسلمان جوش میں آگے بڑھکر نصرانی بستر داروں کی مخصوص جماعت پر حملہ کرتے تھے اور ان کو آگے بڑھنے پر اکساتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتے تھے سمندر میں ساحل کے ساتھ رچرڈ کا بیڑا بھی آگے بڑھتا چلا آتا تھا۔ باوجود مسلمانوں کے شدید حملوں کے عیسائی لشکر عام جنگ سے گریز کرتا تھا۔ کیونکہ رچرڈ کا حکم تھا کہ جس طرح بھی ہو لڑتے ہوئے آگے بڑھے جاؤ۔"

رچرڈ کے سوانح نگار اس جنگ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"ڈیوک آف برگنڈی اپنے فرانسیسی لشکر کے ساتھ ساتھ عیسائی لشکر کے عقب میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا آ رہا تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے فرانسیسیوں کا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔ ہمارے لشکر کی دائیں جانب ہمارا بیڑا تھا۔ اور بائیں جانب اسلامی لشکر تھا۔ ایک مقام پر رستہ بہت تنگ تھا۔ سامان جنگ کی گاڑیاں اور چھکڑے اس رستہ سے بمشکل گذر سکتے تھے۔ ہماری مشکلات سے آگاہ ہو کر مسلمانوں کی ایک جماعت حملہ آور ہوئی اور بہت سا سامان حرب اور خورد و نوش لوٹ لے گئی۔ جو فوج ان گاڑیوں اور سامان کی حفاظت پر مامور تھی بہت سی قتل ہو گئی۔ باقی جو بچے وہ جنگی جہازوں کی پناہ لینے کے لئے ساحل کی طرف بھاگ گئے۔ جب شیر دل رچرڈ کو اس تباہی کا علم ہوا تو خود قلب سے نکل کر اپنے سپاہیوں کی مدد کو آگیا۔ جس طرف رچرڈ رخ کرتا دشمن بھاگ جاتے۔ آخر مسلمان کچھ مقتول چھوڑ کر پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔"

یہی حال سلطان صلاح الدین کا تھا۔ وہ ہر معرکہ میں فوج کے آگے ہوتا۔ اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے اپنے مجاہدین کے ساتھ عیسائیوں پر حملے کرتا۔ بڑے بڑے نامی گرامی صلیبی سرداروں کو مقابلہ کے لئے للکارتا۔ بارہا سلطان کو ایسی حالت میں دیکھا گیا۔ کہ عیسائیوں کے تیروں کی بارش میں بعض اوقات وہ نظر بھی نہ آتا تھا۔ چند خدام ہر حالت میں اور ہر موقع پر زائد گھوڑے لیکر اس کے پاس حاضر رہتے تھے۔

لیکن رچرڈ کو یہ جرأت نہ ہو سکی۔ کہ وہ کسی وقت سلطان کے مقابلہ کے لئے تنہا نکلتا۔

سلطان کو صرف ایک تمنا تھی۔ اور وہ یہ کہ کسی طرح رچرڈ کو ایک فیصلہ کن جنگ پر اکسا سکے۔ اور آخر وہ اس تدبیر میں کامیاب ہو ہی گیا۔ مقام ارسوف پر پہونچکر سلطان نے رچرڈ کی پیشقدمی کا راستہ روک دیا۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان کو سلطان صلاح الدین کے ارادے کا جب علم ہوا۔ تو اس نے کچھ مصلحت سمجھ کر ایک عارضی صلح کا پیغام سلطان کے پاس بھیجا۔ عیسائی مورخ اس پیغام صلح کی وجہ یہ بتلاتے ہیں۔ کہ اسلامی لشکر تعداد میں نصرانیوں سے بہت زیادہ تھا عیسائی سردار ایک کھلے میدان میں مسلمانوں پر حملہ کرنا خلاف آئین جنگ خیال کرتے تھے۔ لیکن وجہ دراصل یہ تھی۔ کہ رچرڈ محض حیلے بہانے تلاش کرتا تھا۔ اور کسی نہ کسی طرح بیت المقدس کے قرب و جوار میں پہونچنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ سلطان کے پاس جب رچرڈ کے سفیر آئے۔ اور اپنے بادشاہ کی طرف سے عارضی صلح کی درخواست کی۔ تو سلطان نے اپنے بھائی ملک العادل کو اپنی طرف سے رچرڈ سے گفتگو کرنے پر مقرر کر دیا۔

صلح کی کانفرنس جب منعقد ہوئی۔ تو رچرڈ نے یہ تجویز پیش کی کہ سلطان فلسطین سے دست بردار ہو کر اپنے ملک کو واپس چلا جائے۔ ملک العادل نے نہایت حقارت سے اس تجویز کو رد کر دیا اور صاف صاف کہدیا کہ فلسطین کے قبضہ کا فیصلہ صرف تلوار کر سکتی ہے۔ اگر ہمت ہے تو فلسطین کو طاقت کے بل پر آزاد کرا لو۔ یہ کہہ کر ملک العادل کانفرنس برخاست کر کے واپس آ گیا۔

اب دونوں فریقوں کو جنگ اٹل نظر آنے لگی۔ اس وقت عیسائی لشکر نہر فلک پر قیساریہ اور حیفا کے درمیان خیمہ زن تھا۔ اس مقام پر رچرڈ نے اپنے لشکر کو ایک دن آرام کرنے کیلئے ٹھہرائے رکھا۔ اور پھر ۷ تاریخ کو ارسوف کی طرف جو یہاں سے

چھ میل کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔

ہم اس لڑائی کی کیفیت مسلمان مؤرخوں کو چھوڑ کر رچرڈ کے سوانح نگار عیسائی مؤرخوں کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

" ۷ ستمبر ۱۱۹۱ء کے روز رچرڈ اور اس کے صلیبی سرداروں (نائٹ کروسیڈرز) کو پورا یقین تھا کہ مسلمان ان پر ضرور آج ہی حملہ کریں گے۔ کیونکہ "عکہ" ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مسلمان انتقام لینے کے لئے بہت بیتاب ہو رہے تھے۔ جب لشکر کوچ کرتا ہوا ایک دو منزلیں آگے بڑھا۔ تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر مسلمانوں کے سپاہی نظر آنے لگے۔ دور بہت فاصلہ سے مسلمانوں کی جماعتیں ہماری طرف بڑھتی ہوئی بھی معلوم ہوتی تھیں۔

" رچرڈ نے جو ایک اعلیٰ درجہ کا جرنیل تھا۔ ایک خاص ترکیب سے اپنے لشکر کو جنگ کے لئے آراستہ کیا۔ تمام لشکر پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر ایک حصہ فوج کسی نامی گرامی صلیبی سردار کی کمان میں تھا۔ پہلی صف میں فرقہ ٹمپلر کے صلیبی سردار تھے۔ شجاعت اور دلاوری میں دُنیا میں ان لوگوں کا ثانی نہیں مل سکتا تھا۔ ان کے بعد ڈیوک آف انجو کی سپاہ تھی۔ اس کے بعد بادشاہ گائی اور اس کا لشکر تھا۔ چوتھی صف میں نارمن اور انگریز تھے۔ یہ وہ بہادر تھے جو ایک زخمی شیر کی طرح دُشمن پر حملہ کرنے کے لئے بپھرے ہوئے تھے۔ رچرڈ شاہ انگلستان کے شاہی نشان کے بھی علمبردار تھے۔ پانچویں صف میں فرقہ ہاسپٹلر کے وہ صلیبی سورما تھے۔ جن کی شجاعت پر یورپ کو ناز تھا۔ اس آخری صف میں زیادہ تر زرہ پوش سردار تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی عیسائی لشکر نظر آتا تھا جو ساحل سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔

نقشہ جنگ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو
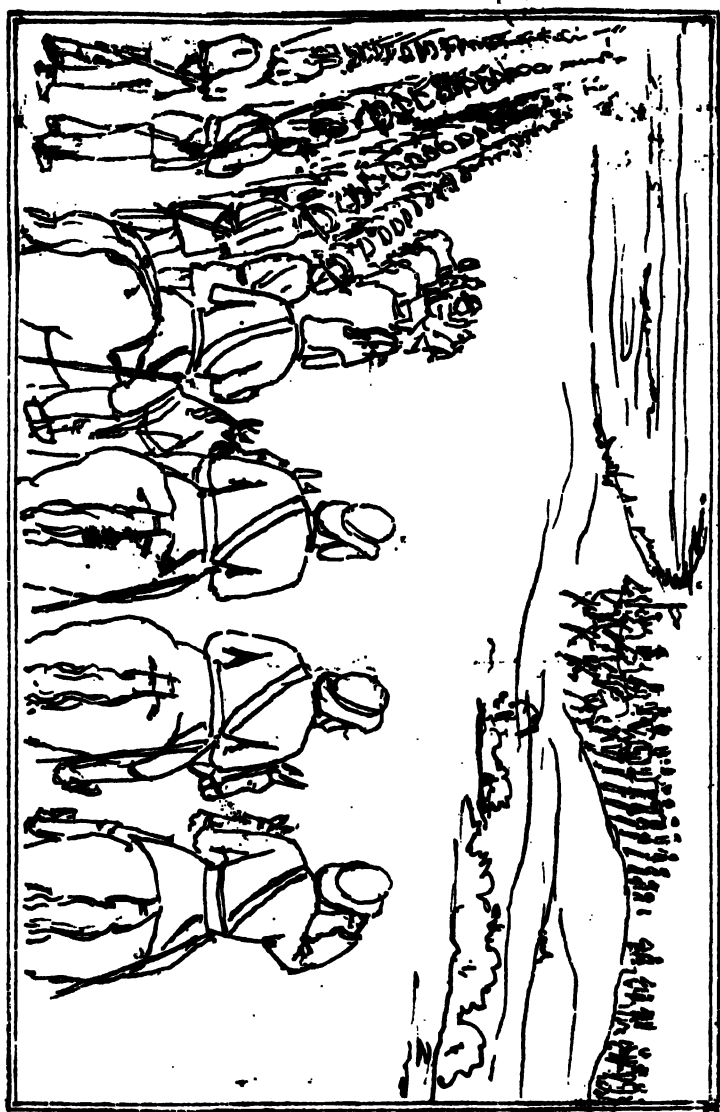
کونٹ ہنری آف شمپین اپنے جنگ آزمودہ لشکر کے ساتھ سلسلۂ کوہستان کی طرف مقرر کیا گیا تھا۔ تاکہ اگر مسلمان پہاڑیوں سے اتر کر حملہ کرنا چاہیں۔ تو کونٹ ہنری ان کا راستہ روک لے۔ تمام فوج کے عقب میں تیر اندازوں کی ایک کثیر جماعت تھی بار برداری کے چھکڑے ساحل اور فوج کے درمیان چلتے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ رہیں۔ بادشاہ رچرڈ نے حکم دے دیا تھا۔ کہ تمام لشکر آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی حصّہ پیچھے رہ جائے۔

"عیسائی لشکر کو سفر کرتے ہوئے تقریباً تین گھنٹے ہوئے تھے۔ کہ ایک جانب سے تقریباً دس ہزار مسلمان ہماری فوج پر حملہ آور ہوئے۔ اور آتے ہی اپنے نعروں (نعرۂ تکبیر) سے شور محشر پیدا کر دیا۔ ان کے پیچھے ان کے سیاہ رنگ بھائی بند نیزے اور بھالے سنبھالے ہوئے آئے۔ اور ان کے بعد وہ لوگ نمودار ہوئے جن کو مسلمان بدّو کہتے ہیں ان سے کچھ فاصلہ پر تقریباً بیس ہزار مسلمان سوار ہماری طرف آتے ہوئے دکھلائی دیئے۔ یہ سوار نہایت تیز رفتار گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور بادل کی طرح گرجتے ہوئے ایک موج طوفان خیز کی طرح ہماری فوج پر آپڑے۔ دونوں طرف سے تلواریں بجلی کی مانند چمکنے لگیں۔ اور ایک ہنگامہ محشر برپا ہو گیا۔ دونوں طرف کے نقصانات بہت زیادہ تھے۔ لیکن مسلمان پیچھے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ بلکہ دیوانوں کی طرح آگے ہی بڑھتے آتے تھے۔ ہمارے تیر اندازوں اور بھالہ داروں نے بڑی جوانمردی سے مسلمانوں کے حملہ کو روکا۔ لیکن یہ ایک ایسا تند سیلاب تھا۔ کہ آخر ہمارے سپاہی ہمت ہار کر پیچھے ہٹنے لگے۔ اور ہٹتے ہٹتے عقب کی جماعتوں سے آملے۔

بہت سے عیسائی سردار مسلمانوں کے پے در پے حملوں سے اس قدر گھبرا گئے کہ علانیہ بزدلی اور شکست کا اظہار کرنے لگے۔ اگرچہ ہمارے بہادر مسلمانوں کے حملہ کا بڑی شجاعت سے جواب دیتے تھے لیکن مسلمان سوار جوش انتقام میں

فرقہ ہاسپٹلر کے صلیبی سرداروں کی صف تک پہونچ گئے۔ ان لوگوں نے بادشاہ رچرڈ کو اپنی نازک حالت سے آگاہ کر کے پیغام بھیجا۔ کہ اگر ہاسپٹلر سرداروں کو مسلمانوں کا حملہ روکنے کا حکم نہ دیا گیا۔ تو ہم میدان میں کھڑے نہ ہو سکیں گے مسلمان ہر طرف سے ہمارے سپاہیوں کو نیزوں اور بھالوں سے اس طرح چھیدتے تھے۔ جیسے انہیں کسی کا خوف ہی نہ تھا۔ عیسائی لشکر کے عقب میں جنگ کا بہت زور تھا۔ خون کے ندی نالے جابجا بہ رہے تھے۔ آخر عیسائی سپاہی گھبرا کر میدان سے بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو تلوار اور نیزہ پر رکھ لیا۔ فرقہ ہاسپٹلر کے سپاہیوں کو جب مسلمانوں سے جان بچانا دشوار ہو گیا۔ تو ان کا سردار اعظم رچرڈ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ کا کاسۂ صبر لبریز ہے۔ اور ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں۔ مناسب یہی ہے۔ کہ محفوظ فوج کو مسلمانوں کا حملہ روکنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن رچرڈ نے یہ تجویز منظور نہ کی۔

"جب عیسائیوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ تو تمام زرہ پوش سرداروں نے۔ جن میں فرقہ ہاسپٹلر اور ٹمپلر کے نامی گرامی سردار بھی شامل تھے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر رچرڈ اپنی ذاتی فوج کے ساتھ ان کی مدد کو آپہونچا۔ تھوڑی دیر تک بڑی خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مسلمان پیچھے ہٹنے لگے۔ بادشاہ رچرڈ کے سامنے جو آیا۔ زندہ بچ کر واپس نہ گیا۔

علامہ بہاؤالدین جو اس لڑائی میں موجود تھا لکھتا ہے "تمام نصرانی سردار چاروں طرف سے عیسائی لشکر میں سے نکل کر پیادہ فوج سے آگے نکل آئے۔ اور نیزے سنبھال کر مسلمانوں پر متفقہ طور پر حملہ آور ہوئے۔ ایک موقع پر سلطان کے پاس صرف سولہ جانباز رہ گئے لیکن سلطان کے استقلال میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ سلطان نے

تین بار عیسائی لشکر پر حملہ کیا۔ اور ہر حملے میں عیسائیوں کو دُور تک مارتا بھگاتا لے گیا۔
اِس جنگ میں بڑے نامی عیسائی سردار قتل ہوئے مُسلمانوں کی جانب سے کوئی نامی امیر شہید نہیں ہوا۔ نقصانات دونوں جانب کے بے شمار تھے۔ شام کے وقت جب دونوں فوجیں ایک دُوسرے سے علیحدہ ہوئیں۔ تو سلطان صلاح الدین خود زخمیوں کی مرہم پٹی میں مدد دینے لگے۔ اگلے روز سلطان اپنے لشکر کو لے کر ارسوف کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اور رچرڈ کو ایک فیصلہ کُن جنگ کا پیغام دیا۔ سُلطان تمام دن عیسائی لشکر کے میدان جنگ میں نمودار ہونے کا انتظار کرتا رہا لیکن عیسائی بالکل خاموش رہے۔ اگلے روز سہ شنبہ کو اس نے پھر رچرڈ کو اعلان جنگ دیا لیکن آج بھی عیسائی مُسلمانوں کے مقابلہ پر نہ آئے۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ جافا کی طرف کوچ کو جاری رکھا۔ ایک دو مقامات پر مُسلمانوں کی پیدل سپاہ نے عیسائی لشکر پر حملہ کر کے اُسے نقصان بھی پہونچایا۔ لیکن رچرڈ ایک عام جنگ سے گریز ہی کرتا رہا۔
مسلمان عیسائی لشکر کی آمد سے پیشتر ہی جافا خالی کر کے چلے گئے تھے۔ رچرڈ جافا پر قابض ہو گیا۔ اور سلطان اپنے لشکر کے ساتھ ارسوف سے کوچ کر کے رملہ میں آ گیا۔

توحید و تثلیث

اگرچہ ارسوف کے مقام پر فوجی نکتۂ نگاہ سے عیسائیوں کا پاسہ زبر رہا تھا لیکن جافا پر قبضہ کر کے رچرڈ اور اس کا لشکر قلعہ بند ہو گیا۔ سلطان صلاح الدین نے کئی بار عیسائیوں کو مقابلہ کے لئے للکارا۔ لیکن رچرڈ اپنے لشکر کی سلامتی اسی میں دیکھتا تھا کہ پہلے اپنا مرکز ایسا مستحکم کر لے کہ عقب سے اس کے پاس سامان رسد وغیرہ پہونچتا رہے۔

بیت المقدس سامنے تھا۔ لیکن عیسائی لشکر جافا سے قدم باہر نکالنا گناہ سمجھتا تھا۔ جافا میں رچرڈ کے سوانح نگاروں کے قول کے مطابق عیسائی سردار پھر رنگ رلیوں میں مشغول ہو گئے۔ اور کئی ہوس پرست تو عکہ واپس آ گئے۔ جب رچرڈ کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے ان لوگوں کو بہت سرزنش کی۔ اور جو سردار "عکہ" واپس چلے گئے تھے۔ اُن کو حکم دیا کہ فوراً واپس آ جائیں ورنہ سخت سزا دی جائیگی۔ گائی لوسگنن رچرڈ کا حکم لیکر خود عکہ گیا۔ اور ان لوگوں کو ساتھ لے آیا۔ عکہ اور جافا کے درمیان تمام عیسائی فوج کی چوکیاں قائم کر کے راستہ محفوظ کر لیا گیا تھا۔ جافا سے رچرڈ نے بیت المقدس کے راستہ پر بھی فوجی چوکیاں قائم کرنے کی کوشش کی لیکن جافا سے ساڑھے تین میل سے زیادہ آگے نہ جا سکے کیونکہ راستہ کے دونوں جانب عساکر سلطانی پڑے تھے۔ جو موقع پا کر عیسائیوں پر آپڑتے۔ اور سینکڑوں کو قتل کر کے واپس چلے جاتے۔

عیسائی مؤرخوں کے قول کے مُطابق اگرچہ سلطان کو ارسوف کے مقامات پر بہت نقصان پہونچا تھا۔ تاہم اس کی فوجی طاقت میں کسی قسم کی کمی نہ آنے پائی تھی۔ رملہ پہونچکر سلطان نے شہر عسقلان کو جو بیت المقدس کے راستہ پر تھا مسمار کرا دیا۔ عسقلان کی بربادی سے سلطان کو بہت رنج ہوا۔ لیکن مسلمانوں کی بہتری اسی میں تھی۔ کہ عسقلان پر رچرڈ قابض نہ ہو جائے۔ رچرڈ جافا میں مزے سے بیٹھا عسقلان کی بربادی کے حالات سُنتا رہا۔ لیکن قلعہ سے باہر نکل کر عسقلان مسلمانوں سے چھیننے کی جرأت نہ کر سکا۔

جافا پہونچکر رچرڈ نے از سر نو سلطان کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔ اور صلح کی درخواست کی۔ لیکن وہ ناکام واپس آئے۔ اکتوبر کے مہینے میں رچرڈ متواتر اپنے سفیر سلطان کے پاس بھیجتا رہا۔ کبھی کبھی دونوں جانب سے خط و کتابت بھی

ہوتی رہتی۔ بقول علامہ بہاؤالدین رچرڈ ایک خط میں سلطان کو لکھتا ہے:۔

"جہاں تک میرا خیال ہے مسلمان اور عیسائی دونوں دل سے صلح کے خواستگار ہیں۔ بہت سے شہر برباد ہو گئے ہیں۔ اور بے شمار دولت صرف ہو چکی ہے۔ اب صرف بیت المقدس، صلیب اعظم اور فلسطین کا سوال فیصلہ طلب ہے۔ بیت المقدس جس طرح بھی ہوگا ہم ضرور واپس لیکر رہیں گے۔ فلسطین کا وہ حصہ جو دریائے جارڈن کے اس پار ہے ہم کو واپس دے دو۔ صلیب ایک بے کار لکڑی کا ٹکڑا ہے مسلمانوں کے لئے صلیب کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن عیسائی اسے جان سے عزیز سمجھتے ہیں۔ اگر سلطان اپنی فیاضی اور رحم کو کام فرماکر یہ شرائط قبول کرلے۔ تو آج ہی صلح ہو جاتی ہے۔"

سلطان نے اس کا جواب یہ دیا:۔

"بیت المقدس جتنا ہمارے لئے مقدس ہے عیسائیوں کے لئے اتنا نہیں ہو سکتا۔ بیت المقدس واپس لینے کا زعم باطل دل سے نکال ڈالو۔ رہا فلسطین سو یہ پہلے ہمارا ملک تھا۔ تم نے اسے تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ اور مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر اس پر قبضہ کر لیا۔ جب تک یہ جنگ جاری ہے انشاءاللہ تم فلسطین پر قبضہ نہیں کرسکتے۔ باقی رہا صلیب کا معاملہ۔ صلیب کا مسلمانوں کے قبضہ میں ہونا ان کے سیاسی فوائد کے لئے مفید ہے۔ صلیب اسی حالت میں تم کو واپس مل سکتی ہے جس صورت میں کہ اس کی واپسی سے مسلمانوں کو کوئی بہت بڑا فائدہ پہونچنے کی امید ہو۔"

بقول علامہ بہاؤالدین مورخہ ۲۰ اکتوبر کو رچرڈ شاہ انگلستان نے پھر اپنے سفیر سلطان کے پاس بھیجے۔ اور ان شرائط پر صلح کی درخواست کی:۔

(۱) ملک العادل رچرڈ کی ہمشیرہ جون بیوہ ملکہ سسلی سے شادی کرلے۔ اور رچرڈ ساحلی شہر عکہ عسقلان اور جافا بطور جہیز اپنی ہمشیرہ کو دے دیگا۔
(۲) ملک العادل اور شہزادی جون دونوں بیت المقدس میں رہیں۔
(۳) سلطان صلاح الدین فلسطین ملک العادل اور جون کو دے دے۔
(۴) صلیب اعظم عیسائیوں کو واپس دے دی جائے۔
(۵) سلطان تمام عیسائی قیدی آزاد کردے۔
(۶) فرقہ ہاسپٹلر اور ٹمپلر کے لوگوں کو ملک میں رہنے کیلئے قلعے دیئے جائیں۔
جب یہ شرائط سلطان نے سنیں تو خوب ہنسا۔ اور تمام اسلامی دربار نے انگریزی سفراء کا مذاق اڑایا۔
عیسائی مؤرخ یہ مانتے ہیں۔ کہ بادشاہ رچرڈ سلطان صلاح الدین کے بھائی ملک العادل کو بہت پسند کرتا تھا۔ اس نے اپنی ہمشیرہ شہزادی جون کی ملک العادل سے شادی کا ذکر بھی کیا۔ لیکن شہزادی نے ایک مسلمان سے شادی کرنے سے صاف انکار کردیا۔
مؤرخہ ۸ر اکتوبر کو بادشاہ رچرڈ نے ملک العادل کی دعوت کی۔ بڑی دھوم سے اس کا استقبال کیا۔
رچرڈ کے سوانح نگار کو اس بات کا بہت رنج ہے۔ کہ کیوں بادشاہ رچرڈ ملک العادل کو جو ایک مسلمان تھا۔ اتنا پسند کرتا تھا۔ اس کے خیال میں رچرڈ کا ایک مسلمان شہزادے سے دوستانہ تعلقات بڑھانا تمام عالم مسیحی کی ہتک تھی۔ اور کسی خاص طریق سے مسلمانوں سے مستقل طور پر رشتہ اخوت قائم کرکے صلح کرنا خود بادشاہ انگلستان کے لئے باعث ننگ تھا۔ اسے اس بات کا بھی افسوس ہے کہ ملک العادل کے تحائف بادشاہ کیوں قبول کرتا تھا۔ [illegible] وغیرہ میں

اپنے مُلک کے تحائف اسے کیوں بھیجتا تھا۔

انہی ایام میں رچرڈ کو یہ اطلاع ملی کہ مارکوئس کونارڈ سُلطان صلاح الدین سے کچھ نامہ و پیام کر رہا ہے۔ مارکوئس کونارڈ کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ کسی طرح بادشاہ گائی پر اس کے حقوق کو ترجیح دی جائے۔ اسے اُمید تھی کہ رچرڈ اس معاملہ میں اس سے متفق ہوگا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ بادشاہ انگلستان گائی کا طرفدار ہے۔ وہ اپنی جماعت لے کر ان سے الگ ہوگیا۔ اور سُلطان کے حضور میں اپنے سفیر بھیج بھیج کر اسے اپنی مدد پر تیار کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

رچرڈ کو جب ان واقعات کا علم ہُوا۔ تو اس نے اپنا ایک خاص سفیر کونٹ ہمفری والٹے توران جو ایک بہت معزز سردار تھا سلطان کے پاس بھیجا۔ اس سفیر نے سُلطان کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے بادشاہ کی طرف سے پھر یہی خواہش ظاہر کی۔ کہ فلسطین کا علاقہ ملک العادل کو دے کر اسے بادشاہ بنا دیا جائے اور وہ بادشاہ انگلستان کی ہمشیرہ شہزادی جوآن سے جو اس وقت سسلی کی بیوہ ملکہ تھی شادی کر کے اس ملک پر حکومت کرے۔

سُلطان کونٹ ہمفری سے بڑے تلطف سے پیش آیا اور اپنے اُمراء اور مشیروں کی کونسل طلب کر کے اُن کے سامنے بادشاہ انگلستان کی تجاویز پیش کیں۔ ان لوگوں کی یہ رائے قرار پائی کہ اگر سُلطان صلح کرنا ہی چاہتا ہے۔ تو پھر مارکوئس کونارڈ کی شرائط کو معرض التوا میں رکھ کر بادشاہ انگلستان سے صلح کرنے۔ ملک العادل کی بادشاہ کی ہمشیرہ جوآن سے شادی کر کے اُسے فلسطین کا فرمانروا بنا دے۔

اگرچہ شہزادی جوآن ایک مسلمان سے شادی کرنے سے انکار کرتی تھی۔ لیکن رچرڈ اپنی ہمشیرہ کے انکار کو کچھ اہمیت نہ دیتا تھا۔ رچرڈ نے ایک خط میں

ملک العادل کو لکھا کہ تمام عیسائی لشکر اس سے اس وجہ سے ناراض ہے کہ وہ کیوں اپنی ہمشیرہ دے کر صلح کرتا ہے۔ اسے صرف پوپ کی اجازت لینی تھی۔ لیکن اگر پوپ نے جوآن کی شادی کی اجازت نہ دی۔ تو پھر وہ اپنی بھتیجی کی شادی اس سے کر دے گا۔

ملک العادل نے جوآن کی بجائے بادشاہ کی بھتیجی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن پھر بھی نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔ علامہ بہاؤالدین لکھتا ہے کہ اس قسم کے پیام ہر روز دونوں طرف سے آتے جاتے تھے۔ اور سلطان اپنے مشیروں کے سامنے بادشاہ رچرڈ کی تجاویز پیش کر دیتا تھا۔ اور ان کے مشورے سے جواب دیا جاتا تھا۔

بارشوں کا موسم شروع تھا۔ سلطان اپنا تمام لشکر لے کر اپنے جاڑے کے صدر مقام پر واپس آ گیا۔ رملہ کے گردونواح میں جو سلطانی فوج تھی اُسے وہاں سے ہٹا کر بیت المقدس کی حفاظت کے لئے بھیج دیا گیا۔ کیونکہ سلطان اپنے حلیف رچرڈ کی تمام چالوں کو خوب سمجھتا تھا۔ اسے یہ بھی یقین تھا۔ کہ بادشاہ ہر روز سفیر صرف اس لئے بھیجتا ہے۔ کہ ہم جنگی انتظامات سے غافل رہیں۔ اور عیسائی بیت المقدس پر حملہ کرنے کی تیاری کر لیں۔ دسمبر کے شروع ہوتے ہی عیسائی لشکر بڑے طمطراق سے بیت المقدس پر حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ اور بڑھتے بڑھتے رملہ تک آ پہونچا۔ سلطان رملہ سے جانے سے پیشتر ہی اسے تباہ کر گیا تھا۔ رملہ جافا سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ رملہ پر عیسائی لشکر چھ ہفتہ تک پڑا رہا۔ سلطانی فوجی چوکیوں کے محافظ دستے گاہے گاہے بلائے ناگہانی کی طرح ان پر آ پڑتے۔ جب اس مقام پر اسلامی حملہ آوروں نے انہیں دم نہ لینے دیا۔ تو رچرڈ نے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور سات آٹھ میل آگے بڑھکر بیت النبی پر

قبضہ کرلیا۔ جہاں سے بیت المقدس بالکل نزدیک تھا۔ لیکن رچرڈ کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ اس نے لشکر کو واپسی کا حکم دیدیا۔

واپسی کا حال رچرڈ کے سوانح نگار اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

"بیت نوبا میں بارشیں کثرت سے ہونے کے باعث ہمارے سپاہی گھبرا گئے اور بار برداری کے جانور بھی مرنے لگے۔ آندھی اور طوفان کی شدت کا یہ حال تھا کہ تمام خیمے گر گئے تھے۔ موسلا دھار بارش تھمنے میں ہی نہ آتی تھی۔ جاڑے کی شدت سے ہمارے سپاہی ہلاک ہو رہے تھے۔ سامان رسد تمام خراب ہو گیا۔ زرہ بکتریں زنگ آلودہ ہو کر بہت بدنما نظر آنے لگیں۔ لوگ صرف اس امید پر جی رہے تھے۔ کہ کسی دن بیت المقدس کی زیارت سے شرف اندوز ہوں گے۔"

جس وقت رچرڈ رملہ سے چل کر بیت نوبا کی طرف آرہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے اسلامی لشکر کی ایک جماعت اس پر حملہ آور ہوئی۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ پہلے وقت میں تو عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن دن ڈھلے کے بعد عساکر اسلام نے جوش غضب سے ایک ایسا حملہ کیا۔ کہ عیسائی گھبرا گئے۔ اور میدان سے بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگے۔ شام کی تاریکی کے باعث لڑائی بند ہو گئی۔ اس معرکہ میں بقول عیسائی مؤرخوں کے نصرانیوں کا بہت نقصان ہوا۔

سلطان رملہ کو غیر آباد کرنے کے بعد بیت المقدس میں آکر فروکش ہوا۔ حسب دستور جاڑے کے ایام میں ہر ایک لشکر میں سے ایسے لوگ جن کو گھروں کو واپس جانا ضروری تھا اپنے علاقوں کو رخصت ہونے لگے۔ سلطان نے بیت المقدس کی حفاظت کے انتظامات اپنی زیر نگرانی شروع کر دیئے۔ اور مختلف کاموں پر اپنے شہزادوں کو معمور کیا۔ جس وقت رچرڈ بیت نوبا پر پڑا تھا۔

ایک روز بیرونی اسلامی چوکیوں کی محافظ سپاہ نے ان کے لشکر کے ایک حصہ پر حملہ کر کے بہت سے عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور علاوہ کثیر سپاہیوں کے پچاس عیسائی سردار اسیر کر کے لے گئے۔

بیت نوبا پر عیسائی لشکر ایک عجیب مصیبت میں گرفتار تھا۔ ایک تو سردی اور برف باری نے صلیبی بہادروں کا حلیہ بگاڑ ڈالا تھا۔ دوسرے مسلمان ایک دم بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ رچرڈ تو غالباً قسم کھا کر عہد کر چکا تھا۔ کہ اب اگر عساکر اسلامی کا مقابلہ کرے گا۔ تو بیت المقدس کے قرب و جوار ہی میں کرے گا۔ عیسائی لشکر کی ذلت کے حالات ہر روز اس کو سناتے جاتے تھے۔ لیکن وہی رچرڈ جسے عیسائی عالم شیر دل کہتا تھا۔ اور جس کے سرزمین فلسطین میں کارناموں کے حالات سر والٹر سکاٹ اپنی کتاب الموسوم بہ "ٹیلس مان" میں نہایت شاندار الفاظ میں بڑے فخر کے ساتھ لکھتا ہے۔ "اتنی جرأت نہ کر سکا کہ مسیح علیہ السّلام کا نام لے کر ایک بار تو بیت المقدس پر جا حملہ کرے۔ اور مسلمانوں سے دست و گریبان ہو کر فیصلہ کو قسمت اور تلوار کے سپرد کر دیتے"۔

آخر جب عیسائی سرداروں کو اپنا قافیہ بہت تنگ ہوتا نظر آیا۔ اور جان کے لالے پڑتے دکھائی دیئے۔ تو بڑے بڑے نامی گرامی صلیبی سردار رچرڈ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا۔ کہ حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ عیسائی لشکر کا بیت نوبا پہ یونہی اپاہجوں کی طرح پڑے رہنا ناممکن ہے۔ سلطانی سپاہ بیت المقدس کے قرب و جوار میں مکڑی کے جالے کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ تمام فوجی مقامات پر سلطان کا قبضہ ہے۔ اگر ایسی حالت میں جبکہ فوج جاڑے کی شدت سے بے دست و پا ہو رہی ہے۔ عیسائیوں نے آگے قدم بڑھایا۔ تو پھر مسیحی لشکر کی بربادی اور تباہی ایک یقینی امر ہے۔

سپاہی گھروں کو واپس جانے کے لئے شور کرنے لگے ہیں۔ مصلحت یہی ہے۔ کہ اس جگہ سے کوچ کر کے واپس چلے جائیں۔ ورنہ سپاہی بد لگام ہو کر خود بخود واپس جانے لگیں گے۔

رچرڈ نے اپنے خاص فوجی مشیروں سے مشورہ کیا۔ اور آخر جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ بیت المقدس پر حملہ کرنا جان بوجھ کر موت کے منہ میں جانا ہے۔ تو مؤرخہ ۱۳ جنوری کو رملہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ راستہ کی مشکلات کے حالات رچرڈ کے سوانح نگار ایسے الفاظ میں کھینچتے ہیں۔ کہ غریب عیسائیوں پر خواہ مخواہ رحم آنے لگتا ہے۔ رملہ بالکل ویران تھا۔ عیسائی سردار آرام کے جویاں تھے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ "عکہ" واپس چلے گئے۔ رچرڈ نے اس خیال سے کہ لشکر کا بے کار پڑے رہنا اچھا نہیں۔ عسقلان کو دوبارہ بنوانے کا ارادہ کیا۔ اور فوج کو عسقلان کی طرف روانہ کر دیا۔

لین پول اپنی کتاب الموسوم بہ "صلاح الدین" میں لکھتا ہے۔ کہ ایک طرف عسقلان کی تعمیر کا کام شروع تھا۔ دوسری طرف مارکوئس کو نارڈوالئے صور کا قضیہ درپیش تھا۔ عکہ میں فرانسیسیوں اور انگریزوں میں پھر بے لطفی پیدا ہو چکی تھی۔ رچرڈ کو اس قسم کی پریشانیوں سے ابھی نجات نہ ملی تھی۔ کہ ایک تازہ مصیبت آپڑی۔ انگلستان سے روانہ ہونے سے پیشتر رچرڈ اپنے بھائی جان کو بطور نائب چھوڑ آیا تھا۔ جان نے رچرڈ کی عدم موجودگی کو غنیمت جانا۔ اور سلطنت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس خبر وحشت اثر کے سننے سے رچرڈ بہت گھبرایا۔

سلطان صلاح الدین ابھی تک بیت المقدس میں فروکش تھا۔ لیکن

اسلامی لشکر کی متعدد جماعتیں جہاں موقع پائیں عیسائی لشکر کو قتل و غارت کرنے اور لوٹنے کا سلسلہ بھی جاری رکھے چلی آتی تھیں۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے۔ کہ مارچ کے مہینے میں رچرڈ نے سُلطان کو لکھا کہ ملک العادل کو صلح کے متعلق پھر ایک گفت و گو کرنے کی اجازت عطا کی جائے۔ چنانچہ سُلطان نے مؤرخہ ۲۰ مارچ کو ملک العادل کو رچرڈ کی درخواست پر اس سے ملنے کی اجازت دی۔ اور سب امور اسے سمجھا دیئے۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر ضرورت ہو تو صلیب اعظم واپس دینے کی شرط بھی منظور کرلے۔ اور اگر رچرڈ بیروت کا مُطالبہ کرے۔ تو بیروت اس شرط پر حوالے کرے کہ اسے تباہ کر دیا جائے۔

اِتفاق سے جس وقت ملک العادل مسیحی کیمپ میں پہونچا۔ رچرڈ جافا کی طرف چل دیا۔ اس لئے سفیروں کی معرفت دونوں میں کچھ سمجھوتا ہو گیا۔ لیکن باقاعدہ طور پر کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

اسی نامہ و پیام کے ایام میں رچرڈ نے اچانک قلعہ دارُوم پر حملہ کر دیا۔ اس قلعہ کا حاکم علم الدین تھا۔ اس جوانمرد نے دو دن تک عیسائی لشکر کا بہت مردانگی سے مقابلہ کیا۔ لیکن جب قلعہ کا بچانا دُشوار ہو گیا تو ایک شب میگزین کو آگ لگا کر تمام سامان جنگ ضائع کر دیا۔

رچرڈ کے سوانح نگار تسخیر دارُوم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

" ترک نہایت غضبناک ہو کر لڑے۔ لیکن عیسائیوں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ جب ہمارے لشکر نے قلعہ پر قبضہ کیا۔ تو جس قدر مُسلمان دیوار پر موجود ملے اُن کو فصیل سے نیچے گرا دیا۔ جہاں وہ پتھروں پر گر کر بڑے عذاب سے مرے۔ قلعہ کے مختلف مقامات پر جو مُسلمان ہم نے قتل کئے۔ اُن کی تعداد ساٹھ تھی۔ قیدیوں کو بادشاہ کے حکم سے چمڑے کی رسیوں میں اس زور سے باندھا گیا۔ کہ

شدتِ درد سے چلانے لگے۔ رچرڈ نے چار روز کے دلاورانہ محاصرہ کے بعد آخر قلعہ وآردم پر قبضہ کر لیا۔"

اس قسم کے تذکرے جن میں عیسائی اپنے مظالم کا فخریہ طور پر ذکر کرتے ہیں پیروانِ مسیح علیہ السلام کے لئے باعثِ فخر ہوں تو ہوں۔ لین پول لکھتا ہے کہ افسوس بدقسمتی سے ہر موقع پر عیسائیوں نے اسیر اور مغلوب مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم کئے۔ کہ صلیبی جنگوں کی تاریخ پر ندامت آنے لگتی ہے۔ فتح وآردم سے عیسائی لشکر کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ کیونکہ ایک مدت کے بعد ان کو یہ عظیم الشان فتح نصیب ہوئی تھی۔ دارُدم پر قبضہ کر لینے کے بعد رچرڈ کی فوج بعد ل با با ایک مقام کی طرف بڑھی۔ لیکن اس جگہ اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ماہ جون میں پھر ایک بار باسی ہنڈیا میں اُبال آیا۔ اور صلیبی لشکر رچرڈ کی سرکردگی میں بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ اور صافیہ کی پہاڑیوں پر آکر ڈیرے ڈال دیئے۔

اس وقت تک عساکرِ سلطانی تازہ دم ہو کر پھر ایک بار توحید کی عظمت تثلیث پر برقرار رکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ مسلمان تقریباً ہر شب کو عیسائی چوکیوں پر شبخون مارتے اور ہر روز بہت سے عیسائی قتل اور مجروح ہوتے۔ مورخہ ۲۳ جون کو مصر کی طرف ایک قافلہ آتا تھا۔ اس قافلہ میں سلطانی افواج کے لئے بہت سا سامان خورد و نوش بھی تھا۔ عیسائیوں کو اس کی آمد کا پتہ لگ گیا۔ اس قافلہ کا سردار ملک العادل کا رضائی بھائی فلک الدین تھا۔ عیسائی جو پہلے ہی گھات میں بیٹھے تھے اچانک حملہ آور ہوئے۔ قافلہ کی وہ جماعت جو آگے تھی اس نے مقابلہ کیا۔ لیکن نصرانیوں کی کثرت کے باعث اسلامیوں کا پلہ کمزور تھا۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور ایک بڑی تعداد اسیر ہو گئی۔ لیکن میر قافلہ فلک الدین نہایت بردباری سے جس وقت لڑائی ہو رہی تھی۔ تمام سامان نے کر چپکے سے ایک اور راستہ سے جبل خلیل پر جا پہونچا۔ عیسائیوں کو اصل

واقعات کا علم بھی نہ ہُوا۔ اور جو کچھ ان کے ہاتھ لگا اسی کو انہوں نے اپنی کامیابی سمجھا۔
سُلطان نے بیت المقدس کے قرب و جوار میں جس قدر میٹھے پانی کے کنوئیں اور چشمے تھے سب کو تباہ کروا دیا۔ اور عیسائیوں کے حملہ کو روکنے کی تمام تجاویز مکمل کر لیں۔ لیکن رچرڈ جہاں پڑا تھا۔ وہاں سے فوج کو حرکت دینے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔
یکم جولائی کو سُلطان نے بیت المقدس میں اپنے فوجی جرنیلوں۔ اراکین سلطنت اور معزز رؤسائے شہر کی کونسل منعقد کی۔ اور ان لوگوں کے سامنے جہاد کی فضیلت پر ایک بہت پُر جوش تقریر کی۔ مجمع میں سے ایک امیر نے کھڑے ہو کر سُلطان کو یقین دلایا۔ کہ ہر ایک مسلمان خدا کی راہ میں جان دینا باعثِ خیر و برکت سمجھتا ہے۔
شام کے وقت ایک سردار عزیز الدین جردیک جو ہراول فوج کا افسر تھا کا ایک قاصد حاضر ہُوا۔ اور عرض کی کہ عیسائی لشکر موجودہ مقام سے نقل مکان کر کے ایک اور مقام پر آ گیا ہے۔ شنبہ مؤرخہ ۴ جولائی کو یہ اطلاع ملی۔ کہ عیسائی لشکر میں کچھ باہمی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ ایک فریق بیت المقدس کی طرف بڑھنے پر اصرار کرتا ہے۔ دُوسرا فریق واپس جانے پر زور دیتا ہے۔ فرانسیسی صلیبی لشکر جو بادشاہ فلپ ڈیوک آف نارمنڈی کے ماتحت چھوڑ گیا تھا۔ بیت المقدس پر حملہ کرنے کے حق میں تھا۔ لیکن رچرڈ کو یہ فکر دامنگیر تھی۔ کہ مسلمانوں نے پینے کا پانی خراب کر ڈالا ہے۔ پانی کہاں سے آئے گا۔ آخر ایک کونسل منعقد کی گئی۔ اور اس میں فرقہ ٹمپلر اور فرقہ ہاسپٹلر کے سردار۔ مُلک شام کے عیسائی سردار وغیرہ۔ سب شامل تھے آخر یہ قرار پایا کہ بیت المقدس کا قضیہ چھوڑ کر قاہرہ کا قصد کیا جائے۔ جو یہاں سے دو سو پچاس میل کی مسافت پر ہے۔
اگلے روز تمام نصرانی لشکر جو بڑے ساز و سامان سے بیت المقدس کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کے لئے آیا تھا۔ بوریا بستر باندھ کر رملا کی طرف واپس

روانہ ہوگیا۔ باوجود اپنی جماعت کی کثرت اور نئے نئے سامان جنگ کے رچرڈ شیر دل کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ مسلمانوں سے ایک دو ہاتھ تو کر کے دیکھ لے۔

فتح اسلام

بیت المقدس کے سامنے سے "رچرڈ شیر دل" بادشاہ انگلستان کا چپ چاپ واپس چلے جانا صرف ایک ایسا واقعہ ہے جس پر رچرڈ کے سوانح نگار اور ہسٹری آف ہسٹورین کے مرتب کرنے والے مسیحی عالم بالکل خاموش ہیں تعجب ہے وہ سوانح نگار جو رچرڈ کے فرضی کارناموں کو تاریخی واقعات کا رنگ دے کر ہر مرحلہ میں پیش کرتے ہیں بیت المقدس سے لشکر کو واپس لے جانے کا ذکر کیوں نہیں کرتے مسیحی مؤرخوں کا خاصکر "سر والٹر اسکاٹ" کا وہ شیر دل رچرڈ جس کا نام سن کر مسلمان گھروں سے نکلنے سے گریز کرتے تھے۔ اور جو یورپ سے یہ عہد کر کے چلا تھا کہ جب تک وہ بیت المقدس کو سلطان صلاح الدین سے چھین کر سرزمین فلسطین میں ایک طاقتور مسیحی سلطنت قائم نہ کرلیگا۔ انگلستان کا رخ نہ کرے گا۔ ایک عظیم الشان عیسائی لشکر کی موجودگی میں جس کے پاس میدانی توپیں اور یورپ کا تیار کردہ سامان جنگ بکثرت موجود تھا۔ کیوں اور کس خیال سے حصول بیت المقدس کے لئے قسمت آزمائی کئے بغیر واپس لوٹ گیا۔

عیسائی مؤرخ اسے کوئی فوجی چال کہیں یا جو چاہیں سمجھیں لیکن حقیقت میں حق و باطل چھپا نہیں رہ سکتا۔ وجہ در اصل یہ تھی۔ کہ رچرڈ سلطان صلاح الدین کے نام سے بہت گھبراتا تھا۔ اور صلیبی سرداروں کا یہ تو حال تھا۔ کہ پے در پے زک اٹھانے سے اب ان کو ایک ایسے مقام پر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی

جہاں سلطان بذات خاص موجود ہو۔ یہ غلط ہے کہ مسلمان رچرڈ کا نام سن کر دبک جاتے تھے۔ وہ لوگ جن کو "تاریخ کروسیڈ" پر عبور ہے۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلطان کا نام عیسائیوں کے لئے ایک نہایت خوفناک چیز تھی۔ حالانکہ سلطان فیاضی اور رحم کی ایک مجسم مثال تھا۔ لیکن میدان جنگ میں خاص کر ایسے مقام پر جہاں فوجوں کی کمان خود غازیٔ اسلام سلطان کرتا ہو صلیبی سردار اپنی عافیت راہ گریز اختیار کرنے ہی میں سمجھتے تھے۔

رملہ اور بیت نوبا کے مقامات پر جب عیسائی لشکر پڑا تھا۔ تو مسلمانوں کی بیرونی فوجی چوکیوں نے عیسائیوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ایک پل بھی مسلمان حملہ آور چین سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ لیکن رچرڈ کو ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔ تمام عیسائی لشکر جس میں بقول رچرڈ کے سوانح نگاروں کے کم و بیش تین لاکھ ایسے نبرد آزما تھے۔ جو مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے بیت المقدس کے سامنے پڑا تھا۔ مسلمان صبح و شام آ آ کر حملے کرتے تھے۔ اور قتل و غارت کا میدان گرم کر کے واپس لوٹ جاتے تھے۔ لیکن یورپ کا مایۂ ناز شیر دل خیمے سے باہر نکلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ لشکر کی رسوائی اور بے دست و پائی کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ لیکن مٹھی بھر سوار چھوڑ تمام فوج کی موجودگی میں سلطانی افواج کے مقابلہ کی جرأت نہ کرتا تھا۔ کیوں ؟ محض اس لئے کہ وہ بھی اب سلطان صلاح الدین غازی سے خم کھاتا تھا۔ مجلس صلح میں تو اسے سلطان سے ملنے کی بڑی آرزو تھی۔ لیکن بزم رزم میں سلطان کا مقابلہ کرنا رچرڈ کو منظور نہ تھا۔

بیت المقدس سے لوٹ کر پھر رچرڈ نے اپنے سفیر سلطان کے حضور میں بھیجنے شروع کئے۔ سلطان صلح کرنے پر آمادہ تھا۔ اسے خلقت خدا کا خون بہانا

منظور نہ تھا۔ لیکن جو شرائط نصرانی بادشاہ پیش کرتا تھا۔ اسے سُلطان تو کیا کوئی اور غیور مسلمان بھی قبول نہ کر سکتا تھا۔ رچرڈ نے متعدد بار سُلطان کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔ کئی بار یورپ کے تحائف بھی پیش کئے لیکن صلح ہوتی نظر نہ آتی تھی۔ اس نامہ و پیام کے سلسلہ میں رچرڈ اور اس کا بہت سا لشکر عکہ واپس آ گیا تھا۔ اور بیروت کے راستے یورپ واپس لوٹ جانے کی افواہ گرم کر رکھی تھی لیکن دراصل ارادہ یہ تھا۔ کہ بیروت پر اچانک حملہ کر کے اسے اپنے تصرف میں کر لے۔ سلطان اس نصرانی بادشاہ کی چالوں کو خوب سمجھتا تھا۔ پیشتر اس کے کہ رچرڈ بیروت کی جانب روانہ ہو۔ سُلطان مورخہ ۲۷ جولائی کو اچانک جافا کے سامنے آ موجود ہوا۔ عیسائیوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ اور مُسلمانوں کے آتے ہی جنگ چھڑ گئی۔

علامہ بہاؤالدین لکھتا ہے کہ سلطان ہر مرحلہ پر بذات خود پہنچتا تھا۔ اور حسب عادت نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہوا شمشیر بکف عیسائیوں پر حملہ کرتا تھا عیسائیوں نے اس مقابلہ پر خوب داد شجاعت دی۔ اور نہایت بہادری اور مستقل مزاجی سے عساکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ تین دن کی خونریز لڑائی کے بعد حملہ آور قلعہ کی بیرونی دیوار توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ نصرانیوں کی ایک کثیر جماعت لوہے کا لباس پہنے ایک دیوار آہنی کی طرح قطار در قطار کھڑی تھیں۔ اس زندہ فولادی دیوار کو توڑنا سخت دشوار کام تھا۔ لیکن آخر حملہ آور کامیاب ہو گئے۔ اہل شہر نے امان طلب کی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ اور جن شرائط پر آج سے پانچ سال پیشتر اہل بیت المقدس کو امان دی گئی۔ انہی شرائط پر باشندگان جافا کو امان دی گئی۔ لیکن مسلمان جوش غضب میں اس قدر بھرے ہوتے تھے۔ کہ ان کا بے قابو ہو کر دشمنان دین مبین کو قتل کرنا غیر ممکن نہ تھا۔ لیکن سُلطان نے انتہائی کوشش سے کام لے کر عیسائیوں کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ پھر بھی معدودے چند عیسائی

یہاں وہاں قتل ہو گئے۔ شہر عیسائیوں نے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔ اس جگہ سے مسلمانوں کو بہت سا سامان رسد ملا۔ اور وہ قیمتی اسباب جو مصری قافلہ کا رچرڈ نے لوٹا تھا۔ یہاں سے دستیاب ہو گیا۔

علامہ ابن اثیر رقمطراز ہے کہ سلطان نے ان تمام مقامات کے گردونواح میں جن پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ نصرانی لشکر کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے فوجیں لگا رکھی تھیں، جس وقت سلطانی افواج شہر جافا میں فتح و نصرت کے نعرے بلند کرتی پھرتی تھیں۔ اسی وقت سلطان کو اس کے ہرکاروں نے رچرڈ کے ایک لشکر کے ساتھ جافا کی کمک کے آنے کی اطلاع دی۔ رچرڈ کو جافا والوں کی نازک حالت کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اور وہ یلغار کرتا ہوا سمندر کے راستہ سے ان کی مدد کو آرہا تھا۔

علامہ بہاؤالدین لکھتا ہے کہ میں خود تمام رات اسلامی لشکر کے مختلف مقامات کی نگرانی کرتا رہا۔ سلطان خود رات بھر بیدار رہا۔ آخر علی الصبح کمکی فوج کے نقاروں کی آواز سنائی دینے لگی۔ سلطان نے اسی وقت ایک جرار فوج ساحل کی طرف رچرڈ کو روکنے کے لئے روانہ کر دی۔ دوپہر کے قریب رچرڈ کا بیڑا دور سمندر میں نظر آرہا تھا۔ اس میں پینتیس جنگی جہاز پندرہ تیز رو کشتیاں تھیں۔ یہ وہی بیڑا تھا جس پر رچرڈ سوار ہو کر انگلستان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ نصرانی سپاہی جو ابھی تک قلعہ ہی میں پڑے تھے۔ اگرچہ امان طلب کر کے شہر حوالے کر چکے تھے۔ اور محض کردوں اور بدوؤں سے جو جوش انتقام میں غضبناک ہو رہے تھے، بچنے کے لئے سلطان کی اجازت سے قلعہ میں پڑے تھے رچرڈ کی آمد کی خبر پا کر حسب دستور بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی اس جماعت پر جو ان کی حفاظت پر مامور تھی حملہ کر دیا۔

اور اس مٹھی بھر اسلامی جماعت کو قلعہ سے باہر دھکیل دیا۔ لیکن مسلمانوں نے پھر ایک ایسا خوفناک حملہ کیا کہ سینکڑوں عیسائی قتل کر ڈالے۔ اور دوبارہ قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ عیسائیوں نے گھبرا کر پھر امان طلب کی۔ رچرڈ ساحل سمندر پر کھڑا تھا۔ اور اسی شش و پنج میں تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرے یا نہ کرے۔ لین پول اپنی کتاب الموسوم بہ "صلاح الدین" میں لکھتا ہے "رچرڈ شیر دل مسلمانوں پر حملہ کرنے سے جی چراتا تھا"۔

اتنے میں قلعہ سے ایک پادری کسی نہ کسی طرح بھاگ کر رچرڈ کے سامنے جا حاضر ہوا۔ اور اسے عیسیٰ مسیح کا واسطہ دے کر قلعہ والوں کی مدد کیلئے ابھارا۔ علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ رچرڈ اپنے نائٹ کروسیڈرز (صلیبی سرداروں) کی ایک کثیر جماعت ساتھ لے کر قلعہ والوں کی مدد کو پہونچ گیا۔ اس کے آتے ہی جنگ نے ایک خوفناک صورت اختیار کر لی۔

مسلمانوں کی وہ مختصر سی فوج جس نے دوبارہ قلعہ اور شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ نہایت مردانگی سے مقابلہ کرتی رہی۔ لیکن تابکے بہت سے مجاہدین راہ خدا میں لڑ کر شہید ہو گئے۔

بہاؤ الدین لکھتا ہے جس وقت رچرڈ اور اس کے خونی صلیبی سردار شہر میں مسلمانوں سے لڑ رہے تھے۔ اس وقت سلطان کے خیمے میں وہ عیسائی سفیر قلعہ والوں کی طرف سے حاضر ہوئے۔ اور سلطان سے عاجزی کے ساتھ اہل قلعہ کی جان و مال کی سلامتی کے لئے عرض معروض کرنے لگے۔ میں نے بھی حاضر ہو کر عرض کیا۔ سلطان نے اہل شہر کی کور چشمی اور غداری کے بدلے غصے میں آ کر شہر کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اور سواروں کے ایک بہادر دستہ کو ساتھ لے کر میدان جنگ میں بہ نفس نفیس کھڑا رہا۔ اور پھر رملا کی طرف چلا گیا۔

ایک عیسائی مؤرخ "ریلف آف کاگ شل" اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے "قلعہ جافا پر صلاح الدین باسٹھ ہزار جرار فوج لے کر پڑا ہوا تھا۔ رچرڈ شیر دل صرف اسی صلیبی سرداروں اور چار صد تیر اندازوں کو ساتھ لیکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں تمام اسلامی لشکر کو مار کر رملہ کی طرف بھگا دیا۔ اس لڑائی میں بادشاہ رچرڈ کے نیچے تین گھوڑے مسلمانوں کے تیروں سے زخمی ہو کر گرے"۔

چار سو اسی آدمیوں کا باسٹھ ہزار کی جمعیت کو مار کر بھگا دینا جماعت یا سیر جلیلہ کی ہمارا کیا تجربہ یا تو ہماری عقل سلیم تو اس قسم کے واقعات اور بیانات کو کبھی صحیح و درست نہیں تسلیم کر سکتی۔

علامہ بہاؤ الدین لکھتا ہے کہ سلطان کے رملہ پہونچتے ہی رچرڈ کے سفیر پھر حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کی طرف سے پھر صلح کی درخواست کی۔ سلطان نے اپنے سیکرٹری ابوبکر کو رچرڈ کے پاس بھیجا۔ تاکہ شرائط صلح کا فیصلہ کرے۔ رچرڈ نے ابوبکر کی بہت آؤ بھگت کی۔ اور اس کے ذریعے سلطان کو یہ پیغام بھیجا:۔

"اس کشت و خون سے کسی کو فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ خلق خدا کو آرام کرنے کی اجازت عطا کی جائے۔ اور اس جنگ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ میرے آبائی ملک میں میری عدم موجودگی کے باعث بہت سے فتنے جاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ میرا وطن کو جانا اشد ضروری ہے۔ میری اس عرضداشت پر مجھے امید ہے پورا پورا غور کیا جائیگا"۔

ابوبکر نے سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر بادشاہ انگلستان کا پیغام لفظ بہ لفظ عرض کر دیا۔ اور صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے دونوں جانب سے سفیر آنے جانے لگے۔ رچرڈ نے جافا اور عسقلان کا مطالبہ کیا۔ اور وعدہ کیا کہ فلسطین کے تمام عیسائی تاجدار اس کے حلقہ بگوش ہو کر رہیں گے۔

سلطان نے جافا دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن عسقلان دینے سے صاف انکار کر دیا۔ شنبہ کے روز چند ذی رُتبہ عیسائی سردار رچرڈ کی طرف سے سلطان کے حضور میں حاضر ہوتے اور عسقلان عیسائیوں کے قبضہ میں رہنے کی از سرِ نو درخواست کی۔ بقول لین پول سلطان نے ان سفیروں کو مخاطب کر کے یہ جواب دیا:۔

"اگر ہم چاہیں۔ تو جس قدر علاقہ تمہارے بادشاہ (رچرڈ) کے قبضہ میں ہے ہم اس سے دوبارہ چھین سکتے ہیں۔ تمہارا بادشاہ ایسی حالت میں تم لوگوں کو یہاں چھوڑ کر کیسے واپس وطن کو جا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے وطن سے دور اس مُلک میں ایک دو سال اور قیام کر سکتا ہے۔ تو کیا ہمارے لئے ایک دو سال اپنے ہی وطن میں رہ کر جنگ جاری رکھنا کیا مشکل ہے۔ میں محض اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کے لئے یہ جنگ کر رہا ہوں۔ اور انشاءاللہ جب تک فضل باری تعالیٰ شامل حال ہے اس جنگ کو جاری رکھوں گا۔ فتح و شکست اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔"

رچرڈ کے سفیر یہ پیغام لے کر واپس چلے گئے۔

اسی اثنا میں سلطان کو یہ اطلاع دی گئی۔ کہ رچرڈ دوبارہ بیت المقدس پر

حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ سلطان نے فوراً قاصد چاروں طرف بھیج کر کمکی فوج طلب کی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سی تازہ دم فوج بیت المقدس میں آکر جمع ہو گئی۔

لیکن اب قدرت کو زیادہ خونریزی منظور نہ تھی۔ رچرڈ کو اچانک بخار آنے لگا۔ اور اس کی طبیعت بہت بگڑ گئی۔ اس نے سلطان کے پاس اپنے ذاتی سردار بھیج کر برف اور پھلوں کی درخواست کی۔ سلطان نے حسب درخواست بادشاہ کو بہت سی برف اور تازہ پھل بھیجے۔ بیماری کی حالت میں بھی رچرڈ برابر اپنے سفیر سلطان کے پاس صلح کیلئے بھیجتا رہا۔ ملک العادل علیل ہونے کے باعث میدان جنگ سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ رچرڈ کے سفیر اس کے پاس بھی لگاتار پہونچتے رہے۔ رچرڈ ملک العادل کو بار بار یہی لکھتا تھا کہ کسی طرح اپنے صاحب تخت و تاج بھائی کو صلح پر آمادہ کرے۔

مورخہ ۲۸ اگست سے یکم ستمبر ۱۱۹۲ء تک سفیر آتے جاتے رہے آخر سلطان نے امرا کے مشورہ سے صلح منظور کر لی۔ شرائط صلح یہ قرار پائی کہ ساحل سمندر کا علاقہ عکہ سے جافا تک جو عیسائیوں کے قبضہ میں ہے ان کے پاس رہے۔

عسقلان مسمار کر دیا جائے اور وہ کسی کی مملکت میں شمار نہ ہو۔

مسلمان اور عیسائی بلاخوف و خطر ایک دوسرے کے ممالک میں سفر کریں۔

مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت ہو گی۔

سُلطان صلاح الدین اور بادشاہ رچرڈ کے تمام بڑے بڑے اُمرا نے اس عہدنامہ پہ دستخط کر دیئے۔ اور اس کی پابندی کے لئے حلف اُٹھائے۔ اور قرار پایا کہ تین سال تک دونوں اطراف میں صلح رہے۔

سلطان نے تمام بلاد اسلامیہ میں اس صلح کا اعلان کر دیا۔ اور مؤرخہ ۹ اکتوبر ۱۱۹۲ء کو بادشاہ رچرڈ عکہ سے جہاز میں سوار ہو کر یورپ کی طرف واپس چلا گیا۔

"پوپ" کے حکم سے یورپ کی تمام بڑی بڑی سلطنتیں۔ باجگذار والیانِ ملک بڑے بڑے نواب اور عوام کا ایک اژدہام ہتھیار باندھ کر مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے اور سرزمین فلسطین میں ایک مسیحی سلطنت قائم کرنے کیلئے ایک ٹڈی دل کی طرح ہجوم کر کے آ گئے تھے لیکن سلطان صلاح الدین غازی کے سامنے ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ پانچ سال کی متواتر جنگ اور کشت و خون کے بعد اسلام پھر ایک بار تثلیث پر غالب آیا۔

معرکہ حطین میں جو شاندار فتح ۷ رجولائی ۱۱۸۷ء کو سُلطان صلاح الدین کو ہوئی تھی۔ اس وقت سرزمین فلسطین کا بہت تھوڑا سا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ لیکن صلح رملہ کے بعد جو ستمبر ۱۱۹۲ء میں ہوئی۔ تقریباً تمام مُلک سوائے چند ایک ساحلی مقامات کے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اور پرچم ہلال ہر گوشہ سے لہرا لہرا کر اسلام کی شان اور عظمت کا پتا دیتا تھا۔

تیسری صلیبی جنگ میں ایک طرف یورپ کے مسیحی تھے۔ اور دوسری طرف مقابلہ میں سلطان صلاح الدین اور اس کے کرد۔ ترک۔ عرب اور شام و مصر کے کلمہ گو تھے۔ مسیحی حملہ آوروں کے پاس توپ خانے اور جدید آلات حرب تھے۔

مسلمان ان سامانوں سے محروم تھے۔ ایک طرف اخراجات جنگ کے لئے یورپ کے تاجداروں کے خزانے تھے۔ اور رعیت پر "صلاح الدین ٹیکس" عائد کر کے روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ لیکن دوسری جانب مفتوح اسلامی ممالک کے معمولی مالیات تھے۔ اور پھر بھی باوجود اس قدر سازوسامان کے تمام یورپ کی متفقہ کوششیں سلطان صلاح الدین کے عزم کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ایک طویل جنگ و جدل کے بعد کردستان سے لے کر صحرائے لبیان تک تمام ملک سلطان کے زیر نگین تھا۔ بڑے بڑے زبردست مسیحی تاجدار "سلطان صلاح الدین" کا رفیق کہلانے پر ناز کرتے تھے۔

ہر معرکہ میں سلطان اپنی افواج کو خود مقابلہ پر لڑاتا تھا۔ یورپ والے بڑے بڑے نامی گرامی نبرد آزما سلطان کی فوجی لیاقت کا سکہ مانتے تھے۔ اسلام کے اصول کے مطابق سلطان ہمیشہ کونسل منعقد کر کے اپنے رفقاء سے استفسار کر لیا کرتا تھا۔ اس کے سردار اور جرنیل اور معاون باجگذار حکمران کونسل میں بعض اوقات اس کی رائے سے اختلاف کرتے تھے۔ بحث طول کھینچتی تھی۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے سب لوگوں کو سلطان کے فہم و فراست پر پورا پورا اعتبار تھا۔ وہی لوگ جو کونسل میں اس سے اختلاف رائے رکھتے تھے ہر معرکہ میں ہر میدان میں ہر مجلس میں سلطان کے حکم کے آگے سر نگوں کر دیتے تھے۔

قدرت سے سلطان کو ایک بہت قانع دل عطا ہوا تھا۔ جافا کی جنگ کے بعد سے مسیحی لشکر کی کمزوری کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا۔ مسلمان فتح کے نشہ میں سرشار تھے اور اپنے راہنما کے اشارے پر سلطنتوں کو زیر و زبر کرنے پر ہر وقت آمادہ تھے۔ اگر کوئی اور شخص ہوتا۔ تو ان حالات سے فائدہ اُٹھا کر اپنی

سلطنت کو وسعت دینے کے لئے فوراً اُٹھ کھڑا ہوتا۔ لیکن سلطان صلاح الدین کو خلقت خدا کا خون بہانا سخت ناپسند تھا۔ فتح رملہ کے بعد اس نے اپنی فوج کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت عطا کی۔ سپاہی اس طرح ٹولیاں بن بن کر اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جیسے لوگ مل جُل کر میلوں میں شامل ہونے کے لئے جاتے ہیں۔

سلطان نے ان عیسائی زائروں کے لئے جو بیت المقدس کی زیارت کرنا چاہتے تھے۔ حفاظت اور آرام کے سامان بہم پہونچانے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

سفرِ آخرت

قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک

کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل
جن کی تدبیرِ جہاں بانی سے ڈرتا تھا زوال

رُعب فغفوری ہو دُنیا میں کہ شانِ قیصری
ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی

بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ دُنیا کی گویا آخری منزل ہے گور

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے
اس ستمگر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

صلح رملہ کے بعد کچھ عرصہ تک تو سلطان صلاح الدین مسیحی زائروں کے بیت المقدس کی زیارت کے لئے آنے کے انتظام میں مشغول رہا۔ پھر ایک خاص جماعت کو عسقلان کے مسمار کرنے اور وہاں کی مسیحی آبادی کو

بہ حفاظت جہاں وہ چاہے پہونچانے کے لئے مقرر کیا۔ ماہ رمضان کا مبارک مہینہ سلطان نے بیت المقدس میں گذارا۔ اور پھر اپنی سلطنت کا دورہ شروع کیا۔ تمام بڑے بڑے شہر اور جنگی مقامات ملاحظہ کئے۔ ان کے استحکام کے لئے فوجیں اور چوکیاں مقرر کیں۔

آخر چار سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان صلاح الدین مؤرخہ ۴ نومبر کو اپنے دارالسلطنت دمشق میں جلوہ افروز ہوا۔ دمشق کے بڑے بڑے جاگیردار منصب دار اور رؤسائے شہر اور خلقت کا ایک ہجوم اس شیدائے اسلام سلطان کے استقبال کیلئے ایک منزل آگے آئے ہوئے تھے۔ بڑی دھوم دھام سے سلطان کا استقبال کیا گیا۔ اہل دمشق خوشی اور مسرت سے دیوانے بنے ہوئے تھے۔ تمام شہر عروس کی طرح آراستہ تھا۔ جدھر سے سلطان گذرتا اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعروں سے لوگ خیر مقدم کرتے۔

جمعہ کے روز سلطان نے دربار عام منعقد کیا۔ بڑے بڑے سلاطین کے سفراء باجگذار ریاستوں کے کونسل۔ اور تمام قسم کے لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ عزیز و اقارب نے نذریں پیش کیں۔ شعراء نے قصائد پڑھے۔ سلطان نے تقریباً ہر ایک شخص سے علیحدہ علیحدہ مصافحہ کیا۔ مستحق لوگوں کو انعامات سے مالامال کر دیا۔

کچھ روز بعد سلطان اپنے شہزادوں اور ملک العادل اپنے بھائی کے ساتھ دمشق کے گرد و نواح میں ہرن وغیرہ کے شکار میں مشغول رہا۔ مؤرخہ ۲۰ فروری کو اپنے سکتر بہاؤالدین کے علاوہ اور بہت سے امراء کو ہمراہ لے کر دمشق سے چار میل آگے جاکر سرزمین پاک کی طرف جانے والے قافلہ کا استقبال کیا۔ بارش کا موسم تھا۔ واپس آتے ہوئے بارش ہونے لگی۔ ایک مدت سے سلطان کی طبیعت

ناساز رہتی تھی۔ دمشق پہونچتے ہی بُخار ہو گیا۔ اگلے روز شاہی دعوت کے وقت سُلطان خود اس دعوت میں شامل نہ ہو سکا۔ سلطان کی جگہ اس کا بیٹا ملک الفضل بیٹھا۔ لوگوں کو سلطان کی علالت کی خبر سُن کر بہت فکر ہُوا۔ تین روز تک جب بُخار نہ اُترا۔ تو اطبا نے باہم مشورہ کر کے فصد کھولنے کی تجویز کی۔ خون نکل جانے سے کمزوری بہت زیادہ ہو گئی۔

صبح اور شام کے وقت خلقت کا ایک ہجوم محل کے دروازہ پر اپنے ہر دلعزیز سلطان کی خبر دریافت کرنے کے لئے کھڑا رہتا۔ شام کو عموماً بہاؤالدین اور ایک دو اور سردار سلطان کے حضور میں حاضر رہتے۔ نویں روز سلطان پر غشی طاری ہو گئی۔ اور وہ اس قابل نہ رہا۔ کہ اسے کوئی دوا یا غذا پلائی جا سکے۔ لیکن شنبہ کے روز طبیعت نے کچھ سنبھالا لیا۔ سلطان نے کچھ غذا بھی کھائی اور دوا بھی استعمال کی۔ ہر روز مساکین کو خیرات دی جاتی تھی۔ تمام مساجد میں سُلطان کی صحت کے لئے پانچوں وقت دُعائیں مانگی جانے لگیں۔ دو روز بعد اچانک رات کے وقت بہاؤالدین جو سلطان کا سیکرٹری اور کونسل کا صدر تھا محل میں طلب کیا گیا۔ لیکن جس وقت وہ محل میں پہونچا اُس وقت ایک عالم سلطان کے پاس بیٹھا کلام الٰہی کی تلاوت کر رہا تھا۔ سُلطان اس وقت دُنیا سے بالکل بے فکر معلوم ہوتا تھا۔ نہایت غور سے قرآن شریف سُن رہا تھا۔ گاہے گاہے نہایت خفیف تبسم اس کے لبوں پر آشکارا ہوتا تھا۔ جس وقت قاری اِنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ پر پہونچا۔ تو سلطان ایک بار مُسکرایا۔ ہونٹوں نے کچھ خفیف سی حرکت کی۔ اور ساتھ ہی مُبارک رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

مورخہ ۴ مارچ ۱۱۹۵ء بروز پنجشنبہ پچپن برس کی عمر میں سلطان صلاح الدین

عازم جنت ہُوا۔

اسی دن نمازِ عصر کے بعد سلطان کو سپردِ گور کیا گیا۔ مرنے سے پیشتر سُلطان کے پاس جو کچھ بھی تھا اس نے راہ خدا میں دے دیا تھا۔ کفن کے لئے ایک پیسہ بھی موجود نہ تھا۔ چنانچہ قاضی فاضل نے اپنی گرہ سے کفن منگوایا۔ نہایت سادگی سے جنازہ اُٹھایا گیا۔ اور اسی باغ میں جہاں علالت کے زمانہ میں سلطان رہتا تھا دفن کر دیا گیا۔

اہل دمشق کے رنج و غم کی کچھ انتہا نہ تھی۔ جنازے کے ہمراہ خلقت کا بڑا اژدحام تھا۔ کہ آج تک کبھی اتنی خلقت ایک جگہ جمع نہیں دیکھی گئی تھی۔ اگلے روز تمام اہل دمشق جوق در جوق سلطان کی تُربت پر اشکوں سے اظہار عقیدت کرنے کو حاضر ہوئے۔ تمام شہر میں کئی روز تک دوکانیں بند رہیں۔ اور شہر سُونا پڑا معلوم ہوتا تھا۔

ابن خلقان لکھتا ہے۔ کہ اگلے سال سلطان کو باغ سے نکال کر مسجد امیہ کے پاس دفن کیا گیا۔ ایک پختہ قبر تیار کروا دی گئی۔ گنبد کے دروازوں اور دیواروں پر آیات قرآنی منقش کی گئیں۔ جب میں فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ تو ایک درویش نے مجھے سُلطان کے پارچات کی زیارت کرائی۔

سُلطان کا طبیب خاص عبد اللطیف رقمطراز ہے۔ کہ جس طرح اہل دمشق نے سُلطان صلاح الدین کا ماتم کیا۔ آج تک کسی بادشاہ کا اس طرح ماتم نہیں ہُوا۔ سُلطان کا حلم اور فیاضی اس کی زندگی کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔ اسے رعیت سے بچوں کی طرح پیار تھا۔ اور رعیت اس پر فریفتہ تھی۔ مرنے سے کچھ روز پیشتر اس نے اپنے بڑے چہیتے بیٹے ملک الظاہر کو پاس بُلا کر

یہ نصیحت کی :۔
"بیٹا میرا وقت اب قریب آپہونچا ہے ..... میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں
..... اگر تو خدا کو خوش رکھے گا۔ تو اِس دُنیا میں شاد کام رہے گا۔ خلقت خدا کا
خُون بہانے سے جہاں تک ممکن ہو گریز کر۔ اگر تو لوگوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار
بنانا چاہتا ہے۔ تو ان سے رحم۔ فیاضی اور محبّت سے پیش آ۔ خدا نے تجھے
خلقت کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور میری نصیحت یہی ہے کہ جہاں تک
ہو سکے خلقت کو آرام پہونچانے کے خیال سے غافل مت رہنا۔ اگر تو لوگوں سے
محبّت کریگا۔ تو سب تیرا دم بھرینگے۔"

سُلطان صلاح الدین کے حضور میں لوگ بیباکی سے حاضر ہوتے تھے فرصت
کے اوقات میں لوگوں سے بات چیت کرنا اسے بہت پسند تھا۔ اس کے عہد میں
لوگوں کو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ اس کے دربار میں جو لوگ موجود ہوتے تھے
بلا تکلف گفتگو میں شامل ہوتے تھے۔ لیکن کسی کی مجال نہ تھی
کہ اس کے سامنے بیہودہ سرائی سے کام لے۔ یا غیر متعلق گفتگو کرے۔ سلطان
کبھی کسی کو بُرا بھلا نہ کہتا تھا۔ غصّہ کی حالت میں خاموش ہو جاتا تھا۔

حکیم عبداللطیف جو بغداد سے آیا تھا لکھتا ہے :۔

"سُلطان کے چہرے سے جلالت اور دبدبہ ہویدا تھا۔ اس کے پاس بیٹھ کر
طبیعت خوش ہوتی تھی۔ وہ پہلے درجے کا فیاض اور بڑا خوش مزاج آدمی تھا۔
بڑا منکسر المزاج تھا۔ بڑا رحم دل تھا۔ اس کی مجلس میں ہر وقت علماء اور بڑے
بڑے اہل شہر بیٹھے رہتے تھے۔ سلطان ان لوگوں سے بحث کرتا تھا۔ اور ان کی
گفتگو سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ جب سلطان نے بیت المقدس کی فصیل اور شہر پناہ کو
مستحکم کرنے کا حکم دیا۔ تو وہ خود اس وقت بیت المقدس میں موجود تھا۔ میں نے اسے

خود پتھر اُٹھا اُٹھا کر ایک جگہ سے دُوسری جگہ لے جاتے کئی بار دیکھا ہے۔ اس کے مشیر بہاؤالدین اور عماد الدین بھی اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ صبح سے دوپہر تک وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر پناہ کے حفاظتی کاموں کا معائنہ کرتا رہتا تھا۔ یہی شغل پچھلے پہر رہتا تھا۔

سُلطان صلاح الدین نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ عیش و آرام سے اسے نفرت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسان دُنیا میں خدا کی عبادت اور اس کی خلقت کی خدمت کے لئے بھیجا گیا ہے"۔

علامہ بہاؤالدین لکھتا ہے :۔

"سلطان بڑا کریم النفس اور رحم دل تھا کسی شخص کو دُکھ درد میں دیکھ کر بیتاب ہو جاتا تھا۔ بڑا فیاض اور متواضع شخص تھا۔ اپنے خدام پر کبھی ناراض ہوتا تو شاذونادر ہی انہیں سزا دلواتا۔ حالانکہ اس زمانہ میں خدام پر لوگ بہت سختی کرتے تھے۔ اگر کبھی کوئی خادم اس کا روپیہ پیسہ چرا لیتا۔ تو سُلطان اُسے موقوف کر دیتا۔ لیکن کبھی سزائے تازیانہ نہ دلواتا"۔

بہاؤالدین ایک مقام پر لکھتا ہے۔ کہ مَیں اور سُلطان گھوڑوں پر سوار بیت المقدس کے ایک بازار سے گزر رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے ہر طرف کیچڑ تھا کئی بار گھوڑے کے کُودنے سے سُلطان کے کپڑوں پر کیچڑ کی چھینٹیں پڑیں۔ سُلطان مُسکرا کر خاموش رہتا۔ مَیں نے ہر چند کوشش کی کہ سُلطان کے پیچھے چلوں۔ لیکن سُلطان نے اجازت نہ دی۔

ایک بار سُلطان ابھی ابھی باہر سے آ کر بیٹھا تھا۔ بڑا تھکا ماندہ معلوم ہوتا تھا۔ اتنے میں ایک "مملوک" ایک درخواست لے کر آیا۔ اور سُلطان کے آگے کاغذ رکھ دیا۔ سُلطان نے کاغذ اُٹھا کر اُس کی درخواست پر منظوری کا حکم لکھ دیا۔

اس کثرت سے لوگ اپنی اپنی عرضیاں لے کر آتے تھے۔ کہ ایک بھیڑ لگ جاتی تھی۔ سُلطان ہر ایک شخص کے ہاتھ سے خود عرضی لیتا۔ اور مناسب احکام لکھوا کر اسے خود واپس دیتا۔ سُلطان ہر روز لوگوں کی عرضیاں دیکھا کرتا تھا۔ اور ایک خاص وقت اس کام کے لئے متعین تھا۔ اس کے سیکرٹری قلم دوات لے کر پاس بیٹھے رہتے۔ اور اس کے احکام عرضیوں پر لکھتے رہتے۔

بروز یکشنبہ اور دوشنبہ وہ دارالقضاۃ میں جاکر بیٹھتا تھا۔ اور لوگوں کے مقدمات خود فیصل کرتا تھا۔ قاضی سُلطان کے پاس بیٹھا شرعی احکام نافذ کرنے میں اسے مشورہ دیتا تھا۔

سُلطان کی فیاضی کی مثالیں اس قدر ہیں کہ اگر ان کو ترتیب وار لکھا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ عکہ کے میدان میں ایک عیسائی عورت کی چھوٹی سی لڑکی مُسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ نصرانی سرداروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ خود سُلطان کے حضور میں حاضر ہو کر بچی کے تلاش کرانے کی درخواست کرے۔ یہ نصرانی عورت روتی ہوئی سُلطان کے سامنے حاضر ہوئی۔ سلطان کو اسکی حالت پر بہت رحم آیا۔ لشکر کو حکم دیا گیا۔ کہ جس کے پاس لڑکی ہو۔ وہ فوراً اسے حاضر کرے۔ آخر لڑکی مل گئی۔ سلطان نے اُسے اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔ اور دونوں کو کچھ نقد انعام دے کر بحفاظت نصرانی لشکر میں بھجوا دیا۔

سُلطان یتیم بچوں سے بڑی محبت سے پیش آتا تھا۔ اور عموماً ان کی پرورش کا انتظام کرتا رہتا تھا۔ سلطان کو اپنے بچوں سے از حد اُلفت تھی۔ وہ ان کو ہمیشہ یہی تلقین اور نصیحت کیا کرتا کہ اپنے ہمجنس سے بہ تلطف پیش آؤ۔ اور رحم کرنے کی عادت ڈالو۔ سُلطان بڑا پکا متقی مُسلمان تھا۔ کسی خاص فرقہ سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ احکام قرآن اور احکام شریعت کا پابند تھا۔ ایک صرف مذہبی معاملات میں سُلطان

کسی سے رعایت نہ کرتا تھا۔ وہ لوگ جو مذہب میں رخنہ اندازی کرتے تھے اُن کو شرع کے مُطابق سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ نماز ہمیشہ پابندی اوقات سے ادا کرتا تھا۔ جنگ وجدل کے ایّام میں بھی رمضان مُبارک کے روزے پُورے رکھا کرتا تھا۔ تلاوت قرآن حکیم میں کبھی کوتاہی نہ کرتا تھا۔ نماز جُمعہ خاص اہتمام سے ہمیشہ باجماعت ادا کرتا تھا۔ ایام علالت میں امام کو بُلوا کر جُمعہ کی نماز اس کے پیچھے ادا کی تھی۔ خوش الحان قاریوں سے قرآن حکیم سُننے کا اسے بہت شوق تھا۔ چونکہ خود بڑا عالم تھا۔ مطالب قرآن کو خوب سمجھتا تھا۔ جب کبھی کوئی رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتا۔ تو اس کی آنکھوں میں جوش عقیدت سے آنسُو ڈبڈبا آتے۔ سُلطان کو زیارت بیت اللہ کی بڑی آرزو تھی۔ ہر سال حج کی تیاری کرتا۔ لیکن صلیبی جنگوں کے باعث یہ تمنّا پُوری نہ ہوئی۔ تاہم وہ ہر سال بہت سا روپیہ حجاج کے اخراجات کے لئے تقسیم کرتا۔ حاجیوں سے جو محصول لیا جاتا تھا اس نے اپنے عہد میں اسے بند کر دیا تھا۔

اس کے آخری ایّام میں جب مدینہ منوّرہ سے حاجیوں کا قافلہ واپس آیا۔ تو وہ اپنے شہزادوں اور اُمرا کے ساتھ ان کے استقبال کو گیا۔ حاجیوں سے مصافحہ کرتا تھا۔ اور خوشی کے آنسُو بہاتا تھا۔

"جہاد" کے ایّام میں سلطان دن رات فوجوں کی درستگی اور سامان رسد کی فراہمی کے انتظامات میں منہمک رہتا تھا۔ سلطان کی طبیعت میں رحم اور حلم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جنگ وجدل سے اسے سخت نفرت تھی۔ لیکن جب راہ خدا میں عیسائیوں سے جہاد کرنے کا وقت آیا۔ تو اس نے اپنی بُردباری۔ چابک دستی۔ فوجی لیاقت اور سیاست سے ایک زمانہ کو محوِ حیرت کر دیا۔ میدان جنگ میں ایک مقام سے دُوسرے مقام تک گھوڑا دوڑاتا نظر آتا تھا۔ صرف ایک غلام ایک اور گھوڑا لئے

ساتھ موجود رہتا تھا۔
"جہاد" کے اخراجات کے لئے جو کچھ اس کے پاس ذاتی طور پر تھا سب خرچ کر ڈالا۔ اور اس سے زیادہ جسم وجان دونوں کو اللہ کی راہ میں فدا کر دیا۔ سُلطان کا اِرادہ تھا کہ نصرانیوں کو فلسطین سے نِکال کر پھر اور بلاد کے عیسائی تاجداروں کو دعوت اِسلام دے۔ اور اگر وہ انکار کریں تو راہ حق میں جہاد کرے۔
"عکہ" کے میدان میں جب اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی تو اس کے اطبّا نے آرام کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن پھر بھی سلطان گاہے گاہے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی افواج میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا اور کہا کرتا۔ کہ جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں۔ تو سب دُکھ درد بھُول جاتا ہوں۔ لیکن جب آرام کرنے کے لئے لمبا پڑتا ہوں تو عارضہ بھی تکلیف دینے لگتا ہے۔
مال ودولت اس کی نگاہ میں بالکل حقیر چیز تھی۔ ان ایام میں جب کہ اس کا باپ ایک قلعہ دار تھا۔ صلاح الدین کے پاس جو کچھ ہوتا اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالتا۔ جب خدا نے اسے تخت وتاج عطا کیا۔ تو فیاضی کی کوئی حد نہ رہی۔ سائل جو کچھ مُنہ سے مانگتا عموماً وہی اس کو ملتا۔ روپیہ بخشش کرنے میں سُلطان ہر وقت تیار رہتا تھا۔ خزانہ شاہی ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ جنگ وجدل کے ایام میں باجگذار سلاطین سامان کا اِنتظام کر دیتے تھے۔ مرنے سے پیشتر سُلطان کے پاس جو کچھ اس کی ذاتی ملکیت تھی۔ اس نے سب اللہ کی راہ میں دیدی۔ وہ دُنیا سے اس طرح خالی ہاتھ گیا جس طرح وہ خالی ہاتھ آیا تھا۔ ایک عالم میں سُلطان کی فیاضی کی سچی کہانیاں مشہور تھیں۔ اور وہ لوگ جو اس کے نام سے کانپتے تھے۔ جب اس کے حضور میں حاضر ہوتے۔ تو اس کے حلم۔ رحم اور فیاضی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔

سلطان اپنے پیچھے سترہ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ گیا۔ سب سے بڑے لڑکے کا نام الملک الفضل نور الدین ابو الحسن علی تھا۔ یہ شہزادہ عید کے روز مصر میں پیدا ہوا تھا۔ سلطان کی وفات کے بعد دمشق۔ بعلبک۔ بانیاس وغیرہ وغیرہ علاقوں پر حکومت کرنے لگا۔

دوسرا لڑکا ملک العزیز عماد الدین ابو الفتح عثمان تھا۔ یہ بھی مصر میں پیدا ہوا۔ سلطان کی وفات کے وقت مصر میں موجود تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد مصر پر حکومت کرنے لگا۔

تیسرا لڑکا الملک الظاہر غیاث الدین غازی تھا۔ سلطان کے بعد سلطنت حلب کا والی قرار پایا۔

لڑکی کا نام مونسہ خاتون تھا۔ یہ شہزادی ملک کامل سلطان کے بھتیجے سے بیاہی گئی تھی۔

عالم اسلام ابو المظفر الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف پر جتنا بھی ناز اور فخر کرے بجا ہے۔

الملک افضل — الملک العزیز — الملک الناصر — ملک الظاہر — الملک المظفر

الملک المؤید — الملک الاعز — الملک الزہر — الملک افضل

الملک الاشرف — الملک المحسن — الملک المعظم — الملک الجواد

الملک الغالب — الملک المنصور — عماد الدین شادی — نصرالدین مروان

مونسہ خاتون

تمام شد

میاں محمد حنیف پروپرائٹر اردو اکیڈمی بیرون لوہاری گیٹ لاہور نے عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر
چھپوا کر شائع کیا